بأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

نام کتاب	:	**بَرَکاتُ التَّرتِیل**
کلمات دعائیہ	:	تاج الشریعہ حضور ازہری میاں قبلہ
کلمات تبریک	:	علامہ محمد عبدالمبین نعمانی قادری
تالیف	:	محمد افروز قادری چریاکوٹی
تصویب ونظر ثانی	:	مولانا قاری احمد جمال قادری
سن اشاعت	:	۱۴۲۵ھ ۲۰۰۴ء
باردوم	:	۱۴۲۸ھ ۲۰۰۷ء
بارسوم	:	۱۴۳۱ھ ۲۰۱۰ء
بارچہارم	:	۱۴۳۲ھ ۲۰۱۱ء
بارپنجم	:	۱۴۳۳ھ ۲۰۱۲ء
صفحات	:	دوسوچھتیس (۲۳۶)
قیمت	:	/روپے
باہتمام	:	اِدارہ فروغِ اسلام، چریاکوٹ، مئو

ㅇ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنتَ السَّمِيعُ العَلِيمُ ㅇ

مجودِ قرآن ومجددِ دین وملت

شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدّس سرّہ القوي [۱۲۷۲–۱۳٤۰ھ]

.... : **کے نام** : ....

جنھوں نے مروّجہ وغیر مروّجہ پچاس [۵۰] سے زیادہ علوم وفنون پر طبع آزمائی فرمائی، اور علم تجوید وترتیل اور قراءت ورسم عثمانی کے فضائل ومسائل کھلی کتاب کی مانند واضح فرمادیے؛ خصوصاً مسئلہ حرف ''ض'' کی بھرپور تنقیح فرماکر ملت اِسلامیہ پر عظیم اِحسان فرمایا۔ ع :

خدا رَحمت کند اِیں عاشقانِ پاک طینت رَا

کرم جو:

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

اُن باخدا ہستیوں کے نام۔ جنھوں نے ہر عہد کی ہتھیلی پر اِس علم شریف کے مہ و خورشید اُجالنے کا خوبصورت اِہتمام فرمایا۔

اُن اَساطینِ قراءت کے نام۔ جنھوں نے ہر دور کی فضا اِس علم شریف کے سرمدی نغموں سے معمور و مسرور رکھی۔

اُن اَربابِ روایت کے نام۔ جنھوں نے اپنے شیوخ کے سرمایۂ علم و عرفان کا روحانی تعلق، دیانتِ تمام کے ساتھ عہدِ مابعد سے جوڑنے کی سعی محمود فرمائی۔

اُن اَصحابِ طریق کے نام۔ جنھوں نے اِخلاص کی جملہ توانائیوں کے ساتھ اس علم شریف کے آفاقیانہ اِبلاغ و ترسیل میں کسی قسم کے بخل کو رَاہ نہ دی۔

بالخصوص حضرت اِمام عاصم، اِمام حفص اور اِمام شاطبی۔علیہم الرحمۃ والرضوان۔ کی بارگاہ میں یہ عاجزانہ کاوِش پیش ہے۔ ع :

گر قبول اَفتدز ہے عز و شرف

یکے از خدامِ تجوید :

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

فہرست

معرفة الوقوف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے کارساز قبلہ حاجات کارہا ☆ آغاز کردہ ام تو رسانی بہ انتہا

بلاشبہہ علم تجوید ایک اَہم واَعظم اور پُرعظمت فن ہے۔اَہمیت کے اِعتبار سے اس کی سربلندی یوں کہ اِس کی معرفت کے بغیر ہم صحیح معنوں میں ’ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً ‘،[۱] پرعمل پیرا نہیں ہوسکتے ’ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ‘[۲] کے زُمرے میں شمولیت نہیں پاسکتے اور حلاوتِ قرآنی سے کما حقہ لطف اَندوز بھی نہیں ہوسکتے۔اور پُرعظمت اس لیے کہ یہ بلا واسطہ قرآن کے اَلفاظ وحروف اور اس کی مشق واَدا سے متعلق ہے؛ اس لیے ضرورت اِس بات کی ہے کہ اِس کے فروغ و توسیع کی بھرپور کوشش کی جائے اور اِسے بحیثیت فن رواج دیا جائے؛ تاکہ ہماری پیش آمدہ نسلیں اگر قرآن کا صحیح عرفان حاصل نہ کرسکیں، تو کم از کم ’ ماتجوز بہ الصلوٰۃ ‘ کی حد تک صحت قرآن کی پہچان تو کرلیں۔دراصل یہی سوچ اِس تحریکِ خامہ کا داعیہ بنی ہے، اور اِسی شوقِ دروں نے کچھ لکھنے پر مجبور کیا ہے۔

اس فن کے اَسرار ونکات سے متعلق مجھ سے پیشتر بہت سے اَربابِ ذوق وبصیرت مستند ومعتبر کتابیں لکھ گئے ہیں (اللہ تعالیٰ اُنھیں اُن کی خدمتوں کا بھرپور اَجر وصلہ عطا فرمائے) میں تو اِس فن کے متقدمین مصنّفین کے مقابلہ میں شراکِ نعل کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔بس یہ سمجھیں کہ اس کتاب میں جو کچھ ہے انھیں کا توشہ وخوشہ ہے، میرا اَپنا کچھ نہیں؛ البتہ اِس میں جو اَغلاط ہوں گی وہ بے شک فقیر کا کارنامہ ہوں گی۔

(۱) سورۂ مزمل: ۷۳/۴...... (۲) سورۂ بقرہ: ۲/۱۲۱۔

اس علم سے میرا کوئی خاص لگاؤ نہ تھا؛ مگر خدا' اپنی عطا و نوال کی مینھ برسائے میرے ہادی و مرشد حضرت **علامہ مولانا محمّد عبد المبین نعمانی** -مدظلہ النورانی- پر کہ جنھوں نے اِس فن کی تحصیل کی جانب میرے سمندِ شوق کو مہمیز کیا، اور میری تشنگیِ شوق کی سیرابی کے لیے ہمہ وقت اَپنا درِ جود وا رکھا؛ بالآخر برسانے والے نے مجھ سے کم تر پر بھی اَبرِ رحمت کی بھرن برسادی، اور مبدءِ فیاض کی طرف سے یہ توفیق اَرزانی ہوگئی کہ اِس فن کے تعلق سے بکھرے ہوئے شہ پاروں کی شیرازہ بندی کر کے میں اَربابِ فن کے حضور اِسے پیش کرسکوں؛ ورنہ میں کہ اپنے جیب وداماں' گل ہائے علم وعرفاں سے خالی پا کر کبھی اِس کے لیے ہمت نہ جٹا سکا تھا۔

اس آفاقی فن اور غیر معمولی علم سے عوام وخواص کی بے اِعتنائی وتغافل کی رودادِ بلا خیز حضور نعمانی صاحب قبلہ کی زبانی اکثر میں سنا کرتا تھا؛ مگر میرا آہوے شوق خوشی سے بھولے نہیں سمارہا ہے کہ آج مجھ سے اپنے مرشد کی کشت ہائے آرزو کی شادابی کا سامان ممکن ہوسکا ہے، اور اُن کے خواب ہائے دیرینہ کی تعبیر' میں لا سکا ہوں۔

تحدیث نعمت کے طور پر قارئین کی جناب میں عرض کرتا چلوں کہ اِس کتاب میں آپ کو کچھ ایسی نکات آفریں باتیں ملیں گی اور جابجا ایسے گراں قدر حواشی کے گل بوٹے نظر آئیں گے کہ فن کی عام کتابوں کا دامن اُن سے خالی ہے۔ اِس کے ساتھ ہی عربی ناآشنا حضرات کی سہولت کے لیے فنی اِصطلاحات اور اَدَق کلمات پر اِعراب سازی بھی کردی گئی ہے؛ تاکہ رزم گاہِ تحقیق میں تابِ مقاومت نہ رکھنے والی طبیعتیں اَوّل نگاہ ہی میں جمالِ حقیقت سے آشنا ہوجائیں۔ حواشی کی ترتیب میں نہایۃ القول المُفید، شرح سبعہ قراآت، فتح الرحمٰن شرح خلاصۃ البیان، اور معلم الاداء فی الوقف والابتدا وغیرہ کتابوں سے مدد لی گئی ہے؛ جب کہ زیادہ تر حواشی 'لمعات شمسیہ حاشیہ فوائد مکیہ' سے مستفاد و مستعار ہیں۔

تاج الشریعہ ابوعسجد حضور علامہ مفتی محمد اختر رضا قادری ازہری -مداللہ ظلہ العالی- نے بسیارِ کار، ہجومِ اَفکار اور طبیعت کے ناساز گار ہونے کے باوجود اِس کتاب کو چیدہ

چیدہ مقامات سے ملاحظہ فرمایا، حسب ضرورت اِصلاحیں فرمائیں اور ساتھ ہی کلمات دعائیہ تحریر فرما کر اِس کتاب کو سندِ اِعتبار عطا کیا۔ اُستاذ القراء مجودِ عصر حضرت مولانا قاری مقری اَحمد جمال قادری مصباحی دام ظلہ کی اَصاغر نوازیاں اور رہنمائیاں بھی اِس سلسلے میں چراغ رہ گزر کا کام دیتی رہی ہیں۔ اُن کرم فرمائیوں کے ستائش خواں درحقیقت درونِ دل چھپے میرے وہ جذبات ہیں جن کی تعبیر حرف وصوت سے آشنا نہیں ہوسکتی ـــــ میں اپنے اُن اَساتذہ اور والدین کا بھی ممنون ہوں جن کا اِحسانِ تعلیم وتربیت میری ہر دینی وعلمی خدمت کا سنگ بنیاد ہے۔ نیز اپنے اُن تمام اَحباب واَعوان کے حضور میری جبین شکر خم ہے جنھوں نے اِس کتاب کی نقل وتبییض، طباعت واِشاعت اور ترتیب وتبویب میں کسی طرح کا بھی تعاون کیا، مجھے نیک مشوروں سے نوازا، یا کم از کم میری حوصلہ اَفزائی فرما کر میری اُمنگوں کو توانا رکھا۔

اخیر میں ناظرین وقارئین سے اِلتماس ہے کہ اِس کتاب میں میری کم علمی کے باعث قدم قدم پر لغزشیں نظر آئیں گی؛ مگر اُمید ہے کہ اِصلاح فرما کر مجھے مشکور کریں گے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ ماقیل پر نگاہِ توجہ فرمائی جائے، اور من قال کو نہ دیکھا جائے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ محض اپنے فضل وکرم اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی لطف وعنایت سے میری اِس اَدنیٰ سی کوشش کو خلعتِ قبولیتِ عامہ بخشے اور اِس کو میرے والدین آب وگل اور پدرانِ جان ودل دونوں کی مغفرت کا سبب اور خود میرے لیے توشۂ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العالمین بجاہِ حبیبک رحمۃ للعالمین علیہ و علیٰ اٰلہٖ و صحبہٖ أکرم التحیۃ و التسلیم ...

-: راقم :-

محمد افروز قادری چریاکوٹی

۱۵/ جمادی الاولی۔ ۱۴۲۵ھ

جامعۃ الرضا - بریلی شریف

کلماتِ دعائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم و آلہ و صحبہ اجمعین

میں نے عزیز گرامی قدر ُ مولانا قاری محمد اَفروز قادری چریاکوٹی سلمہٗ کا رسالہ ''**برکات الترتیل**'' اُن سے چند مقامات سے پڑھوا کر سنا، اُن کی کاوش پسند آئی۔ مجھے اپنی علالت کی وجہ سے پوری کتاب کو بغور دیکھنے کی فرصت نہیں۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اُن کی کتاب کو اِسم بامسمّٰی بنائے، اور ترتیل وتجوید قرآن کے اَنوار و برکات عام فرمائے، اور عزیز موصوف کو جزاے خیر عطا فرمائے، برکات دارین سے نوازے۔

فقیر محمد اختر رضا قادری اَزہری غفرلہٗ

۱۱؍رجب-۱۴۲۵ھ-

۲۸؍اگست-۲۰۰۴ء-

ہدیہ تبریک و دعائے تحسین

مبلغ اِسلام، مصلح ملت حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری -مدظلہ-

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلى على رسوله الكريم وآله و صحبه اجمعين الى يوم الدين.

زیرِنظر کتاب ''برکات الترتیل'' عزیز القدر مولانا قاری محمد افروز قادری چریاکوٹی -زید مجدہ- کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے ''جامعۃ الرضا'' بریلی شریف میں تدریسی خدمات کے دوران تصنیف کیا ہے۔ یہ قراءت وتجوید کے ضروری اور اہم مباحث پر مشتمل ہے، اور اپنے انداز کی بہترین کتاب ہے۔ جو صرف یہی نہیں کہ شعبہ تجوید کے طلبہ کے لیے مفید ہے بلکہ علوم دینیہ سے تعلق اور دلچسپی رکھنے والے تمام ہی اَفراد کے لیے اہمیت کی حامل ہے۔ خصوصاً آج کے دور میں جب کہ تجوید وقراءت سے غفلت بڑھتی جارہی ہے، بعض اچھے خاصے اہل علم بھی اِس فن شریف سے ناواقفِ محض نظر آتے ہیں، اور کثیر تعداد میں اَئمہ مساجد تجوید کے ضروری مسائل تک سے نابلد دیکھنے میں آتے ہیں، اِس جیسی کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ اِس سلسلے میں مصنف مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اِس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اِس میں تجوید کے ضروری قواعد اور رموز واَسرار کے بیان کے ساتھ فن تجوید کی اہمیت پر بھی بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے، جب کہ تجوید کی اکثر کتابیں صرف مسائل تجوید سے ہی تعلق رکھتی ہیں۔

اعلیٰ حضرت، مجدد ملت امام احمد رضا محدث بریلوی -قدس سرہ- [۱۳۴۰ھ] نے جو تمام علوم وفنون میں یکساں مہارت کے حامل تھے ''فتاوی رضویہ'' میں متعدد مقامات پر علم تجوید کی اہمیت بیان فرمائی ہے اور جہاں ضرورت واقع ہوئی تجوید کے مسائل سے بھی بحث کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت -قدس سرہ- فن تجوید کے بھی امام تھے۔ آپ فرماتے ہیں :

دیکھئے اتنی تجوید کہ ہر حرف دوسرے سے صحیح ممتاز ہو فرضِ عین ہے، بغیر اس کے نماز قطعاً باطل ہے۔ عوام بے چاروں کو جانے دیجیے، خواص کہلانے والوں کو دیکھئے، کتنے اس فرض پر عامل ہیں۔(۱)

اور قطب العالم سرکار مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ مصطفیٰ رضا نوری بریلوی -قدس سرہ العزیز- [۱۴۰۲ھ] اپنے فتاوی میں ایک سوال کے جواب میں کہ ''ایک شخص کہتا ہے کہ قراءت سیکھنا جھگڑا ہے'' ارشاد فرماتے ہیں :

اتنی قراءت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے' فرض ہے، جس نے اس سے منع کیا اس نے فرض سے روکا، اور ایک فرض کو جھگڑا بتایا، اس پر توبہ فرض ہے، اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ بھی چاہیے۔ بہت بَد کلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔(۲)

حضور صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ شاہ مفتی محمد امجد علی اعظمی -قدس سرہ العزیز- [۱۳۶۷ھ] نماز میں قرآن شریف پڑھنے کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فرض میں ٹھہر ٹھہر کر قراءت کرے، اور تراویح میں متوسط انداز پر اور رات کے نوافل میں جلد پڑھنے کی اجازت ہے ـــــ مگر ایسا پڑھے

(۱) فتاویٰ رضویہ: ج اول، ص: ۵۵۵ مطبوعہ مطبع اہل سنت بریلی۔
(۲) فتاویٰ مصطفویہ: صفحہ ۴۷- رضا اکیڈمی، ممبئی۔

کہ سمجھ میں آسکے۔ یعنی کم سے کم مد کا جو درجہ قاریوں نے رکھا ہے اس کو ادا کرے ورنہ حرام ہے۔ اس لیے کہ ترتیل سے قرآن پڑھنے کا حکم ہے۔(۱)

آج کل اکثر حفاظ اس طرح پڑھتے ہیں کہ مد کا ادا ہونا تو بڑی بات ہے، یعلمون تعلمون کے سوا کسی لفظ کا پتہ بھی نہیں چلتا، نہ تصحیح حروف (یعنی حرفوں کی مخارج سے صحیح طور پر ادائیگی) ہوتی ہے، بلکہ جلدی میں لفظ کے لفظ کھا جاتے ہیں، اور اس پر تفاخر (فخر کا اظہار) ہوتا ہے کہ فلاں اس قدر جلد پڑھتا ہے۔ حالاں کہ اس طرح قرآن مجید پڑھنا حرام وسخت حرام ہے۔

ساتوں قراءتیں جائز ہیں، مگر اولیٰ یہ ہے کہ عوام جس سے ناآشنا ہوں وہ نہ پڑھے کہ اس میں ان کے دین کا تحفظ ہے۔ جیسے ہمارے یہاں قراءتِ امام عاصم بروایت حفص رائج ہے، لہٰذا یہی پڑھے۔(۲)

مزید فرماتے ہیں :

ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنا اگر اس وجہ سے ہے کہ اس کی زبان سے وہ حرف ادا نہیں ہوتا تو مجبور ہے، اس پر کوشش کرنا ضروری ہے۔ اگر لاپرواہی سے جیسے آج کل کے اکثر حفاظ وعلما کہ ادا پر قادر ہیں مگر بے خیالی میں تبدیلِ حرف کر دیتے ہیں۔ (یعنی حرف بدل دیتے ہیں، کچھ کا کچھ پڑھ دیتے ہیں) تو اگر معنیٰ فاسد ہوں تو نماز نہ ہوئی، اس قسم کی جتنی نمازیں پڑھی ہوں ان کی قضا لازم۔

ط ، ت ، س ث ص ، ذ ز ظ ، ا ء ع ، ہ ح ، ض

(۱) درمختار و ردالمحتار۔
(۲) درمختار، ردالمحتار – بہارشریعت: ج۳-ص۹۹، ۱۰۰ فاروقیہ، دہلی

ظ د ان حرفوں میں صحیح طور پر امتیاز رکھیں، ورنہ معنی فاسد ہونے کی صورت میں نماز نہ ہوگی، اور بعض تو س ش ، ز ج ، ق ک میں بھی فرق نہیں کرتے۔

لحن کے ساتھ قرآن پڑھنا حرام ہے اور سننا بھی حرام۔ مگر مدولین میں لحن ہوا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اگر فاحش نہ ہو کہ تان کی حد تک پہنچ جائے۔(۱)

مذکورہ بالا اِرشادات سے تجوید کی فرضیت واہمیت بخوبی واضح ہے۔لہٰذا اِس سے غفلت نمازوں کی بربادی کا سبب ہے۔آج جو لوگ اِس فن سے غفلت برتتے ہیں وہ سبق لیں، بیدار ہوں، اور اپنی کوتاہیاں دور کریں، جو بھی اس فن تجوید کا ماہر ملے بلا تکلف اس سے اِستفادہ کریں، شرم نہ کریں، اپنی عمر کا لحاظ نہ رکھیں کہ جتنی عمر باقی ہے وہ تو اِس سعادت سے محروم نہ رہے اور وبالِ گناہ سے بھی بچنے کا موقع نصیب ہو۔ و اللّٰہ الموفق و المعین و له الحمد فی الاوّلین و الآخرین والصلوٰة والسلام علی سید المرسلین و آله و صحبه اجمعین الی یوم الدین .

دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل مصنف عزیز کو مزید خدماتِ دینیہ قرآنیہ کی توفیق مرحمت فرمائے، اوران کے ذریعہ فن تجوید وقراءت کو فروغ بخشے۔آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم .

محمد عبدالمبین نعمانی قادری

دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو، یوپی

۲۸ر رجب المرجب-۱۴۲۵ھ-

(۱) عالمگیری - بہارشریعت: ۱۰۸/۱۔

تقریظ جلیل

استاذ القراء مجود عصر حضرت مولانا قاری مقری احمد جمال القادری الاعظمی
شیخ التجوید والقراءت: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو۔275304

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زینت القراء عزیزی مولانا قاری مقری محمد افروز قادری صاحب چریاکوٹی شیخ التجوید: مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا [بریلی شریف] نے فن قراءت میں اپنی پہلی تصنیف اِصلاح اور نظر ثانی کے لیے مجھے دی۔ میں نے اِس کتاب کو ازاوّل تا آخر دیکھا، ماشاءاللہ کتاب بے حد پسند آئی ـــــــ میں قاری صاحب کا ایک عرصہ سے صرف نام ہی سنا کرتا تھا وہ بھی مولانا اور مقالہ نگار کی حیثیت سے؛ لیکن جب شیخ طریقت، تاج شریعت حضور ازہری میاں قبلہ - دامت برکاتہم القدسیہ - نے گیارہ شوال ۱۴۲۴ھ کو ہوئے انٹرویو کے بعد اپنے جامعہ میں تدریس کے لیے ان کا اِنتخاب فرمایا تب مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ آپ قاری بھی ہیں ـــــــ جب کتاب کو ژرف نگاہی سے دیکھا تو پتا چلا کہ آپ اِس فن کے بھی بہترین ماہر اور رمز شناس ہیں ـــــــ کتاب دیکھ کر دل اِس قدر خوش ہوا کہ اس

کی تعبیر الفاظ کے ذریعہ ممکن نہیں۔عزیز موصوف نے اسے نہایت مدلل ومفصل اور تجوید و وقف کے ہر اک مسئلہ کو بڑی چھان بین کے بعد اور پوری تحقیق و ذمہ داری کے ساتھ تحریر کیا ہے،ساتھ ہی مشکل اِصطلاحات وکلمات پر اِعراب اور گنجلک مقامات پر تحشیہ نے تو کتاب میں جان ڈال دی ہے۔

میں اُن کی کوشش و کاوش کی دل سے قدر کرتا ہوں، اور اُمید کرتا ہوں کہ -اِنشاء اللہ تعالیٰ- اِس کتاب مستطاب سے طلبہ کرام سے زیادہ قاری ومقری حضرات مستفیض ومستفید ہوں گے۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اِس کتاب کو مقبول اَنام بنائے،مولانا موصوف کو اِس فن شریف سے لگے رہنے اور اِس فن پر جم کر کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اوران کے علم وعمل و عمر میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

-: طالب دعا :-

احمد جمال القادری الاعظمی

خادم القراءت: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

۳۰ ر اگست ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ

أيــا قــارئَ القُــرآن أحســن أداءهُ

يضاعف لک اللّٰہ الجزيل منَ الأجر

اس حقیقت سے بھلا کس کو انکار ہوگا کہ دنیا میں سب سے زیادہ تعظیم و توقیر ربانی نوشتوں کی کی جاتی ہے۔قرآن مجید بلاشبہہ اللہ رب العزت کا کلام ہے، جو ہر قسم کے تغیر و تبدل، حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ سے پاک ہے۔اس کی ایک ایک چیز محفوظ، حتیٰ کہ اس کی صحتِ اَدا تک محفوظ ہے۔قادر مطلق کی قدرت ہے کہ اُس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لیے اپنے بندوں ہی میں سے کچھ کو چن لیا؛ چنانچہ اَلفاظ کی حفاظت تو حفاظِ کرام کے ذمہ لگائی، قراءتِ متواترہ کا تحفظ گو اَلفاظِ قرآن ہی کا ایک حصہ ہے مگر یہ کام فن تجوید کے ماہر قراے عظام سے لیا اور ایسے ہی قرآن کی وہ صحت اَدا جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کو سکھائی تھی جو کہ ایک لطیف ترین فن ہے وہ بھی آج تک قراء اور مجودین کرام کے ذریعہ چلی آرہی ہے اور - انشاء اللہ- قرآن کے ساتھ ساتھ باقی رہے گی۔اور یہ سعادت اَرزانی صرف اور صرف اسی صحیفۂ آسمانی کا حصہ ہے کہ اس عالم رنگ و بو میں کروروں سے زیادہ انسان اس کے حافظ ہیں اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب بھی یہی ہے۔

ظاہر ہے جو کتاب اتنی عظیم و جلیل اور محترم و پرُعظمت ہو اس کے پڑھنے کے طور اور اس کی تلاوت و قراءت کے آداب بھی اتنے ہی اہم و اعظم ہوں گے۔ چنانچہ خود کلام الٰہی کی اِس آیت پاک سے تلاوت قرآن کی اہمیت و عظمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے :

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ [1] باوضو حضرات ہی اسے چھو سکتے ہیں ـــــ اور منبع اسرارِ قرآنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو قرآن پاک کو ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھنے کا صاف اِشارہ دے رہا ہے : رُبَّ قَارِیٔ [2] لِلْقُرْاٰنِ وَ الْقُرْاٰنُ یَلْعَنُهٗ [3]، یعنی بہت سے قرآن خواں ایسے ہیں کہ (غلط [4] پڑھنے کی وجہ سے) قرآن پاک اُن پر لعنت کرتا ہے۔ حدیث رسول کا مقصود یہ ہے کلمات قرآن کیسے اَدا کیے جائیں ، الفاظ وحروف کس طرح زبان سے نکالے جائیں، قرآن پڑھتے ہوئے قاری کس مقام پر کب اور کیسے ٹھہرے، یہ ایسے اُمور ہیں کہ ایک قرآن خواں کا اُن سے آگاہ ہونا اَز حد ضروری ہے؛ تاکہ اس کی قراءت' قلب وجگر میں وجدانی کیفیت اور فکر و نظر میں روحانی بالیدگی پیدا کر سکے، اور اس کے نتیجے میں وہ پورے طور پر معانی قرآن اور مفاہیم فرقان سے لطف آشنا اور کیف اَندوز ہو سکے، اسی کو اِصطلاح میں علم تجوید کا نام دیا گیا ہے۔

علماے ربانیّین نے قرآن مجید کے مطالب ومعانی، صِیَغ واَلفاظ، اِعراب وبِنا، رسم الخط، طُرقِ اَدا، اَحکام ظاہرہ ، اِشارات باطنہ اور قرا آتِ مختلفہ کے تحفظ اور اس کے محاسن ومحامد کو اُجاگر کرنے کے لیے بے شمار علوم وفنون ایجاد کیے، جن سے قوم مسلم قیامت تک راہ نمائی حاصل کرتی رہے گی، علم تجوید انھیں علوم میں سے ایک اہم

---

(۱) سورۂ واقعہ:۷۹/۵۶...... (۲) رُبَّ قَـارِیٔ سے تین قسم کے لوگ مراد ہیں، ایک وہ جو لفظ میں غلطی کریں، دوسرے جو معنی میں تغیر کریں اور تیسرے وہ جن کا عمل قرآن کے خلاف ہو اور قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھنا یہ بھی اسی میں داخل ہے۔ ۱۲/ محمد افروز قادری چریا کوٹی -غفرلہ ربہ القوی-

(۳) تفسیر آلوسی:۳۹۵/۱۶...... تفسیر اطفیش ،اباضی:۳۰۸/۸...... تفسیر نیساپوری میں یوں ہے : رب تـال لـلقرآن والقرآن یلعنه. (۱۵/۱)......اور احیاء علوم الدین میں بروایت مالک بن انس بھی یوں ہی مذکور ہے۔(۲۸۴/۱)

(۴) غلطیاں کئی طرح کی ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ معنی کا فساد نماز کے فساد کا باعث بن جاتا ہے۔ جیسا کہ شرح منیہ میں ہے کہ اگر کسی نے اللّٰه الصمد میں صاد کی جگہ سین پڑھ دیا تو نماز فاسد ہوگئی جو سجدۂ سہو سے بھی صحیح نہیں ہو سکتی؛ لہٰذا دوبارہ نماز اور قرآن مجید صحیح طور پر پڑھا جائے۔ صاحب روح البیان نے اپنے اِس قول میں اِسی حقیقت کو باور کرانے کی کوشش کی ہے: لا تجوز الصلوٰۃ بدون التجوید. یعنی قواعد تجوید کی رعایت کیے بغیر نماز پڑھنا درست نہیں۔ تفسیر روح البیان:۲۶۰/۶، ۲۰۲/۱۶۔ ۱۲ منہ

علم ہے۔ اِس علم کو غیر معمولی اہمیت اس لیے بھی حاصل ہے کہ یہ بلا واسطہ کلام الٰہی کی تلاوت اور اس کے اَلفاظ وحروف سے متعلق ہے۔

دراصل علم تجوید اُن قواعد اور اُصول کا نام ہے جن کی معرفت ورعایت سے حروف قرآنیہ اس ترتیل کے موافق ہوجائیں جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں دیا ہے: وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً (۱) اور قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی صرف تلاوت مقصود نہیں بلکہ اصل ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف، جدا جدا اور صحیح اَدا ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے پیشِ نظر ہر ایک قاریِ قرآن پر کلام اللہ بالترتیل پڑھنا واجب ہے۔ اور اَجر وثواب کا ترتب اسی وقت ہوگا جب قرآن مجید موافق نزول اور مطابق مامور بہٖ پڑھا جائے۔

خلاصۃ البیان میں تجوید کی تعریف یوں مذکور ہے :

التجوید عبارۃ عن أدائہٖ کما أنزل . (۲)

یعنی تجوید یہ ہے کہ کلام اللہ موافق نزول پڑھا جائے۔

اسی کتاب میں تجوید کی تعریف کچھ اِس طرح بھی کی گئی ہے :

التجوید اداۂ کأداءِ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و وجوہ الأداء عنہ الینا منقول ولا دخل للرأي فیہ . (۳)

یعنی تجوید اس طرزِ ادا کو کہتے ہیں جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلام اللہ کو اَدا فرماتے تھے، اور کلام اللہ کی اَدائیں یعنی اِدغام واِظہار، اِقلاب واِخفا اور ترقیق وتفخیم وغیرہ سب کے سب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہیں اور اس میں کسی کی عقل و رائے کو ذرہ بھر دخل نہیں۔

جب کہ **معلم التجوید للمتعلم المستفید** میں تجوید کی تعریف ایسے ملتی ہے:

(۱) سورۂ مزمل: ۷۳/۴ ...... (۲) خلاصۃ البیان: ص۴ ...... (۳) خلاصۃ البیان: ص۴۔

ھو أداء الحروف من مخارجھا الخاصة لھا من جمیع صفاتھا اللازمة و العارضة بسھولة و بغیر کلفة .

یعنی تجوید یہ ہے کہ حرفوں کو اُن کے مخارج مقررہ اور جملہ صفات لازمہ وعارضہ سے بآسانی اور بلاتکلف اَدا کیا جائے۔

بہرحال اِن تمام تعریفوں کا ماحصل یہی ہے کہ قرآن کی تلاوت ایسے اَنداز میں ہونی چاہیے جس سے ملک الکلام' کلامِ اللہ اس ترتیل کے موافق ہوجائے جس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت کریمہ 'وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً' میں دیا ہے۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اِس شعر میں یہی پیغام پیش کیا ہے ۔

و ما بقیاس فی القراء ة مدخل ☆ فدونک ما فیه الرضا فتکفله

یعنی قراءت میں قیاس کا کوئی دخل نہیں، ناقلین سے جو کچھ پہنچا ہے اُسے ہی اختیار کرو۔

اور امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اپنے اس شعر سے کچھ یہی بتانا چاہتے ہیں ۔

لأنــه بــه الالٰــه أنـزلا ☆ و ھٰکذا منه إلینا وصــلا

یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور یہ ہم تک تجوید ہی کے ساتھ پہنچا ہے۔

چنانچہ ام المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب قرآن پڑھتے تو حروف آپس میں جدا جدا ہوتے تھے۔ اُم المومنین کے الفاظ یہ ہیں :

فاذا ھی نعتت قراء ة النبی قراء ة مفسرة حرفا حرفا. (۱)

یوں ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کے بارے میں دریافت کیا گیا' تو آپ نے فرمایا :

(۱) تفسیر خازن:۳۲۱/۴......مشکوٰۃ المصابیح:۱۹۱......الاتقان فی علوم القرآن:۲۲۹/۱۔

لو أراد السامع أن یعد حروفه لعدّھا. (۱)

یعنی حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس قدر اطمینان و وقار سے پڑھتے کہ اگر سننے والا حرفوں کو گننا چاہتا تو بآسانی گن لیتا۔

کمالین حاشیہ جلالین میں آیت کریمہ 'وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا' کے تحت مذکور ہے :

أی علی تؤدة من غیر تعجل بحیث یتمکن السامع من عد اٰیاته و کلماته . (۲)

یعنی قرآن کو اِس طرح آہستہ اور ٹھہر کر پڑھو کہ سننے والا اس کی آیتوں اور اس کے الفاظ کو گن سکے۔

ترتیل کا وجوب عرفاً اور شرعاً دونوں طرح سے ثابت ہے، جس کے ترک سے گناہ لازم آتا ہے؛ لہٰذا اگر قرآن خلافِ ترتیل پڑھا گیا تو دو طرح کے خوف کا سامنا ہے : ایک ترکِ وجوب کا، دوسرے تحریف اَدا کا؛ کیوں کہ وحی منزَّل کے موافق نہ پڑھنا ہی ایک طرح کی تحریف ہے۔ مثلاً اِبدالِ حرف بحرفٍ آخر، اِبدالِ سکون بالحرکۃ یا ابدالِ حرکت بالسکون وغیرہ ہوجائے۔ قاری کا یہ عمل اگر بالقصد ہے تو تحریف کرنے والا بلاشبہہ کافر ہے؛ ورنہ گناہ گار ضرور۔ خلاصۃ البیان میں ہے :

و لزم الإثم علی ترکه لا سیما لمن لا یبالي شأنه .

یعنی ترتیل وتجوید کا تارک ضرور گنہ گار ہے؛ بالخصوص وہ شخص جو اِس فن شریف کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

تجوید کی اَدائیگی میں مخارج اور صفات لازمہ کا اِہتمام تو فرض عین ہے اور صفاتِ محسنہ مزینہ کی اَدائیگی استحباب کی منزل میں ہے۔ اور باعتبارِ فن اس علم کا حصول

(۱) تفسیر نیساپوری:۶/۴۹ ......(۲) تفسیر کمالین:۲/۴۷۶۔

فرض کفایہ ہے۔یعنی عملِ تجوید تو فرض عین ہے اور علمِ تجوید فرض کفایہ ہے۔
اس علم شریف کا ثبوت اَدلہٗ اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماعِ اُمت اور قیاس چاروں سے پیش کیا گیا ہے۔

کلامُ اللّٰہ سے اس کا ثبوت یہ ہے کہ آیت کریمہ وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِیْلاً ٥ سے صراحت کے ساتھ اِس علم کا واجب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔

اور بطور اِشارۃ النص کئی آیات سے وجوبِ تجوید کا ثبوت ملتا ہے، مثلا :

﴿ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلاوَتِہٖ (١) ﴾ ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَنْزَلَ عَلیٰ عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجاً ٥(٢)﴾ ﴿ وَ رَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلاً٥(٣)﴾ ﴿ اِنَّآ أَنْزَلْنٰہُ قُرْاٰناً عَرَبِیّاً٥(٤)﴾.

حدیث مبارک سے اِس کا ثبوت یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

إن اللّٰہ یحب أن یُقرَأَ القراٰن کما أنزل . (٥)

یعنی بلاشبہہ اللہ کو یہ پسند ہے کہ قرآن اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔

نیز صاحب نہایۃ القول المفید نے شارح جزری شیخ برہان الدین القلقیلی کے حوالہ سے ایک روایت نقل فرمائی ہے :

و قد صح أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم سمی قاری القراٰن بغیر التجوید فاسقاً .

یعنی صحیح روایت سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر تجوید' قرآن پڑھنے والے کو فاسق گردانا ہے۔

---

(١) سورۂ بقرہ:٢/١٢١......(٢) سورۂ کہف:١٨/١......(٣) سورۂ فرقان:٢٥/٣٢......(٤) سورۂ یوسف:١٢/٢۔
(٥) جمع الجوامع سیوطی:١/٦٨٨٧ حدیث:٢٦٦٢......کنز العمال:٢/٦٥ حدیث:٣٠٦٩۔

یوں ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اِرشادمبارک ہے :

رب قارئ للقرآنِ و القرآنُ یلعنُه .(۱)

یعنی بہت سے قرآن خواں ایسے ہیں کہ خود قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔

نیز جزئیات تجوید سے متعلق بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ ایک شخص کو پڑھا رہے تھے تو اس نے آیت کریمہ: **اِنَّمَا الصَّدقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاكِيْنِ** (فقراء کو) بغیر مد کے پڑھا تو آپ نے فرمایا: **ما هٰكذا اقرأنيها رسول الله ﷺ .** مجھے رسول اللہ ﷺ نے اِس طرح نہیں پڑھایا ہے۔

اِجماع اُمت : اس کے متعلق شیخ محمد مکی بن ابی طالب "**نهاية القول المفيد**" میں تحریر فرماتے ہیں :

قد اجتمعت الأمة المعصومة من الخطأ على وجوب التجويد من زمن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إلى زماننا ولم يختلف فيه عن أحد منهم...... و هٰذا من أقوى الحجج.(۲)

یعنی بے شک ساری امت نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ہمارے زمانہ تک بلا نزاع وخلاف' تجوید کے وجوب پر اتفاق کیا ہے، اور کسی کا اختلاف نہ کرنا ہی خود اس کے واجب ہونے کی سب سے قوی ترین دلیل ہے۔

بلکہ امام رازی، علامہ جزری، امام سیوطی، علامہ قسطلانی، علامہ دانی، شیخ مکی بن ابی طالب رحمہم اللہ وغیرہ حضرات نے تو اس علم کی فرضیت کا قول فرمایا ہے۔ سلطان القراء حضرت علامہ علی بن سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی معروف بہ 'ملا علی قاری' شرح جزریہ "**المنح الفكريه**" میں فرماتے ہیں :

(۱) تفسیر آلوسی: ۱۶/۳۹۵......روح البیان: ۱۶/۲۰۰......تفسیر اطفیش ،اباضی: ۸/۳۰۸......تفسیر نیسا پوری میں یوں ہے: **رب تال للقرآن والقرآن يلعنه.** (۱/۱۵)......اوراحیاء علوم الدین میں بروایت مالک بن انس بھی یوں ہی مذکور ہے۔(۱/۲۸۴) ...... (۲) نہایۃ القول المفید: ص ۱۰۔

هٰذا العلم لا خلاف في أنه فرض كفاية والعمل به فرض عين.

یعنی عمل تجوید کے فرض عین اور علم تجوید کے فرض کفایہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ۔

کچھ یہی بات مجوِدِ اعظم امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ عنہ نے بھی فرمائی ہے :

بلا شبہہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حروف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرض عین ہے۔(۱)

اس سلسلے میں شیخ مکی بن ابی طالب رحمۃ اللہ کا تجزیہ خوب ہے، وہ فرماتے ہیں:

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب 'نشر' میں تجوید کو ہر مکلّف پر فرض بتانے کے بعد کہا ہے کہ میں نے تجوید کو فرض اِس لیے کہا کہ وہ ائمہ کے نزدیک متفق علیہ ہے بخلاف واجب کے کہ اس میں بعض کا اختلاف ہوا کرتا ہے۔اور ابن غازی نے شرح جزریہ میں فرمایا کہ تجوید کی فرضیت کا قول کرنے میں ابن جزری تنہا نہیں بلکہ 'موضح' کے مصنف ابوعبداللہ نصر بن شیرازی ،امام فخر رازی اور شیوخ کی ایک جماعت نے بھی اس کی فرضیت کا قول کیا ہے۔ اتقان میں امام جلال الدین سیوطی اور لطائف الاشارات میں حافظ احمد خطیب قسطلانی نے اس کی موافقت کی ہے،ساتھ ہی زہری نے اپنی شرح طیبہ اور مکی بن ابو طالب اور ابوعمرو دانی وغیرہ مشائخ عالم نے بھی (جیسا کہ انھیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے پہنچی) قراءت کی تحقیق وتدقیق کے متعلق اس کا ذکر کیا ہے۔نصوص و روایات پیش کرنے کی قدرت کے باوجود ہم نے محض امام جزری کے قول پر اکتفا کرتے ہوئے اسے ترک کردیا۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ: ۳۴۳/۶...... (۲) نہایۃ القول المفید :۱۱۔

محقق جزری ''مقدمۂ جزریہ'' میں فرماتے ہیں :

والأخذ بالتجوید حتم لازم　　من لم یجود القرآن آثم

لأنــه بــه الإلــه أنــزلا　　وھٰکـذا منه إلینا وصلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا حتمی ولازمی ہے جو شخص قرآن کو تجوید کے ساتھ نہیں پڑھتا' گنہ گار ہے---اس لیے کہ قرآن کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور یہ ہم تک تجوید ہی کے ساتھ پہنچا ہے۔

شیخ ابوالعز القلانسی یہی بات اپنے منفرد انداز میں یوں پیش کررہے ہیں :

تجویده فرض کا لصــلاة　　جاء ت به الأخبار والأیات

وجاحد التجوید فهو کافر　　فــدع هـواه أنــه لـخاسر

یعنی قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے، آیات اور اَحادیث اس پر شاہد ہیں---اور تجوید کا منکر کافر ہے؛ لہٰذا تو ایسے شخص کی پیروی نہ کر، وہ بلاشبہہ خسارے میں ہے۔

قیاس سے اس کا ثبوت یوں ہے کہ معانی موقوف ہیں اَلفاظ پر اور اوّل کی صحت ثانی کی صحت پر موقوف ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اکثر اَوقات اس کے خلاف سے نماز' فاسد ہوجاتی ہے۔اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد اُمید ہے کہ یہ حقیقت بے غبار ہوگئی ہوگی کہ علم تجوید کا ثبوت اَدلۂ اربعہ: کتاب وسنت اِجماع اُمت اور قیاس سے کس طرح ہے!۔

مجدّدِ اعظم مجدد اِسلام امام احمد رضا قادری محدث بریلوی -قدس سرہ- اس علم شریف کی شرعی حیثیت اُجاگر کرتے ہوئے اور اس فن کی غیر معمولی اہمیت بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں :

تجوید بنص قطعی قرآن واَخبار متواترہ سیدالانس والجان علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰۃ والسّلام واِجماع تام صحابہ وتابعین وسائر ائمہ کرام

علیہم الرضوان المستدام حق و واجب در علم دین شرع الٰہی ہے :
قال اللّٰہ تعالیٰ : وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً . (قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔)۔(۱)

صدر الافاضل فخر الاماثل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر ''خزائن العرفان'' میں آیت مذکورہ کے تحت لکھا ہے :

رعایت وقوف اور اَدائے مخارج کے ساتھ اور حروف کو مخارج کے ساتھ تابہ امکاں صحیح اَدا کرنا نماز میں فرض ہے۔(۲)

مفسر مذکور ہی نے آیت کریمہ وَ رَتَّلْنٰہُ تَرْتِیْلاً کی تفسیر یوں کی ہے :

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قراءت میں ترتیل کرنے یعنی ٹھہر ٹھہر کر بہ اِطمینان پڑھنے اور قرآن شریف کو اچھی طرح اَدا کرنے کا حکم فرمایا۔(۳)

کچھ ایسی ہی بات علامہ اِسماعیل حقی رحمہ اللہ نے بھی تحریر فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:

لاَ تَجُوْزُ الصَّلٰوۃ بدونِ التجویْدِ .(۴)

یعنی قواعد تجوید کی رعایت کیے بغیر نماز درست نہیں۔

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنا واجب ہے؛ کیوں کہ خداوند قدوس کا اِرشاد ہے : **و رتل القراٰن ترتیلا** کہ قرآن کو ترتیل یعنی تجوید کے ساتھ پڑھو۔

دراصل تجوید کے لغوی معنی تحسین یعنی عمدہ بنانے کے ہیں اور اصطلاح میں تجوید ایسے علم کا نام ہے جس کی رعایت سے قرآن شریف نزول کے موافق پڑھا جاسکے؛ کیوں کہ قرآن مجید تجوید ہی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ: ۳۲۲/۶، ۳۲۳...... (۲) خزائن العرفان: ص۹۱۸- مجلس برکات مبارکپور۔
(۳) ایضا: ۵۸۰...... (۴) روح البیان: ۲۶۰/۶، ۲۰۲/۱۶۔

ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ ''حیاتِ اَعلیٰ حضرت'' کی جلد اوّل میں امام اہلسنّت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی -قدس سرہ- کے رسائل و کتب پر تبصرہ کرتے ہوئے علم تجوید کے حوالے سے رقم طراز ہیں :

جس علم میں قرآن مجید کو اچھی طرح تلاوت کرنے سے بحث کی جائے، مخارج حروف اور ان کی صفات کے لحاظ سے اور ترتیل نظم قرآن کی وصل، وقف، مد، قصر، تشدید، تخفیف، قلب اور تسہیل وغیرہ قواعد کے اعتبار سے اس کو علم تجوید کہتے ہیں۔ اس کا موضوع اور غایت و نفع' ظاہر ہے۔ یہ علم فنونِ قراءت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اور موسیقی کی طرح عملی علم ہے۔ یعنی صرف قواعد کا جان لینا کافی نہیں ہے؛ بلکہ اساتذہ سے سن کر، سیکھ کر اور خود تمام حروف و اَلفاظ کو قواعد مقررہ کے مطابق اَدا کرنے کا ملکہ حاصل کرنا (علم تجوید) ہے۔(۱)

ترتیل کے لغوی معنی ہیں ٹھہر ٹھہر کے پڑھنا اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ حرفوں کو صحیح مخارج و صفات کے ساتھ ادا کیا جائے نیز محل اوقاف و کیفیت وقوف کی رعایت کی جائے تا کہ جب وقف کی ضرورت محسوس ہو تو وقف بے قاعدہ و بے محل نہ ہو۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ -کرم اللہ وجہہ الکریم- سے پوچھا گیا کہ ترتیل کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا :

تجويد الحروف ومعرفة الوقوف . (۲)

یعنی حرفوں کی صحیح اَدا اور اوقاف کی شناخت۔

کلام اللہ پڑھنے میں بغیر ان دونوں جزؤں کی رعایت کیے ہوئے نہ کلام اللہ صحیح پڑھا جا سکتا ہے اور نہ ہی ترتیل مکمل ہو سکتی ہے یعنی قرآن اگر صرف تجوید سے پڑھا

(۱) حیاتِ اَعلیٰ حضرت: ۱/۵۹۹ مطبوعہ مرکز اہلسنّت گجرات...... (۲) التبیین فی احکام الکتاب المبین: ۴۶...... مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ فی موضوعات العلوم: ۲/۳۴۳۔ لبنان۔

گیا اور وقف خلافِ قاعدہ اور بے محل کیا گیا تو ایسے شخص کو ترتیل کے وجوب پر پوری طرح عمل پیرا نہیں گردانا جاسکتا؛ کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ترتیل کی تفسیر میں **تجوید الحروف** کے ساتھ ہی **معرفۃ الوقوف** بھی فرمایا ہے۔اس کا فائدہ یہ ہے کہ محل وقوف کی رعایت اور تجوید کی روشنی میں قرآن پڑھنا تفہیم معنی اور تحسین قراءت کا باعث ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں مجودِ قرآن امام اہلسنّت مولانا احمد رضا محدث بریلوی-قدس سرہ القوی-بڑی ایمان افروز بات بتا گئے ہیں :

> اس قدر تجوید جس کے باعث حرف کو حرف سے اِمتیاز اور تلبیس سے اِحتراز حاصل ہو، واجبات عینیہ واَہم مہماتِ دینیہ سے ہے۔آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور حرف میں اس کے مخرج سے ٹھیک اَدا کرنے کا قصدواِہتمام لازم کہ قرآن مطابق **ما أنزل اللّٰہ تعالیٰ** پڑھے، نہ کہ معاذ اللہ مداہنت وبے پروائی سے۔(۱)

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ ترتیل کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیام صلاۃ کے ساتھ ہی ترتیل قرآن کا حکم (۲) اس لیے دیا تاکہ دیدہ ودل ان آیتوں کے اسرار وغوامض اور حقائق ودقائق میں فکر وتأمل کریں؛ کیوں کہ غور وخوض کے نتیجے میں کاشانۂ دل، معرفتِ اِلٰہی کے اَنوار سے جگمگا اٹھتا ہے جب کہ قراءت میں تعجیل اُن مقاصد جلیلہ کے فقدان کا سبب بنتی ہے۔ایک چیز یہ بھی ہے کہ اَحکام الٰہیہ اور روحانی اُمور کے ذکر سے دل کو فرحت وبہجت حاصل ہوتی ہے اور جسے کسی شے سے مسرت حاصل ہوگی اس کا ذکر اس کے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہوگا اور وہ نہیں چاہے گا کہ اتنی محبوب شے کا ذکر جلد ختم کردیا جائے۔تو معلوم ہوا کہ

(۱) فتاویٰ رضویہ:۶/۳۱۸۔

(۲) یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلاً نِّصْفَهٗ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلاً اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاًo

ترتیل کا مقصود و منشا حضورِ قلب اور کمالِ معرفت ہے۔(۱)

اور ترتیل کی مقصدیت کے حوالے سے اسی سے کچھ ملتی جلتی بات امام خازن علیہ الرحمہ نے بھی کہی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قیام لیل کے ساتھ ترتیل قرآن کا حکم اس لیے دیا تاکہ نمازی حضورِ قلب کے ساتھ آیتوں کے حقائق و معانی میں غور و تدبر کرے؛ کیوں کہ جب اللہ رب العزت کا ذکر آئے گا تو اس کا دل عظمت و جلالتِ الٰہی سے معمور ہوئے بغیر اور وعدہ و وعید کے وقت خوف و رجا کی ایک خاص کیفیت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے گا اور جہاں قصص و وقائع کا ذکر ہوگا وہاں اسے عبرت پذیری ہوگی اور دل، نورِ معرفت سے منور ہو جائے گا؛ جب کہ اِسراع فی القراءت یعنی قراءت میں تعجیل کی صورت میں یہ مقصدِ رفیع فوت ہو جاتا ہے۔(۲)

حضرت علی مرتضیٰ -کرم اللہ وجہہ الکریم- سے روایت کرتے ہوئے امام عسکری نے تخریج کی ہے کہ جب آیت ”وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا“ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ” بينه تبيينا “ یعنی قرآن کریم کو خوب صاف صاف پڑھا کرو۔(۳)

بلکہ صاحب تفسیر بیضاوی نے آیت مذکورہ کی تفسیر ہی جود القرآن تجويداً سے کی ہے، یعنی قرآن کریم کو قواعد تجوید کی رعایت کے ساتھ پڑھو۔

امام نسفی رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

أی اقرأ على تؤدة بتبيين الحروف و حفظ الوقوف و اشباع الحركات ترتيلا هو تاكيد في ايجاب الأمر به و أنه لا بد منه للقاري . (۴)

---

(۱) تفسیر کبیر: ج۳۰/ص۱۷۴......(۲) تفسیر خازن: ج۴/ص۳۲۱......(۳) تفسیر در منثور: ج۶/ص۴۴۲- دارالکتب العلمیہ، بیروت...... (۴) مدارک التنزیل معروف بہ تفسیر نسفی: ۴/۳۰۳۔

یعنی اِطمینان کے ساتھ حروف جدا جدا، وقف کی حفاظت اور تمام حرکات کی اَدائیگی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ ترتیلا اس میں تاکید پیدا کر رہا ہے کہ یہ بات تلاوت کرنے والے کے لیے نہایت ضروری ہے۔

امام دیلمی نے تخریج کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا :

إذا قرأت القراٰن فرتله ترتيلا و بينه تبيينا . (۱)

یعنی جب تم قرآن پڑھو تو ترتیل کے ساتھ اور نہایت واضح انداز میں پڑھو۔

ابن ابی شیبہ، ابن نصر اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں ابراہیم سے روایت کیا فرماتے ہیں کہ علقمہ نے عبداللہ کے پاس قراءت کی تو فرمایا : **رتله فإنه يزين القراٰن .** ترتیل کے ساتھ پڑھو؛ کیوں کہ ترتیل قرآن کے لیے سامانِ زینت ہے۔(۲)

ابن ابی شیبہ نے ابن ابی مُلیکہ سے روایت کیا کہ بعض امہات المومنین سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قراءت کی بابت اِستفسار ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مانند نہ پڑھ سکو گے۔ عرض کیا گیا بتائیں تو صحیح۔ تو انھوں نے نہایت خوش آوازی اور درستی سے آہستہ آہستہ پڑھا۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

فقرأت قراءةً ترسلت فيها . (۳)

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں '' **فسره تفسيرا** '' فرمایا ہے یعنی اسے خوب واضح کر کے پڑھو۔

عبد بن حمید اور ابن منذر نے مجاہد کے حوالے سے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: **ترسل فيه ترسلا** . یعنی خوش آوازی اور درستی کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھو۔(۴)

امام خازن نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے :

---

(۱) تفسیر دُرمنثور:۶/۴۴۲......(۲) ایضا:۶/۴۴۲......(۳) ایضا:۶/۴۴۲......(۴) ایضا:۶/۴۴۲۔

الترتیل هو التوقف والترسل والتمهل والإفهام و تبیین القراء ة حرفا حرفا . (۱)

یعنی ترتیل، ٹھہر ٹھہر کے آہستہ آہستہ مہلت کے ساتھ سوچ سمجھ کر اور حرفوں کو باہم جدا جدا کر کے پڑھنے کا نام ہے۔

حضرت علقمہ نے ایک شخص کو بہترین انداز میں قرآن پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا:

لقد ترتل القرآن فداه أبی و أمی . (۲)

یعنی اس نے کیا خوب قرآن پڑھا۔اس پر میرے ماں باپ قربان۔

علامہ قرطبی ترتیل کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

الترتیل : التنضید و التنسیق وحسن نظام ومنه ثَغْرٌ رَتِلٌ إذا کان حسن التنضید .

یعنی ترتیل کا معنی ہے بڑی خوبصورتی سے منظّم ومرتب ہونا۔ وہ منہ جس کے دانت خوبصورت اور جڑے ہوئے ہوتے ہیں اسے ''ثغر رتل'' کہتے ہیں۔یعنی کوئی دانت اونچا نیچا نہیں، کوئی جگہ خالی نہیں، کوئی دانت ٹوٹا ہوا نہیں، تو اس مناسبت سے ترتیل قرآن کا معنی ہوگا کہ اس کو آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کے پڑھا جائے اور اس کی تلاوت میں تیزی نہ کی جائے۔

اس آیت کی جامع اور دل نشیں تفسیر حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ سے اس آیت کا مفہوم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا :

بینه تبیینا و لا تنثره نثر الدقل ولا تهزه هز الشعر قفوا عند عجائبه وحرکوا به القلوب ولا یکن هم أحدکم آخر السورة .

یعنی اس آیت کا مفہوم ہمارے نبی نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جس طرح تم جلدی

---

(۱) تفسیر خازن: ج۴/ص۳۲۱...... (۲) تفسیر قرطبی: ج۱۹/ص۳۸۔

جلدی ردّی کھجوریں بکھیرتے اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو ایسا نہ کرو۔ جب کوئی نادر نکتہ آئے تو ٹھہر جاؤ اور اپنے دل کو اس کی اَثر انگیزی سے حرکت پذیر کرو۔ اور تمھیں اس سورت کو جلدی جلدی ختم کرنے کی فکر نہ لگی ہو۔(۱)

علامہ ابن کثیر آیت مذکورہ "وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

ای اقرأه علی تمهل فإنه یکون عوناعلی فهم القراٰن وتدبره (۲)

یعنی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا قرآن سمجھنے اور غور و فکر کرنے میں معاون ہے۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :

شر السیر الحقحقة و شر القراء ة الهذرمة . (۳)

یعنی سب سے بری سیر وسیاحت وہ ہے جو بے تحاشا اور اندا دھند کی جائے اور ناپسندیدہ قراءت وہ ہے جو سرعتِ رفتار سے کی جائے۔

اس ضمن میں امام علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

ویجتنب هذرمة القراء ة . (۴)

اور جلدی جلدی قراءت سے اجتناب کرنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مذکورہ بالا آیت کی تفسیر " **بینه تبیینا** " سے کی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ قرآن تین تین، چار چار، پانچ پانچ آیتوں کے برابر ٹھہراؤ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔(۵)

حضرت قتادہ وحسن ومجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ خوب واضح، صاف اور نہایت ٹھہراؤ کے ساتھ قرآن پڑھا کرو۔ (۶)

حضرت زجاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسطورہ بالا آیت کے تحت رقم طراز ہیں :

---

(۱) تفسیر ضیاء القرآن: ۴۰۲/۵ - درمنثور: ۴۴۲/۶ مطبوعہ بیروت...... (۲) تفسیر ابن کثیر: ۴۳۴/۴...... (۳) روح البیان: ۲۰۵/۱۰...... تفسیر کشاف: ۱۶۵/۷...... درمنثور: ۳۸۶/۱...... (۴) درالمختار: ۹۹/۱...... (۵) معالم التنزیل: ۴۰۷/۴۔ (۶) ایضا: ۴۰۷/۴۔

بینه تبیینا والتبیین لا یتم بان یعجل فی القراٰن انما یتم بان تبین جمیع الحروف و یوفی حقها من الاشباع .(۱)

یعنی قرآن کونہایت واضح اور صاف انداز میں پڑھواور عجلت سے پڑھنے میں تبیین تو حاصل نہ ہوگی؛ کیوں کہ تبیین تو تمام حرفوں کو جداگانہ اور اِشباعِ حرکت کے ساتھ اَدا کرنے کا نام ہے۔

تفسیر ابوالسعود میں بھی اسی سے ملتی جلتی کچھ باتیں ملتی ہیں کہ قرآن کو حرفوں کے باہمی اِمتیاز کے ساتھ اس طرح پڑھو کہ اگر سننے والا انھیں شمار کرنا چاہے تو بآسانی شمار کرلے۔(۲)

قرآن اور خوش لهجگی :

قرآن کو عربی لب ولہجہ اور بقدرِ اِستطاعت تحسین صوت یعنی خوش آوازی سے پڑھنے کی ترغیب حدیث پاک میں کئی جگہ وارد ہوئی ہے؛ کیوں کہ لہجہ ولحن میں پڑھنے سے قرآن کریم کے حسن وتأثر میں اور بھی اِضافہ ہوجاتا ہے؛ مگر ایسا نہ ہو کہ لہجہ کے لہراؤ اور اُتار چڑھاؤ میں قواعدِ تجوید کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور لحن عرب سے ہٹ کر نغمہ وموسیقیت کا روپ دھار لے کہ یہ قطعاً حرام وممنوع ہے۔(۳) لہٰذا قرآن مجید کو تصنع اور بناوٹ سے بچتے ہوئے تجوید کے موافق بلاتکلف وتردّد پڑھنا چاہیے۔

نغمہ ولہجہ میں فرق یہ ہے کہ نغمہ قواعد موسیقیہ کے تابع ہے اور لہجہ تجوید کے تابع ہے۔اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لہجہ' طرزِ طبعی کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے۔ اِصطلاحِ قراء میں: **تزیین الصوت بما یوافق بالتجوید** کو لہجہ کہتے ہیں۔

واضح رہے کہ مختلف لہجوں سے پڑھنے کو قراءتِ سبعہ وعشرہ سے تعبیر کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ لہجہ کو اِختلاف قراءت سے کوئی تعلق نہیں۔ لہجہ نہ تو خود مستقل قراءت ہے اور نہ کوئی لہجہ موقوف علی الروایت ہے۔

(۱) تفسیر کبیر:۱۷۳/۳۰...... (۲) تفسیر ابوالسعود عمادی: ۵۰/۹......(۳) تفسیر مظہری: ۱۰۵/۱۰۔

لہجہ کوئی ایسی ضروری چیز نہیں کہ اس پر صحتِ قرآن موقوف ہو۔ لہجہ کو تجوید و قراءت کی تعریف وموضوع سے دور کا بھی علاقہ نہیں، یہ ایک امر زائد ہے؛ لیکن چوں کہ محسناتِ قراءت سے ہے؛ اس لیے ایسا بھی نہ چاہیے کہ لوگ اس کی طرف سے مکمل غفلت اور لا پرواہی برتنا شروع کردیں۔ کئی ایک احادیث پاک میں قرآن مقدس کو تحسین صوت سے پڑھنے کی صراحت ملتی ہے ـــــ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ حدیث رسول میں جہاں حسن صوت کی ترغیب آئی ہے وہیں نغمہ وعشقیہ لحن کی ترہیب بھی وارد ہوئی ہے۔ دیکھئے حضرت ابو ہریرہ سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

لیس منا من لم یتغن بالقراٰن . (۱)

یعنی بغیر خوش آوازی سے قرآن پڑھنے والا ہم میں سے نہیں۔

حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اقرؤا القراٰن بلحون العرب وأصواتها و إیاکم ولحون أهل الکتابیین أهل الفسق فإنه سیجیٔ بعدي قوم یرجّعون بالقراٰن ترجیع الغناء والرهبانیة والنوح لا یجاوز حناجرهم ' مفتونة قلوبهم و قلوب من یعجبهم شأنهم . (۲)

یعنی تم قرآن عربوں کی طرز اور ان کی آواز میں پڑھو۔ اہل فسق اور یہود و نصاریٰ کے لہجوں سے احتراز کرو کہ میرے بعد کچھ لوگ آنے والے ہیں جو قرآن 'آ آ' کر کے پڑھیں گے جیسے گانے کی تانیں اور راہبوں اور مرثیہ خوانوں

(۱) بخاری ۱۱۲۳/۲......سنن ابوداؤد: ۲۰۷/۱......مشکوٰۃ المصابیح: ۱۹۱......مسند احمد بن حنبل ۱۷۲/۱......کنز العمال ۶۰۵/۱......مستدرک للحاکم ۵۶۹/۱ بحوالۂ سابق......الترغیب و الترہیب : ۳۲۳/۲......التمہید: ۱۲۶/۹......اتحاف السادۃ: ۴۹۶/۴......مجمع الزوائد: ۱۷۱/۷......شرح السنۃ: ۴۸۶/۴......البدایۃ والنہایۃ: ۳۲۷/۱۰ بحوالہ جامع الاحادیث: ۴۳۱/۳۔

(۲) مشکوٰۃ: ۱۹۱......المعجم الاوسط: حدیث ۷۲۱۹......شعب الایمان : حدیث ۲۶۴۹......الاتقان: ۱۰۶/۱۔

کی اُتار چڑھاؤ۔ قرآن اُن کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا یعنی اُن کے دلوں پر کچھ اَثر نہ کرے گا، اُن کے دل فتنے میں ہوں گے، اور اُن کے دل بھی جنھیں اُن کی یہ حرکت پسند آئے گی۔

یعنی اَربابِ عشق ومحبت اور اہل طرب نغموں کے تکلف اور موسیقی کے قواعد کی رعایت کے ساتھ گانے گاتے ہیں۔ اور یہود ونصاریٰ بھی گانے کی طرز پر اپنی کتابیں پڑھتے ہیں؛ اس لیے تم اس سے سخت اِحتراز واِجتناب کرو؛ کیوں کہ مشہور بات ہے : **من تشبہ بقوم فھو منھم** . اہل عرب پوری سادگی کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے، وہ غنا وموسیقی اور تصنع کے جھمیلوں سے بہت دور تھے۔

چوں کہ کلام اللہ عربی زبان میں ہے اس لیے عربی لہجہ سے پڑھنا بہتر ہے۔ اگر کسی سے عربی لہجہ کی نقل نہ ہوسکے تو اس کو چاہیے کہ دو باتوں کا ضرور خیال رکھے۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید کو قواعدِ تجوید کے موافق پڑھے۔ دوسرے یہ کہ غایت بے تکلفی کے ساتھ پڑھے۔ یوں بھی جو خالص العرب ہیں ان کے پڑھنے میں لحن کے ساتھ ساتھ طبعی طور پر تجوید ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ علامہ جزری کے اس قول "**مرتلا مجودا بالعربی**" میں اسی لحن کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ گویا اس لحن کو تجوید سے خصوصی تعلق ہے۔ پس جو لحن بلا تجوید ہو وہ لحن ہی نہیں۔ مطلقاً خوش آوازی سے کلام اللہ پڑھنے کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستقلاً اِرشاد فرمایا ہے :

زینوا القرآن بأصواتکم . (۱)

یعنی قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔

خوش آوازی سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اس خوبی سے پڑھا جائے کہ سننے والا متأثر ہو، ساتھ ہی اس کے معانی ومطالب کی بھی رعایت ہو۔ دورانِ تلاوت اگر عذاب کی آیت آئے تو آواز سے خوف وخشیت ٹپکے، اگر رحمت و بشارت

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰۶...... الترغیب:۳/۱۸۰...... سنن نسائی:۱/۱۵۷۔

کی آیت آئے تو لہجہ سے مسرت کے پھول جھڑیں۔ اگر سوال و اِستفہام کی آیت آئے تو اس طرح پڑھے کہ اِستفہامیہ اَنداز پیدا ہو جائے۔ خوش آوازی کا معیار ذیل کی حدیث سے ظاہر ہے۔

حضرت جابر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا :

إن من أحسن الناس صوتا بالقرآن الذي إذا سمعتموه يقرأ حسبتموه يخشى الله . (۱)

یعنی بلاشبہہ لوگوں میں سب سے اچھی آواز میں قرآن پڑھنے والا وہ شخص ہے جس سے جب تم قرآن پڑھتے سنو تو تم یہ خیال کرو کہ وہ اللہ سے ڈر رہا ہے۔

امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں یہ حدیث نقل کی ہے :

لا يسمع القرآن من أحد أشهى ممن يخشى الله عزوجل. (۲)

یعنی کسی سے بھی اِتنا عمدہ قرآن نہیں سنا جاسکتا جتنا اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔

کیوں کہ برعایت تجوید طبعی خوش آوازی سے کلام اللہ پڑھا جائے تو اس سے کلام اللہ کی زینت بڑھ جاتی ہے اور درحقیقت اسی طرزِ طبعی کو لہجہ کہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا :

حسنوا القرآن بأصواتكم فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا (۳)

یعنی حسن صوت کے ساتھ قرآن پڑھو؛ کیوں کہ خوش آوازی' قرآن کے حسن کو دو آتشہ کردیتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا :

(۱) سنن ابن ماجہ:۱۹۶...... الترغیب و الترہیب: ۱۸۱...... عمدۃ القاری:۲/۴۱ ...... (۲) عمدۃ القاری: ۲۹۴...... (۳) مشکوٰۃ المصابیح:۱۹۱- الاتقان: ج۱/ص۱۰۶۔

مــــا أذن اللّٰـه لشيـئ مـا أذن لـنبيٍ حسَنِ الصوت يتغنى بالقراٰن يجهر به . (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی چیز کو ایسی رضا و رغبت کے ساتھ نہیں سنتا جیسا کہ خوش آوازی اور بلند آواز سے تلاوت کرنے والے اپنے نبی کی قراءت کو سنتا ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لـلّٰـه أشد اذنا إلى الرجل أحسن الصوت بالقراٰن يجهر به من صاحب القينة إلى قينة . (۲)

یعنی جس شوق وتوجہ سے گانے کا شوقین اپنی گلوکارہ کا گانا سنتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ پسند و رضا و اکرام کے ساتھ اپنے بندے کا قرآن سنتا ہے جو اسے خوش آوازی سے جہر کے ساتھ پڑھے۔

اسی لیے تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی بہت ہی خوبصورت لب ولہجہ میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے تھے، اور بھری دنیا میں کوئی بھی آپ سا خوش الحان نہ تھا۔ صحیحین میں جناب جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں :

سـمعت النبى صلى اللّٰه عليه وآله وسلم يقرأ في المغرب بالطور لم أسمعه . (۳)

یعنی میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ الطّور تلاوت کرتے ہوئے سنا (آپ اس قدر خوش الحانی سے پڑھ رہے تھے کہ) میں نے ایسا کبھی نہیں سنا تھا۔

---

(۱) بخاری ۲/۷۵۱ ...... مسلم ۱/۲۶۸ ...... سنن ابی داؤد: ۱/۲۰۷ بحوالہ فتاویٰ رضویہ: ۲۳/۳۵۵۔
(۲) مستدرک: ۱/۵۷۱ - سنن ابن ماجہ: ۹۶ - سنن بیہقی: ۱۰/۲۳۰۔
(۳) صحیح بخاری: ۱۶/۱۶۲ حدیث: ۴۸۵۴۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب آیت(اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَیْرِ شَیْیءٍ اَمْ ھُمُ الخَالِقُونَ)پر پہنچے تو آپ کی آواز میں اتنا درد وسوز پیدا ہو گیا کہ قریب تھا کہ میرا دل شدتِ تاثیر سے پھٹ جاتا!۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

سمت النبي ﷺ قرأ في العشاء بالتين والزيتون فما سمعت أحدا أحسن صوتا منه . (۱)

یعنی میں نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عشا کی نماز میں سورہ التین کی تلاوت فرماتے سنا- کہتے ہیں-میں نے آج تک کوئی ایک ایسا نہیں سنا جو آپ سے زیادہ خوش الحان ہو۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں خود قرآن کریم کو خوش الحانی سے پڑھتے تھے وہاں صحابہ کرام کو بھی اس کی ترغیب دیتے اور خوش آواز صحابہ کی حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے۔آپ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا :

زینوا القرآن بأصواتكم فإن الصوت الحسن يزيد القرآن حسنا . (۲)

قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کہ خوش آوازی قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا :

تعلموا كتاب الله و تعاهدوه و تغنوا به . (۳)

(۱) صحیح مسلم:۲۸۲/۳حدیث:۱۰۶۷......مسند احمد بن حنبل:۲۳۸/۴۰ حدیث: ۱۹۰۷۰......سنن کبریٰ بیہقی:۱۹۴/۲......ریاض الصالحین:۴۹۸۔

(۲) سنن دارمی: حدیث۳۵۰۴......مستدرک، کتاب فضائل القرآن.بحوالہ فتاویٰ رضویہ:۳۵۷/۲۳۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل:۱۴۶/۴.بحوالۂ سابق۔

یعنی قرآن مجید سیکھو، اس کی نگہ داشت رکھو، اور اسے اچھے لہجے، پسندیدہ الحان سے پڑھو۔

یوں ہی ایک جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :

یا أبا موسیٰ لقد أوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد .(۱)

یعنی اے ابوموسیٰ! (ایسا لگتا ہے کہ) آپ کو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راگوں میں سے ایک راگ مل گیا ہے۔

صحابہ کرام بھی خوش آوازی سے قرآن حکیم سننے کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری سے فرماتے :

ذَکِّرنا ربَّنا .

یعنی اے ابوموسیٰ! ہمیں ہمارا رب یاد دلایئے۔

پھر جب حضرت ابوموسیٰ خوب خوش آوازی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے :

من استطاع أن یتغنی بالقرآن غناء أبي موسیٰ فلیفعل .

یعنی جو شخص ابوموسیٰ کی طرح قرآن، خوش الحانی سے تلاوت کرسکتا ہے وہ اسے چاہیے کہ ضرور کرے۔

اسی طرح حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ قرآن کریم بہت خوبصورت آواز سے پڑھا کرتے تھے۔ تو انھیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

مجھے فلاں فلاں سورہ سناؤ۔ جب انھوں نے سنائی تو حضرت عمر نے رونا شروع کردیا اور فرمایا: میرا خیال نہیں تھا کہ یہ نازل ہوئی ہے۔(۲)

---

(۱) صحیح بخاری:۱۷/۶۰ حدیث: ۵۰۸۴...... صحیح مسلم:۵/۲۱۰ حدیث:۱۸۸۷...... سنن ترمذی:۱۴/۴ حدیث:۴۲۲۸...... سنن نسائی:۴/۱۵۴ حدیث:۱۰۲۷۔ (۲) زادالمعاد:۱/۴۶۶۔

حضرت سعد بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

إن هٰـذا القراٰن نزل بحزن و کآبة فاذا قرأتموه فأبکوا فإن لم تبکوا فتباکوا و تغنوا به فمن لم یتغن به فلیس منا . (۱)

یعنی بیشک یہ قرآن غم وحزن کے ساتھ اُترا تو جب اسے پڑھو، گریہ کرو، اگر رونا نہ آئے بہ تکلف روؤ، اور قرآن کو خوش اِلحانی سے پڑھو۔ سو جو اسے خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حسن الصوت زینة القراٰن . (۲)

یعنی اچھی آواز روئے قرآن کے لیے غازۂ زینت ہے۔

مزید فرمایا :

لکل شیئ حلیة وحلیة القراٰن حسن الصوت .

یعنی ہر چیز کا ایک زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور خوش آوازی ہے۔

اور یہ بھی فرمایا :

نزل القراٰن بالتفخیم . (۳)

یعنی قرآن تفخیم کے ساتھ نازل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

جودوا القراٰن .

یعنی قرآن، قواعدِ تجوید کی روشنی میں پڑھو۔

(۱) سنن ابن ماجہ:۹۶...... (۲) الاتقان:ج۱ص۱۰۶...... (۳) الاتقان:ج۱ص۱۰۶۔

قراے عظام فرماتے ہیں :

التجويد حلية القراء ة .

تجوید(یعنی حروف ومخارج کی درستگی کے ساتھ قرآن پڑھنا) قراءت کا زیور ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جو چیز جس چیز کے لیے سرمایۂ زینت اور باعث کشش ہو اگر اس سے وہ سلب کرلی جائے تو اس کی ساری خوب صورتی غارت ہوکر رہ جائے گی۔ بالکل ایسے ہی قرآن کو بغیر تجوید کے پڑھنا اس کی زینت وکشش کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔اللہ ہمارے سینے تحصیل علم تجوید وترتیل کے لیے کھول دے اور اس کی عظمت واَہمیت صحیح معنوں میں ہمارے دل ودماغ میں جاگزیں فرمادے۔

حضرت اِمام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''مقدمۂ جزریہ'' میں فرماتے ہیں :

وهو أيضا حلية التـلاوةِ ☆ و زينة الأداء و القراءةِ

یعنی تجوید منجملہ اور خوبیوں کے تلاوت کا زیور اور تلفظ وقراءت کی زنیت بھی ہے۔

یہ اور اس قسم کی کئی اور اَحادیث اور اَقوال ایسے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک کو قواعدِ تجوید کی رعایت کرکے حسن صوت اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا سنت نبوی ہے،اور صحابۂ کرام کے طریقے کے عین مطابق بھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں ترتیل کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اکرم الصلوٰۃ وافضل التسلیم .

محمد اَفروز قادری ثقافی فہمی چریاکوٹی
بانی وسرپرست: اِدارہ فروغِ اِسلام
پچھّم محلّہ، چریاکوٹ-مئو276129

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ج۱رص۱۰۶۔

کچھ ضروری اصطلاحیں

حرف : وہ آواز جو اپنی تمام کیفیات کے ساتھ کسی مخرج سے نکلے۔کل حروف انتیس ہیں۔ان کے مجموعہ کو'حروفِ تہجی' یا'حروف ہجائیہ' کہا جاتا ہے۔

حروف متشابہ :وہ حروف جن کی شکل ملتی جلتی ہواور صرف نقطے کا فرق ہو جیسے ب، ت، ث وغیرہ

حروفِ غیر متشابہ : وہ حروف جن کی شکل ایک دوسرے سے الگ ہو جیسے ب، ج وغیرہ

حروفِ قریب الصّوت : وہ حروف جن کی آواز دوسرے حرف سے ملتی ہو جیسے ت، ط وغیرہ

حروفِ بعید الصوت : وہ حروف جن کی آواز دوسرے حرف سے نہ ملتی ہو جیسے ح، ج، د وغیرہ

حروفِ متّحد المخرج : وہ حروف جن کا مخرج ایک ہو جیسے ت، د، ط وغیرہ

حروفِ مختلف المخرج : وہ حروف جن کے مخارج الگ الگ ہوں مثلاً ب، ج وغیرہ

حروفِ متحد المخارج ومتحد الصفات : وہ حروف جن کے مخارج وصفات ایک ہوں مثلاً مدد میں دال وغیرہ۔

حروفِ مختلف المخارج ومختلف الصفات : وہ حروف جن کے مخارج بھی جدا ہوں اور صفتیں بھی جدا۔مثلاً ث، ط وغیرہ

حروفِ متحد المخارج ومختلف الصفات : وہ حروف جن کے مخارج تو ایک ہوں مگر صفتیں الگ الگ ہوں جیسے ث، ذ وغیرہ

حروفِ مُعْجَمَہ یا مَنْقُوْطَہُ : نقطے والے حرفوں کو کہتے ہیں جیسے ب، ج وغیرہ

حروفِ مُہْمَلَہُ یا غیر منقوطہ : بغیر نقطے والے حرفوں کو کہتے ہیں جیسے ح، د، ر وغیرہ

حروفِ حَلْقِیَہُ : وہ حروف جو حلق سے نکلتے ہیں۔یہ صرف چھ ہیں۔ء، ہ، ع، ح، غ، خ۔

حروفِ مدّہ، ہَوَائِیَہ یا جَوْفِیَہُ : وہ حروف جو ہوا پر ختم ہوں۔یہ تین ہیں:واؤ ساکن ماقبل مضموم، الف ساکن ماقبل مفتوح، یا ساکن ماقبل مکسور۔لفظ نُوْحِیْھَا میں یہ تینوں جمع ہیں۔

حروفِ لِیْن: وہ حروف جو نرمی سے ادا ہوں۔یہ صرف دو ہیں۔واؤ ساکن ماقبل مفتوح، یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے خَوْف ، عَیْن وغیرہ

حروفِ لَہَاتِیَہ : وہ حروف جو کوّے کے متصل زبان کی جڑ اور تالو سے ادا ہوں جیسے ق، ک

حروفِ شَجْرِیَہ : وہ حروف جو وسط زبان اور مقابل کے تالو سے ادا ہوتے ہیں جیسے ج، ش، ی

حروفِ طَرَفِیَہ یا زَلَقِیَہ : وہ حروف جو زبان کے کنارے سے نکلتے ہیں جیسے ل، ن، ر ۔

حروفِ نَطْعِیَہ : وہ حروف جو تالو کے اگلے حصے سے نکلتے ہیں جیسے ت، د، ط

حروفِ لِثَوِیَہ : وہ حروف جو دانتوں کے سروں سے ادا ہوتے ہیں جو مسوڑے سے لگے ہوتے ہیں جیسے ث، ذ، ظ

حروفِ اَسَلِیَہ یا صَفِیْرِیَہ : وہ حروف جو زبان کی نوک سے ادا ہوتے ہیں جیسے ز، س، ص

حروفِ حَافِیَہ : وہ حروف جو زبان کے بغلی کنارے سے نکلتے ہیں جیسے ض

حروفِ شَفَوِیَہ : وہ حروف جو ہونٹوں سے ادا ہوں جیسے م، و، ف، ب

حرفِ بَرِّی : وہ حرف جو ہونٹوں کی خشکی سے نکلے۔ جیسے م

حرفِ بَحْرِی : وہ حرف جو ہونٹوں کی تری سے نکلے جیسے ب

حروفِ فَوقَانِی : وہ حروف جن کے اوپر نقطہ ہو جیسے ت، خ وغیرہ

حروفِ تَحْتَانِی : وہ حروف جن کے نیچے نقطہ ہو جیسے ب، ي وغیرہ

حروفِ مُتَوَسِّطَہ : وہ حروف جن کے درمیان میں نقطہ ہو جیسے ج وغیرہ

حروفِ مَمْدُوْدَہ : وہ حروف جن پر مد ہو، جیسے جآء وغیرہ

فتحۂ اِشْبَاعِی : کھڑے زبر کو کہتے ہیں، جیسے ابرٰھم

کسرۂ اشباعی : کھڑے زیر کو کہتے ہیں، جیسے بہٖ

ضمۂ اشباعی : اُلٹے پیش کو کہتے ہیں، جیسے لہٗ

اِمَالَہ : الف کو یا اور زبر کو زیر کی طرف مائل کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں، جیسے مَجْرٰی سے مَجْرِے

تَسْهِیل : ہمزہ کو خفیف اور نرم ادا کرنا یعنی کچھ ہمزہ اور کچھ حرف مدہ کے مخرج سے ادا کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

تَحْقِیْق : ہمزہ کو پوری قوت و سختی سے بغیر کسی تغیر کے ادا کرنا۔

اِبْتِدَاء : جس کلمہ پر وقف کیا جائے، پھر اس سے آگے سے پڑھنا۔

اِعَادَہ : جس کلمہ پر وقف کیا، پھر اسی سے یا دو ایک کلمے پیچھے سے پڑھنا۔

تَفْخِیْم : حرف کو پُر پڑھنا۔

تَرْقِیْق : حرف کو باریک پڑھنا۔

مُدْغَمْ : جس حرف کا ادغام کیا جائے اس کو مدغم کہتے ہیں۔

مُدْغَمْ فِیْه: جس حرف میں ادغام ہوا سے مدغم فیہ کہتے ہیں۔ جیسے من یقول میں ن مدغم اوری مدغم فیہ ہے

ادغامِ صَغِیر : مدغم ساکن اور مدغم فیہ متحرک ہو، جیسے قُلْ لَّکُمْ

ادغامِ کَبِیْر : مدغم اور مدغم فیہ دونوں متحرک ہوں، جیسے جَعَلَ لَکُمْ

مَدْ : حرف کو حسب روایت اس کی مقدارِاصلی سے زیادہ دراز کر کے پڑھنا۔

قَصْر : حرف کو بغیر مد کے اس کی اصلی مقدار کے برابر پڑھنا۔

تَرْتِیْل : بہت ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا۔

حَدْر : جلدی جلدی پڑھنا، مگر حروف نہ کٹنے پائیں۔

تَدْوِیْر : ترتیل وحدر کی درمیانی رفتار سے پڑھنا۔

تَحْقِیْق : ترتیل سے بھی زیادہ اطمینان سے پڑھنا

هَذْرَمَهْ : حدر سے بھی تیز پڑھنا۔

حرکت : زبر، زیر، پیش کو کہتے ہیں

مُتَحَرِّک : جس حرف پر حرکت ہو۔

فَتْحه، نَصَب : زبر کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر زبر ہوا سے مفتوح یا منصوب کہتے ہیں [۱]۔

ضَمَّه ، رَفَع : پیش کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر پیش ہو اس کو مضموم یا مرفوع کہتے ہیں۔

کَسْره ، جَرْ : زیر کو کہتے ہیں، جس حرف پر زیر ہو اس کو مکسور یا مجرور کہا جاتا ہے۔

غُنّه : ناک میں آواز لے جا کر پڑھنے کو غنہ کہتے ہیں۔

سُکون : جزم کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر جزم ہو اس کو ساکن یا مجزوم کہتے ہیں۔

تَنْوِین : دوزبر، دوزیر، دو پیش کو کہتے ہیں اور جس حرف پر تنوین ہوا سے منوّن کہتے ہیں۔

تَشْدِیْد : حرف کو ساکن پڑھ کر اس کو متحرک کرنے کو کہتے ہیں۔ جس حرف پر تشدید ہوا سے مشدّد کہتے ہیں

---

(۱) نحوی اصطلاح میں فتحہ اور نصب، ضمہ اور رفع، کسرہ اور جر میں کچھ فرق ہے، فن تجوید میں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔ ۱۲ النعمانی قادری عُفی عنہ

صِلَہٗ : کسرہ پر یا مدہ اور ضمہ پر واؤ مدہ زیادہ کر کے پڑھنا۔ جیسے بِهٖ ، لَهٗ وغیرہ

حَالَیْن : وقفاً وصلاً پڑھنا۔

اِخْتِلَاس : ضمہ، کسرہ اور فتحہ کے تین حصے میں سے دو حصہ کی ادائیگی ۔ یہ اگر صلہ کے مقابلے میں بولا جائے تو اس سے اکمالِ حرکت (یعنی پوری حرکت کی ادائیگی) مراد ہوتی ہے۔

مَدِّ بَدَلْ یا تَثْلِیْث : حرف مد سے پہلے ہمزہ ہو جیسے آمنوا وغیرہ تو وَرش کے لیے قصر و توسط وطول ہوتا ہے۔

نَقْل : ہمزہ قطعی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف صحیح ساکن کو دے کر ہمزہ کو تلفظ میں حذف کرنا جب کہ دو کلمہ میں ہو (حرف صحیح ساکن مدہ اور میم جمع نہ ہو) یہ اصولاً ورش کے لیے ہوتا ہے، جیسے قَدْ اَفْلَحَ سے قَدَ فْلَحَ .

صُورتِ نَقْل : ہمزۂ وصلی کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کے حرف کو دے دینا جیسے مِنْ اَللّٰهِ سے مِنَ اللّٰهِ .

سکتہ : بغیر سانس لیے آواز کو قلیل لمحہ کے لیے بند کر دینا۔

سَکْتۂ لَفْظِی : جو تلفظ کی سہولت کی خاطر کیا جائے۔ یعنی حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزۂ قطعی واقع ہو۔ جیسے قَدْ اَفْلَحَ .

سَکْتۂ مَعنَوِی : جو معنوی رعایت کے تحت یعنی معنوی دشواری کو دور کرنے کے لیے کیا جائے۔ جیسے مَنْ رَاق کے مَنْ پر۔

تَکْبِیْر : یعنی اللہ اکبر کہنا۔ یہ تمام قراء کے لیے مستحب اور مسنون ہے مگر امام ابن کثیر مکی کو (بروایت بزی) ان کے شیوخ سے مسلسل پہنچی ہے اس لیے ان سے واجب بھی مروی ہے۔ یہ سورۂ والضحٰی کے آخر سے سورۂ والناس تک ہر سورہ کے آخیر میں پڑھی جاتی ہے۔

اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ : یعنی منزل پر پہنچ کر پھر کوچ کر جانے والا۔ مراد یہ ہے کہ قرآن پاک ختم کر کے پھر فوراً دوسرا قرآن شروع کر دینا۔ سورۂ فاتحہ پڑھ کر بقرہ کی پانچ آیات (حسب شمار کوفی) هم المفلحون تک پڑھنا۔

قِرَاءَ ت : جس اختلاف کی نسبت کسی امام کی طرف ہو اسے قراءت کہتے ہیں۔

رَوَایَت : جس اختلاف کی نسبت راوی کی طرف ہو، روایت کہلاتا ہے۔

طَرِیْق : جو اختلاف راوی کے اس شاگرد کی طرف منسوب ہو جس کے ذریعہ روایت کی اشاعت ہوئی، اسے طریق کہا جاتا ہے۔

تَجوِیدُ الحُرُوفْ

پہلا باب ......فصل اوّل

ترتیل و قراء ت وغیرہ کے بیان میں

فن تجوید یا کسی بھی علم کو شروع کرنے سے پہلے چار چیزوں کا جاننا از بس ضروری ہوتا ہے۔اس کی تعریف-اس کا موضوع-اس کی غرض وغایت-اوراس کا حکم شرعی۔نیز اس کا فائدہ۔

تجوید کی لغوی تعریف : تجوید کے لغوی معنی ہیں تحسین یعنی خوب صورتی پیدا کرنا۔یا **الاتیان بالجید** یعنی کسی بھی کام کو عمدگی کے ساتھ کرنے اور سنوارنے کو تجوید کہتے ہیں۔

تجوید کی اصطلاحی تعریف : **هو أداء الحروف من مخارجها الخاصة لها من جميع صفاتها اللازمة والعارضة بسهولة وبغير كلفة .**

یعنی کسی تکلیف کے بغیر' آسانی کے ساتھ حرفوں کو ان کے مخارج خاصہ اور جملہ صفات لازمہ وعارضہ سے ادا کرنا (تا کہ کلام اللہ کی ادا نزول کے موافق ہو جائے)

کیوں کہ صاحب خلاصۃ البیان نے اس کی تعریف یوں کی ہے :

التجوید أداءٌ کأداء الرسول و وجوہ الأداء عنہ إلینا منقول ولا دخل للرأي فیہ .

یعنی تجوید ایسی اَدا کو کہتے ہیں جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کلام اللہ کو اَدا فرماتے تھے اور اَدا کے تمام طریقے حضور ہی سے منقول ہوتے ہوئے ہم تک چلے آرہے ہیں اور اس میں کسی کی عقل اور رائے کو ذرہ برابر دخل نہیں ہے۔

موضوع : حروف تہجی۔ یعنی الف سے یا تک کے حروفِ عربیہ۔

غرض وغایت : **تصحیح حروف القرآن من حیث الأداء .** یعنی ادا کے لحاظ سے حروف قرآنی کی تصحیح، تاکہ غلطیوں سے بچا جا سکے۔

حکم شرعی : **العلم بہ فرض کفایۃ والعمل بہ فرض عین بقدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ .**

یعنی علم تجوید کا سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ اور تجوید پر اس قدر عمل کہ جس سے نماز درست ہو سکے ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض عین ہے۔

فائدہ : دین ودنیا کی سرفرازی، اور خداوندِ قدوس کی خوشنودی کا حصول۔

ارکان تجوید چار ہیں : (۱) حروف کے مخارج کو پہچاننا۔ (۲) حروف کی صفتوں کو پہچاننا۔ (۳) حروف کے احکام کو پہچاننا۔ (۴) زبان کو صحیح حرف ادا کرنے کا عادی بنانا، اور یہ چیز بغیر کثرتِ مشق اور بلا استاذ کامل کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

چوں کہ تجوید کا موضوع حروف قرآنیہ ہیں اس لیے مبتدی طلبہ کو چند باتوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔ اول، حرف۔ حرف کے لغوی معنی طرف اور کنارہ کے ہیں اور اصطلاح میں حرف کی تعریف یہ ہے: **ھو صوت یعتمد علیٰ مقطع محقق أو مقدر** یعنی وہ آواز جو جزو معین یا غیر معین پر اعتماد پذیر ہوتی ہے۔

حرف کی دو قسمیں ہیں : اصلی - فرعی۔

حرف اصلی : جس کا مخرج معین و مستقل ہو۔ یہ انتیس حروف ہیں الف سے یا تک

حرف فرعی: جس کا مخرج معین و مستقل نہ ہو بلکہ دو مخارج کے درمیان سے نکلے یا صفت اصلی سے نکل گیا ہو۔ بروایت حفص یہ کل پانچ حروف ہیں:

الف ممالہ، الف مفخمہ، لام مفخمہ، ہمزہ مسہّلہ، حرف غنہ۔

ان پانچ حروفِ فرعیہ کے علاوہ بعض حضرات نے لام مفخمہ پر قیاس کرتے ہوئے را مفخمہ ،اورالف مفخمہ پر قیاس کرتے ہوئے واؤ مفخمہ کو بھی حروف فرعیہ میں شمار کیا ہے جو کسی حد تک درست ہے۔

حرف کی بلحاظ اَدا چار قسمیں ہیں

حرف آنی - حرف زمانی - حرف قریب زمانی - حرف قریب آنی

(۱) حروف شدیدہ' آنی ہیں۔ (۲) حروف مدہ' زمانی ہیں۔ (۳) حرف ضادٗ قریب زمانی ہے۔ (۴) مذکورہ تینوں کے علاوہ بقیہ حروف قریب آنی ہیں۔ اسی وجہ سے بہ مقابلہ حروف مدہ کے حرف لین کا قصر کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ حروف مدہ زمانی اور حروف لین قریب آنی ہیں۔

حرف کی باعتبار قوت وضعف پانچ قسمیں ہیں

(۱)- اقویٰ- (۲)- قوی-(۳)- متوسط-(۴)- ضعیف-(۵)- اضعف

اقویٰ: اسے کہتے ہیں جس میں ایک ضعیف صفت کے سوا باقی سب صفات قوی ہوں۔

قوی : اسے کہتے ہیں جس میں دو ضعیف صفات کے سوا سب صفات قویہ ہوں۔

متوسط : اسے کہتے ہیں جس میں دونوں قسم کی صفات برابر ہوں۔

ضعیف : اسے کہتے ہیں جس میں دو قوی صفت کے علاوہ باقی سب صفات ضعیف ہوں
اضعف : اسے کہتے ہیں جس میں ایک قوی صفت کے علاوہ باقی سب صفات ضعیف ہوں
لہٰذا باعتبارِ قوت وضعف اب حروف کی تقسیم یوں ہوگی :

اقویٰ حروف : چار ہیں: ط ، ظ ، ض ، ق جن کا مجموعہ طض ظق ہے.

قوی حروف: چھ ہیں ،ج ،د ،ر ،ز،ص ،غ جن کا مجموعہ جد صغرز ہے۔

متوسط حروف : آٹھ ہیں: ء ، الف ، ب ، ت ، خ ، ذ ، ع ، ک جن کا مجموعہ أاب تخذعک ہے۔

ضعیف حروف : پانچ ہیں : س ، ش ، ل ، و ، ی جن کا مجموعہ سش لُوی ہے۔

اضعف حروف : چھ ہیں : ث ، ح ، ن ، م ، ف ، ھ جن کا مجموعہ ثخ نم فه ہے۔

الف اور ھمزہ میں فرق : جس الف پر نہ حرکت ہو، نہ ہی جزم تو وہ ہمیشہ الف مدہ ہوگا۔یعنی اسے کھینچ کر پڑھا جائے گا۔جیسے مـا، ذا وغیرہ۔اور اگر الف پر زبر، زیر، پیش کی حرکت ہو یا علامت جزم ہی مرسوم ہوٗ اسے ہمزہ کہیں گے یعنی اسے جھٹکا کے ساتھ پڑھیں گے۔جیسے مَـأْکـول، ءَ اِذَا وغیرہ۔اسی طرح جس واؤ اور یا مدہ پر علامت ہمزہ ہو تو ہمزہ کی تحقیق ہوگی یعنی اسے ضغطہ کے ساتھ پڑھا جائے گا جیسے قُرِئَ ، یُبْدِئُ ، مُسْتَھْزِؤُنَ ، یُؤْمِنُوْن وغیرہ۔(۱)

(۱) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے: (۱) الف ہمیشہ مدہ ہوتا ہے، اور ہمزہ میں ہمیشہ ضغطہ ہوتا ہے۔(۲) الف ہمیشہ ساکن ماقبل مفتوح ہوتا ہے اور ہمزہ کبھی متحرک اور کبھی ساکن ہوتا ہے۔(۳) الف کبھی کلمہ کے شروع میں نہیں آتا جب کہ ہمزہ کلمہ میں ہر جگہ آتا ہے۔(۴) الف کی آواز اپنے مخرج پر اعتماد کرکے ہوا پر تمام ہوجاتی ہے جب کہ ہمزہ کی آواز اپنے مخرج پر اعتماد پذیر ہوتی ہے۔(۵) الف میں صفت رخو ممیّزہ ہے اور ہمزہ میں صفت شدت۔(٦) الف کی رسم خاص ہے یعنی ایک کشش ہے جو یوں [ا] مرسوم ہوتی ہے جب کہ ہمزہ کی اپنی کوئی اصلی صورت وشناخت نہیں، یہ حالات کے اعتبار سے اپنی صورتیں بدلتا رہتا ہے۔عین کے سر [ء] کو ہمزہ کی صورت سمجھنا غلطی ہے، یہ ہمزہ کی پہچان کی ایک علامت وضع کردی گئی ہے۔ ۱۲ منہ۔عفی عنہ۔

فــائدہ : حروف مدہ تین ہیں: الف ساکن ماقبل مفتوح - واؤ ساکن ماقبل مضموم - یا ساکن ماقبل مکسور۔ یہ تینوں حروف' لفظ نُوْحِیْھَا میں مرکب ہیں۔ اور واؤ ساکن یا یا ساکن ماقبل مفتوح ہوتو انھیں حروف لین کہا جاتا ہے۔ان دونوں کی مثال اَوْحَیْنا ہے۔

علم قــراءت

قراءت کے لغوی معنی مطلقاً پڑھنے کے ہیں اور اِصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کلام اللہ کو کسی روایت کے مطابق قواعدِ ترتیل سے پڑھنا۔یعنی قراے سبعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہوتو اسے قراءت کہتے ہیں۔عرف خاص میں قراءت مستقلاً ایک علم ہے جس سے کلام اللہ کے اَلفاظ کا اِختلاف معلوم ہوتا ہے۔مختلف لغات میں' مختلف طریق میں حضور سید عالم ﷺ سے جو اختلافات ثابت ہیں وہ اسی علم سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی دو حیثیتیں ہیں: ایک قراءتِ سبعہ، دوسرے قراءتِ عشرہ؛ لیکن چوں کہ کبھی روایت پر بھی قراءت کا اِطلاق ہوجایا کرتا ہے، اسی وجہ سے روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ کو"قراءتِ حفص" بھی کہہ دیا جاتا ہے۔قراءتِ حفص کی بھی تکمیل ہوتی ہے جس طرح سبعہ وعشرہ کی تکمیل ہوتی ہے، اور سند وغیرہ دی جاتی ہے۔ اس لیے کتب قراءت میں اس چیز کی بڑی اہمیت ہے کہ تکمیل قراءت کے بعد اپنے شیخ سے سند مسلسل حاصل کرلے تاکہ شیخ سے حاصل شدہ سند کے ذریعہ اس کا سلسلہ حضور اکرم ﷺ تک جُڑ جائے۔ چنانچہ اہل طریقت اپنی سند اور شجرے کی بڑی قدر کیا کرتے ہیں۔مگر صد افسوس! اس زمانہ میں اکثر فارغین قراء کو ذرہ برابر احساس نہیں ہوتا۔ وہ صرف اِداروں کی سند ہی کو کافی سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ یہ اُن کے لیے کافی نہیں۔(ہاں! یہ اور بات ہے کہ جس اِدارہ سے انھوں نے تعلیمی فراغت حاصل کیا ہے' اس ادارے کی بھی سند ہونی چاہیے؛) کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ جس قاری سے پڑھا ہے اس کے پاس سند ہی نہ ہو یا ہوتو سند منقطع ہو۔ایسا قاری عندالقراء لائق اعتبار اور قابل اعتنا

نہیں؛ کیوں کہ دراصل سند مسلسل ہی کو قراء ٔ سند کہتے ہیں۔خلاصہ میں ہے :

وجب علینا الاسناد فی القراٰن فالاسناد من الدین و لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء .

یعنی ہمیں تحصیل علمِ قرآن کے بعد سند بھی لے لینا چاہیے؛ کیوں کہ سند عندالدین بہت اہمیت کی حامل ہے؛ ورنہ سند نہ ہونے کی صورت میں ہر شخص جو چاہے کہہ دے۔

علم قراء ت کا موضوع : کلماتِ قرآنیہ ہیں۔

غرض و غایت : کلماتِ قرآنیہ کی صحت ہے۔

نوٹ : جس اختلاف کی نسبت امام یا قاری کی طرف ہو اسے قراءت کہا جاتا ہے۔اور جس اختلاف کی نسبت راوی کی طرف ہو اسے روایت کہتے ہیں۔اور جو اختلاف راوی کے کسی شاگرد کی طرف منسوب ہو جس کے ذریعے روایت کی اشاعت ہوتی ہو،اسے طریق کہا جاتا ہے۔(مطلقاً ہر شاگرد کو طریق نہیں کہا جاتا) مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہم جو قرآن پڑھتے ہیں وہ قراءت امام عاصم، بروایت حفص بطریق شاطبی ہے۔ (ان تینوں بزرگوں کے کوائف واَحوال بطورِ ضمیمہ اخیر کتاب میں تفصیل سے مذکور ہیں)

فائدہ : قراءتِ سبعہ متواترہ کے سات اماموں میں سے ہر ایک امام کو 'قاری'، اور اُن کے مشہور و مخصوص شاگردوں کو 'راوی'، اور ان سے نچلے طبقہ کو 'طریق' کہتے ہیں۔

فائدہ : جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ قراءت علومِ نقلیہ میں سے ہے تو اگر کسی روایت کی پابندی نہ کی گئی اور ترتیل کے خلاف پڑھا گیا، تو ایسا پڑھنا جائز نہیں؛ لہٰذا جس طرح بلا ترتیل و تجوید کوئی قراءت معتبر نہیں اسی طرح بلا کسی روایت کے کلام اللہ پڑھنا بھی معتبر نہیں۔اس کتاب میں ترتیل و تجوید کے قواعد و مسائل امام حفص کوفی -رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ- کی روایت کے مطابق بیان کیے جائیں گے۔

فــائـدہ : عرفِ خاص میں قراءت مستقل ایک فن اور مکمل ایک علم ہے جس کو قراءتِ سبعہ وعشرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، روایت حفص اسی کا ایک جزو ہے۔ ذیل میں قرائے سبعہ وعشرہ کے نام مع رُواۃ درج کیے جارہے ہیں تاکہ طلبہ اسے خوب ذہن نشین کرلیں۔

اَئمہ قراآتِ عشرہ متواترہ اور ان کے رُواۃ

شمار	ائمۂ کرام	راوی اول	راوی دوم
۱	امام نافع مدنی	قالون	ورش
۲	امام ابن کثیر مکی	بزی	قنبل
۳	امام ابوعمرو بصری	دُوری[۱]	سوسی
۴	امام ابن عامر شامی	ہشام	ابن ذکوان
۵	امام عاصم کوفی	شعبہ	حفص
۶	امام حمزہ کوفی	خلف	خلاد
۷	امام ابوالحسن کسائی کوفی	ابوالحارث	دُوری
۸	امام ابوجعفر مدنی	ابن وردان	ابن جماز
۹	امام ابویعقوب حضرمی	رُوَیس	رُوح
۱۰	امام خلف بزار کوفی	اسحٰق ورّاق	ادریس بن عبدالکریم

(۱) **نــــوٹ** : ''دوری'' ابوعمرو بصری اور ابوالحسن کسائی دونوں کے راوی ہیں۔ اس لیے امتیاز کے لیے ''دوری بصری'' یا ''دوری کسائی'' لکھ دیا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

اَئمۂ قراآتِ شاذہ اور ان کے رُواۃ

شمار		ائمۂ کرام		راوی اول		راوی دوم
۱۱		امام عبدالرحمٰن بن محیصن السہمی		ابن شنبوذ		شِبل بن عباد
۱۲		امام یحیٰی الیزیدی بصری		سلیمان ابن الحکم		احمد بن فرح
۱۳		امام الحسن بصری		ابونعیم شجاع		ابوعمرو عیسیٰ ثقفی
۱۴		امام سلیمان الاعمش کوفی		محمد بن احمد الشنبوذی		حسن بن سعید مطوعی

کیفیت قراءت کی بلحاظ تاُجیل و تعجیل تین حالتیں ہیں یعنی قراءت کے تین مراتب ہیں : (۱) ترتیل و تحقیق (۲) تدویر (۳) حدر و ھذرمہ

قراءتِ ترتیل و تحقیق : یعنی اصول تجوید کی مکمل رعایت سے قرآن پاک نہایت اطمینان و وقار کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا کہ پڑھنے میں کسی قسم کا تصنع یا تکلف نہ ہو، یا پڑھنے میں مد اور غنہ میں خلافِ روایت کسی قسم کی زیادتی نہ لازم آئے۔ اس کو تحقیق بھی کہتے ہیں۔ قراءتِ ترتیل و تحقیق کا کوئی خاص لہجہ نہیں جس طرز میں چاہے بلا تکلف پڑھے؛ مگر بہتر یہ ہے کہ اپنے استاذ سے جس لہجہ میں مشق کیا ہؤا سی میں پڑھے تاکہ احتمالِ خطا باقی نہ رہے۔ قراءتِ ترتیل و تحقیق کا بلحاظِ وقف، حکم یہ ہے کہ قاری ہر محل وقف پر وقف کرتا ہوا پڑھے؛ لیکن اگر بالکل قریب قریب کئی علامات وقف ہوں تو اُن کا وصل بھی جائز ہے۔ جتنی سانس ہو اتنا ہی پڑھنے کی کوشش کرے؛ ورنہ ایسی صورت میں مشاہدہ یہ ہے کہ درمیان ہی میں سانس جواب دے جاتی ہے، اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کبھی معنی وغیرہ میں خرابی لازم آتی ہے تو کبھی وقف خلافِ قاعدہ اور غیر محل میں واقع ہو جاتا ہے جسے سن کر اِک کوفت

سی ہوتی ہے۔قراءتِ ترتیل وتحقیق کا بلحاظِ مدّ، حکم یہ ہے کہ مختلف مقادیرِ مد کی صورت میں مقدارِ اعلیٰ اختیار کرنا بہتر ہے۔ جیسے مدوقفی میں تینوں وجوہ (طول، توسط، قصر) جائز ہیں مگر طول اولیٰ ہے۔اسی لیے اسی کو اختیار کرنا چاہیے۔ یہ طریقہ سیدنا امام عاصم تابعی کوفی، امام حمزہ کوفی اور ورش-رحمہم اللہ تعالیٰ-کا ہے۔

قراءت تدویر : یعنی ترتیل وحدر کی درمیانی رفتار سے پڑھنا کہ قدرے تیزی اور روانی ہو کہ اگر سامع تدویر والی آیتوں کا ترجمہ سمجھنا چاہے تو سمجھ لے۔ حقیقتاً 'بین التأجیل والتعجیل' پڑھنے کو قراءتِ تدویر کہتے ہیں۔عموماً ائمہ مساجد جہری نمازوں میں کلام اللہ تدویر کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔قراءت تدویر کا بلحاظِ وقف، حکم یہ ہے کہ محل وقف جو قوی ہو اسی پر وقف کرے اور جو محل وقف ضعیف ہو اس کا وصل کرے۔اسی طرح مدوں کی مقدار میں میانہ روی اختیار کرے مثلاً کسی مد میں توسط ہے تو توسط ہی اختیار کرے اور اگر توسط کی مقدار دو، ڈھائی، چار الف ہے تو ڈھائی الف مد کرے۔اور اگر کسی مد میں توسط کی مقدار دو الف، اور تین الف ہے تو دو ہی الف کی مقدار مد اَدا کرے۔بہرحال مراتب کا خیال رکھے یہ طریقہ امام ابن عامر شامی اور امام کسائی-رحمہما اللہ-کا ہے۔

قراءت حدر و ھَذْرمہ : یعنی کلام اللہ کو تجوید کی مکمل رعایت سے طبعی سرعت وتیزی کے ساتھ پڑھنا کہ حروف وحرکات خوب صاف صاف ادا ہوں۔ حدر میں بھی یہ قاعدہ ملحوظ نظر رکھے کہ تجوید اور اوقاف کے تمام حقوق باحسن وجوہ اَدا ہوں؛ ورنہ قراءتِ حدر صحیح نہ ہوگی۔ناواقفی یا عاقبت ناشناسی سے بعض حضرات کلام اللہ اتنی عجلت وسرعت سے پڑھتے ہیں کہ لحن جلی تک کا خیال نہیں رہتا-عیاذاً باللہ- اسی کو اصطلاح میں 'ہذرمہ' کہتے ہیں۔قراءتِ حدر' سیدنا امام ابن کثیر مکی، ابوعمرو بصری اور قالون-رحمہم اللہ- کا طریقہ ہے۔

نــوٹ : بہرحال روایت اور ترتیل کی رعایت ہر سہ قراءت میں اوّلین شرط ہے خواہ قراءت بالجہر ہو یا بالسر ہو، اگر ناظرہ خواں سرعت اور تیزی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتے تو وہ تدویر میں کلام اللہ پڑھیں۔ حدر کے ساتھ پڑھنے کی انھیں اجازت نہیں؛ کیوں کہ تیز پڑھنا مشق وتمرین پر موقوف ہے۔

ادا : أَخْذٌ عَنِ الْمَشَائِخِ کو اَدا کہتے ہیں۔اس کے دو طریقے ہیں :

(ا) طریقۂ متقدمین (۲) طریقۂ متاخرین۔

طریقۂ متقدمین یہ ہے کہ اُستاذ پڑھے، شاگرد بغور سنے۔

طریقۂ متاخرین یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور اُستاذ سنے۔

ان دونوں طریقوں کو جمع کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ یہ طریقہ ہمارے مشائخ کا ہے اور جیسا کہ اِمامِ فن علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ جب مصر کے شہر قاہرہ گئے تو وہاں ایک ایک آیت تلاوت فرماتے تھے اور شاگرد بھی اسی طرح سنا کر پڑھتے تھے۔

لہجہ : طرزِ طبعی کو لہجہ کہتے ہیں۔لہجوں کی قسموں کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ ہر شخص کا اپنا طبعی لہجہ ہوتا ہے؛ مگر جو لہجے مشائخ سے سنے گئے ہیں اور مشہور ومعروف ہیں، وہ یہ ہیں :

(ا) مدنی (۲) عراقی (۳) عشاقی (۴) حسنی (۵) حسینی (۶) محطّی

(۷) مایہ (۸) حجازی (۹) مصری (۱۰) بڑی مصری (۱۱) رکبی

یہ لہجے تھوڑے بہت فرق سے پڑھے جاتے ہیں۔ مذکورہ لہجوں میں جو لہجہ اہل عرب کے مطابق ہوگا وہ عربی لہجہ ہے، جس لہجہ میں جاذبیت، عربیت اور غایت درجہ کی بے تکلفی ہو وہ لہجہ پسندیدہ اور مستحسن سمجھا گیا ہے اور جس میں تصنع یا تکلف یا ترنم وغنا وغیرہ ہو وہ لہجہ غیر مستحسن اور غیر محمود ہے۔

نغمہ و لہجہ میں فرق : نغمہ ولہجہ میں فرق یہ ہے کہ نغمہ، قواعد موسیقیہ کے تابع ہوتا ہے، اور لہجہ قواعد تجوید کے تابع۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ لہجہ طرزِ طبعی کے ساتھ پڑھنے کا نام ہے۔ واضح رہے کہ مختلف لہجوں سے پڑھنے کو قراءت سبعہ وعشرہ سے تعبیر کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ لہجہ کو اختلاف قراءت سے کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ لہجہ نہ تو خود مستقل قراءت ہے، اور نہ کوئی لہجہ موقوف علی الروایت ہے۔

مشق : صحت تجوید کی پختگی کے لیے جو محنت ومشقت اور کاوش کی جاتی ہے اس کو مشق کہتے ہیں۔ صحت مشق کے پختہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ قرآن کریم کی قواعد ترتیل کے ساتھ اتنی مشق کی جائے کہ بلا اِرادہ صحیح پڑھا جا سکے؛ تا کہ پھر کبھی غلطی کا اِحتمال نہ رہے، اس کو مشق پختہ کہتے ہیں۔

الحان: یعنی کلام اللہ کو خوش آوازی اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا مسنون ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :

اقرؤا القراٰن بلحون العرب وأصواتها .....(۱)

یعنی قرآن کو عربی لب ولہجہ میں پڑھو۔

چونکہ خالص العرب حضرات کے پڑھنے میں لحن کے ساتھ طبعی طور پر تجوید ہی پائی جاتی ہے۔ اسی لیے حدیث پاک میں عربی لب ولہجہ اختیار کرنے کی تاکید کی جا رہی ہے۔ علامہ جزری علیہ الرحمہ اپنے اس مصرع میں یہی بات کہنا چاہ رہے ہیں فرماتے ہیں : **مرتلا مجودا بالعربی** . مگر ہاں! خوش آوازی اور لہجہ پیدا کرنے سے قواعد

(۱) مشکوٰۃ المصابیح: ۱/۴۹۹ حدیث: ۲۲۰۷......معجم اوسط طبرانی: ۶/۱۶ حدیث: ۷۴۳۰......شعب الایمان بیہقی: ۶/۱۷۵ حدیث: ۲۵۴۱......البدع لابن وضاح: ۱/۲۶۷ حدیث: ۲۵۱......فضائل القرآن لقاسم بن سلام: ۱/۲۱۶ حدیث: ۱۹۵......مختصر قیام اللیل لمحمد بن نصر مروزی: ۱/۱۹۰ حدیث: ۱۴۸......مجمع الزوائد و منبع الفوائد: ۳/۲۴۹......کنز العمال: ۱/۶۰۶ حدیث: ۲۷۷۹...... الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰۶۔

تجوید نہ بگڑیں، ورنہ قاری گنہ گار ہوگا۔ اس لیے کہا گیا ہے کہ خوش آوازی تجوید کے تابع ہونی چاہیے نہ کہ تجوید خوش آوازی کے تابع؛ لحن کو تجوید کے ساتھ خصوصی علاقہ ہے پس جو لحن بلا تجوید ہو وہ لحن ہی نہیں؛ مگر بد قسمتی اور جہالت سے آج ایسا ہی ہو رہا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے :

زینوا القرآن بأصواتکم . (۱)

یعنی قرآن کریم کو زینت دو اپنی آوازوں سے۔

یہ اور اس قسم کی کئی اور احادیث اور واقعات ایسے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم قواعد تجوید کی رعایت کر کے حسن صوت اور عربی لب ولہجہ میں پڑھنا عین سنت نبوی اور صحابۂ کرام کے طریقے کے عین مطابق ہے۔

(۱) سنن ابوداؤد: ۴/۲۶۷ حدیث: ۱۲۵۶......سنن ابن ماجہ: ۴/۲۴۰......مشکوۃ المصابیح: ۱/۴۹۷ حدیث: ۲۱۹۹......مسند احمد: ۳۷/۴۵۰ حدیث: ۱۷۷۶۳......سنن کبریٰ بیہقی: ۲/۵۳......مصنف عبدالرزاق: ۲/۴۸۴ حدیث: ۴۱۷۵ ......سنن کبریٰ نسائی: ۱/ ۳۴۸ حدیث: ۱۰۸۹...... مستدرک: ۵/ ۱۶۴ حدیث: ۲۰۵۴......معجم اوسط طبرانی: ۱۵/۴۸۸ حدیث: ۷۴۲۱......شعب الایمان: ۵/۱۵۶ حدیث: ۲۰۷۳......سنن دارمی: ۱۰/۴۱۲ حدیث: ۳۵۶۴......مستخرج ابوعوانہ: ۸/۱۷۲ حدیث: ۳۱۵۹......مسند ابویعلی موصلی: ۴/ ۲۵۶ حدیث: ۱۶۵۰......صحیح ابن حبان : ۳/۴۹۲ حدیث: ۷۵۰......صحیح ابن خزیمہ: ۶/ ۱۸ حدیث: ۱۴۶۵......معرفۃ السنن والآثار: ۱۶/ ۲۹ حدیث: ۶۱۶۳...... مسند الشامیین: ۳/۶۲ حدیث: ۷۴۹......مسند طیالسی: ۲/ ۳۱۳ حدیث: ۷۶۷......موارد الظمآن: ۱/ ۱۷۲...... اخلاق حملۃ القرآن آجری: ۱/ ۸۸ حدیث: ۷۷......مسند بزار: ۳/ ۲۵۷ حدیث: ۹۲۶......سنن صغیر بیہقی: ۲/ ۴۳۳ حدیث: ۷۹۲......الضعفاء الکبیر عقیلی: ۷/ ۴۸۷ حدیث: ۱۷۹۴......خلق افعال العباد: ۱/ ۹۷ حدیث: ۹۲......طبقات المحدثین: ۴/ ۱۱۰ حدیث: ۱۰۹۶......فضائل القرآن قاسم بن سلام: ۱/ ۲۰۵ حدیث: ۱۸۴......فوائد العراقیین: ۱/ ۴۷ حدیث: ۳۲......فوائد تمام: ۲/ ۴۸۹ حدیث: ۹۸۹......مختصر قیام اللیل محمد بن نصر مروزی: ۱/ ۱۹۳ حدیث: ۱۵۰......مسند ابن الجعد: ۴/ ۳۷۶ حدیث: ۱۶۷۸......مسند الرویانی: ۱/ ۴۰۹ حدیث: ۳۵۰......معجم ابویعلی موصلی: ۱/ ۱۶۸ حدیث: ۱۵۸......معجم ابن الاعرابی: ۲/ ۲۷۹ حدیث: ۷۷۸......معجم ابن المقریٔ: ۲/ ۲۱۳ حدیث: ۷۰۹......مجمع الزوائد: ۳/ ۲۴۹......المقاصد الحسنۃ: ۱/ ۱۲۷......الجوہر النقی ابن ترکمانی: ۱۰/ ۲۲۹......کنز العمال: ۱/ ۶۰۵ حدیث: ۲۷۶۶......تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر: ۶/ ۳۴ حدیث: ۲۶۵۰......المسند الجامع: ۶/ ۳۰۸ حدیث: ۱۷۷۶......تحفۃ الاشراف: ۳/ ۳۷۲ حدیث: ۱۷۷۵......تخریج احادیث الاحیاء: ۲/ ۳۸۱ حدیث: ۸۸۱......الترغیب والترہیب: ۲/ ۸۴ حدیث: ۱۴۴۹۔ الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ص ۱۰۶۔

فائدہ : لحن، عربی میں کئی ایک معنی کے لیے آتا ہے؛ مگرفن تجوید میں اس سے مراد غلطی، اوردرست راہ سے ہٹ جانا ہے یعنی قرآن کو مطابق اُصول نہ پڑھنا۔ لحن کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) لحن جلی (۲) لحن خفی۔

لحن جلی(۱) وہ غلطی ہے جو تلفظ پر طاری ہوتی ہے، اور معنی وعرف دونوں میں مخل ہوتی ہے۔ اور لحن خفی معنی میں تو مخل نہیں ہوتی؛ تاہم عرف میں مخل ضرور ہوتی ہے۔

لحن جلی و خفی کا حکم : لحن جلی کا پڑھنا اور سننا دونوں حرام، اوراس سے بچنا واجب۔ اگر کسی لحن جلی سے فسادِ معنی لازم آئے تو نماز فاسد ہوجاتی ہے جو دہرانے سے اور سجدۂ سہو سے بھی صحیح نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ اس غلطی کو درست نہ کرلیا جائے۔ عامۃ الناس اس میں زیادہ مبتلا ہیں؛ مگر رونا تو اس کا ہے کہ اکثر ائمہ مساجد سے بھی اس قسم کی غلطیاں سننے میں آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو صحیح قرآن پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

لحن خفی کا پڑھنا اور سننا دونوں مکروہ ہے، بچنا سنت ہے اور روایۃً ناجائز۔

لحن جلی کی چند صورتیں ہیں: (۱) ابدالِ حرف بحرفٍ آخر۔ (۲) اِبدالِ حرکت بالحرکت ۔(۳) ابدالِ حرکت بالسکون (۴) ابدالِ سکون بالحرکت (۵) مشدد کی جگہ مخفف پڑھنا۔(۶) یامخفف کی جگہ مشدد پڑھنا۔ (۷) اسی طرح حذف کی جگہ اثبات۔(۸) اورموقعِ اثبات میں حذف (۹) اورکذب فی الروایت (۱۰) اشباعِ حرکت (۱۱) اورصفات ممیّزہ کا ترک یہ سب لحن جلی کی صورتیں ہیں۔

اسی طرح لحن خفی کی بھی چند صورتیں حسب ذیل ہیں :

(۱) لحن جلی واقع ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ حروف کے مخارج وصفات کی ٹھیک طور سے تحقیق نہیں ہو پاتی، جب کہ یہ دونوں تجوید کے اہم ترین باب ہیں ان دونوں بابوں کی ناجانکاری ہی سے زیادہ تر لحن جلی وقوع پذیر ہوتا ہے۔(التبیین:۱۱۹)

اِدغام ، اِخفا ، اِقلاب کی جگہ اِظہار یا اظہار کی جگہ ادغام وغیرہ کر دینا۔ مد کی جگہ قصر، اور قصر کی جگہ مد۔ تحقیق کی جگہ تسہیل اور تسہیل کی جگہ تحقیق۔ تفخیم غیر مستقل کی جگہ ترقیق، یا ترقیق کی جگہ تفخیم کرنا، یا اِمالہ کی جگہ ترکِ امالہ کرنا، یا ترک امالہ کی جگہ امالہ کرنا۔ یا صلہ کی جگہ ترک صلہ یا ترک صلہ کی جگہ صلہ کر دینا۔ کسی بھی حرکت کو مجہول کر دینا، ترکِ صفاتِ عارضہ اور ترکِ صفاتِ غیر ممیّزہ بھی لحن خفی ہے۔ اسی طرح خلط فی الطریق بھی لحن خفی میں شامل ہے۔ دونوں قسموں کا حکم گزشتہ سطور میں گزر چکا۔

فصل دوم

استعاذہ و بسملہ کے بیان میں

تلاوتِ کلامِ الٰہی سے قبل اِستعاذہ ضروری ہے؛ چونکہ اس کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے۔ سورۂ نحل میں اِرشاد ہے :

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ (نحل:۹۸)

یعنی جب قرآن کریم پڑھنے کا اِرادہ کرو تو اللہ کی شیطان رجیم سے پناہ چاہ لو۔

تلاوت سے قبل بعض ائمہ کرام کے نزدیک اِستعاذہ واجب ہے، اور اکثر کے نزدیک مستحب؛ مگر یہ اِختلاف دراصل اعتقاداً ہے؛ ورنہ عملاً استعاذہ سب کے نزدیک ضروری ہے۔ صاحب خلاصۃ البیان فرماتے ہیں :

و الاستعاذة عندنا سنة مستحبة كالقراء ة لأنها من آدابها.

یعنی استعاذہ، قراءتِ قرآن کی طرح ہمارے نزدیک سنت مستحبّہ ہے، کیوں

کہ یہ قراءت کے آداب میں سے ہے۔

تعوذ چوں کہ بطورِ شرط مذکور ہے اور شرط یعنی قراءتِ قرآن خود واجب نہیں؛ لہٰذا اِستعاذہ بھی واجب نہیں تو اسے مستحب ہی کہنا بہتر ہے۔

استعاذہ کے لیے کسی خاص لفظ کی تحدید نہیں مگر استعاذہ کے اِلفاظ مختار و مروی' یہ ہیں۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ؛ کیوں کہ اِستعاذہ کا یہ صیغہ نص قرآنی کے زیادہ مطابق وموافق ہے، اور اسی کو استعاذۂ رسول بھی کہتے ہیں۔ علامہ دانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اعلم أن المستعمل عند القراء الحذاق من أهل الأداء في لفظها أعوذ باللّٰه من الشيطٰن الرجيم دون غيره .

یعنی ماہرین قراء کے نزدیک الفاظِ استعاذہ ' اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ' ہی مستعمل ومختار ہیں۔

محقق فن علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ باب الاستعاذہ میں تحریر فرماتے ہیں :

علیٰ ما أتیٰ في النحل یسراً وإن تزد
لربک تنزیها فلستَ مُجهَّلا

استعاذہ کی کئی صورتیں ہیں یعنی الفاظ کی کمی وبیشی کے ساتھ اِستعاذہ کے بہت سے صیغے مروی ہیں۔ اِضافہ کے ساتھ جیسے : أعوذ باللّٰه السَّميعِ العَليمِ مِنَ الشَّيطانِ الرَّجيمِ۔ کمی کے ساتھ جیسے: أعوذ باللّٰهِ مِنَ الشَّيطانِ۔ تغیر کے ساتھ جیسے: اَللّٰهُمَّ إنِّي أعوذُ بِکَ مِن إبْليسَ وَ جُنُودِهٖ ۔

ثعلبی اور واحدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا: أعوذ باللّٰهِ

السَّمیعِ العلیمِ من الشیطانِ الرجیم تو آپ نے فرمایا: یہ نہیں، بلکہ یوں کہو: **أعوذ باللّٰہِ مِنَ الشَّیطانِ الرَّجیمِ ، ھٰکذا أقرأنیہ جبریل عن القلم عن اللوح المحفوظ** ، مجھ سے جبرئیل نے لوح وقلم سے اسی طرح نقل کیا ہے؛ لہٰذا انھیں اَلفاظ سے اِستعاذہ مختار و پسندیدہ اور بہتر و اولیٰ ہے۔(روح البیان:۳/۱)

فائدہ: الفاظِ استعاذہ میں کمی وبیشی اور تغیر وتبدل اس لیے جائز ہے کہ الفاظ کی تخصیص آیت کریمہ میں منصوص نہیں' صرف حکم وارد ہوا ہے؛ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ استعاذہ میں وہی الفاظ استعمال ہوں جو منقول عن القراء ہوں ، چنانچہ علامہ جزری علیہ الرحمہ نے اسی کے متعلق اپنی کتاب 'طیبہ' میں یوں لکھا ہے :

و إن تغیر أو تزد لفظا فلا

تعد الذي قد صح مما نقلا

یعنی اگر الفاظِ استعاذہ میں کوئی تغیر وتبدل کیا جائے تو نقل سے تجاوز نہ ہو۔

فائدہ : استعاذہ' جہراً اور سرّاً دونوں طرح جائز ہے؛ لیکن قرا کا معمول یہ ہے کہ وہ اِستعاذہ کو تابع قراءت مانتے ہیں، پس اگر قراءت بالجہر ہے تو استعاذہ بھی بالجہر کرے، اور اگر قراءت بالسر ہو تو استعاذہ بھی بالسر کرے۔

سورۂ براء ت کے علاوہ ہر سورۃ سے قراء ت شروع کرتے وقت تمام قراء بلا اِختلاف بسم اللہ پڑھتے ہیں اور درمیانِ سورۃ سے شروع کرنے میں اختیار ہے، خواہ بسم اللہ پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔

سورۂ براءۃ ہی سے ابتدائے قراءت کی صورت میں بسم اللہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سورۃ کے نزول میں بسم اللہ شریف لکھواتے تھے؛ مگر سورۂ توبہ نازل ہوئی تو بسم اللہ نہیں لکھوائی۔ اس سورۃ کا نزول چوں کہ

مشرکوں پر غیظ و غصے کے اِظہار اور قتل کے حکم کے ساتھ ہوا ہے؛ اس لیے اس کے آغاز میں تسمیہ پڑھنا درست نہیں۔ درمیانِ قراءت میں سورۂ انفال اور سورۂ براءۃ کے درمیان حذفِ بسم اللہ پر اِجماع ہے۔

محقق ابن جزری فرماتے ہیں کہ متقدمین میں سے کسی کا قول اس کے خلاف نہیں پایا جاتا؛ البتہ بعض متاخرین مثلا امام ابوالحسن سخاوی، ابوالفتح ابن شیطا، اور امام طحاوی وغیرہم نے سورۂ براءۃ سے قراءت شروع کرنے کی صورت میں بسم اللہ شریف پڑھنے کو جائز کہا ہے؛ چنانچہ علامہ خاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **التسمیة فی اوّل براء ة فی القراء ة و هو القیاس** . یعنی اِبتدائے براءۃ پر بسم اللہ کا پڑھنا قیاس کے مطابق ہے؛ کیوں کہ حذفِ بسم اللہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ یہ سورۃ حکم سیف کے ساتھ نازل ہوئی تھی، یا اِس وجہ سے کہ اَنفال سے علاحدہ مستقلاً سورۃ ہونے کا فیصلہ قطعی طور پر نہ ہوسکا۔ اب اگر وجہ ممانعت نزول بالسیف ہے تو یہ غضب ان کے ساتھ تھا جن کے حق میں یہ نازل ہوئی اور ہم تو برکۃً وتیمُّناً بسم اللہ شریف پڑھتے ہیں۔ اور اگر وجہ ممانعت اس کے مستقل سورۃ ہونے کا قطعی فیصلہ نہ ہونا ہے تو چونکہ درمیانِ سورۃ میں بسم اللہ کا پڑھنا جائز ہے؛ لہٰذا یہاں بھی جائز ہوگا۔

ابوالفتح ابن شیطا کہتے ہیں کہ براءۃ سے اِبتدا کرتے وقت اگر تبرکاً بسم اللہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں؛ مگر سورۂ انفال کے اتصال کے ساتھ براءت پر بسم اللہ کی تلاوت بدعت وضلالت، خرقِ اجماع اور رسم مصحف کے خلاف ہے۔

محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ براءت کی ابتدا میں بھی بسم اللہ پڑھنا خرقِ اجماع اور مصحف کا خلاف ہے، اور رائے نص سے متصادم نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا اِتباع کے لیے عدم بَسملہ اولیٰ ہے۔

تیسیر القاری شرح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بسملہ

کا حکم نہیں فرمایا؛ اس بنا پر کہ براءت پر بسملہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی ،اور نہ صحابہ کرام نے اس پر مصاحف میں بسملہ لکھی۔اس کا ثبوت اُس حدیث سے اَخذ کیا جاتا ہے جسے اِمام حاکم نے روایت کیا ہے۔اور صحیح ترین قول یہی ہے کہ دورِ صحابہ سے یہ عمل تواراثاً چلتا آرہا ہے کہ یہاں بسملہ نہیں پڑھنی چاہیے؛ اور ظاہر ہے کہ نقلیات میں اِتباع ہی اہم ہے۔

امام قرطبی اوّلِ براءت سے سقوطِ بَسملہ کے باب میں ایک منفرد نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

كان من شأن العرب في زمانها في الجاهلية إذا كان بينهم و بين قوم عهد فإذا أرادوا نقضه كتبوا إليهم كتاباً و لم يكتبوا فيه بسملة فلما نزلت سورة براء ة بنقض العهد الذي كان بين النبي صلى اللّٰه عليه وسلم و المشركين بعث بها النبى صلى اللّٰه عليه وسلم علي ابن أبي طالب رضي اللّٰه عنه فقرأها عليهم في الموسم و لم يبسمل في ذالک على ما جرت به عادتهم فى نقض العهد من ترک البسملة . (٦١/٨)

یعنی زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب وہ اپنے اور کسی قوم کے درمیان ہوئے معاہدہ کو توڑنا چاہتے تو اس قوم کے پاس ایک رقعہ بھیجتے جس میں بسملہ مرقوم نہ ہوتا۔پھر جب نبی محترم ﷺ اور مشرکین کے درمیان معاہدہ کو توڑنے کے حوالے سے سورۂ براءت نازل ہوئی،تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کو ان کے پاس بھیجا،آپ نے اسے ان کے جلسے میں پڑھا؛ مگر نقض عہد کے موقع پر بَسملہ نہ پڑھنے کی رسم جاہلی کے مطابق بسملہ نہ پڑھا۔

دیکھئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صرف اس سورۃ کے اِعلان کی غرض سے بھیجا گیا

تھا آپ نے تین مرتبہ صدیق اکبر کے خطبہ کے بعد اس کو سنایا اور ابتدا میں بسملہ نہیں پڑھی اور یہ وہی صورت ابتدائے قراءت ابتدائے براءۃ کی ہے۔

اس جگہ امام طحاوی علیہ الرحمہ مجوزین بسملہ کی طرف سے ایک بات یہ فرمارہے ہیں کہ اگر اِبتدائے سورۃ میں بسملہ کا نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ بسملہ آیت رحمت ہے اور سورۂ براءت' سیف وغضب اوران کا اجتماع نامناسب،تو یہ صحیح نہیں؛ کیوں کہ اگر یہی بات ہوتی تو''ویل لکل همزة'' اور ''تبت یدا أبي لهب'' کی ابتدا میں بھی بسملہ نہ ہونی چاہیے تھی کہ اس میں بھی غضبِ خداوندی مذکور ہوا ہے۔

پھر صاحب روح المعانی' علامہ آلوسی اس اعتراض کونقل فرما کر جواب دے رہے ہیں کہ ان سورتوں کا سورۂ براءت سے کوئی جوڑ نہیں،ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے؛ کیوں کہ براءت میں کماً وکیفاً ہر دوطرح منافقین وکفاراورمومنین تمام ہی کی شان میں جس شدت و وعید،غیظ وغضب،قتال وجہاد کا اِظہار کیا گیا ہے،دوسری کسی بھی سورۃ میں اس کا عُشرِ عشیر بھی نہیں ہے؛ نیز خاص براءت میں بسملہ اس کے مضمون وشانِ نزول کے لحاظ سے نقض عہد کے وقت ترک و حذفِ بسملہ والے مذاق ومزاج وعادت وشانِ عرب کے موافق ومناسب نہیں؛ ورنہ بسملہ کے اثبات سے عادتِ عرب کے پیش نظر براءت ونقض عہد میں نرمی وگنجائش کا وہم ہوگا جو خلافِ مقصود ہے جب کہ ''تبت یدا'' اور ''ویل لکل'' میں نقض عہد نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ترکِ بسملہ والے مذاقِ عرب وعادتِ عرب کی رعایت ہوتی؛ لہٰذا ان دونوں سورتوں سے براءت میں عدم بسملہ پر اعتراض صحیح نہیں ہے۔

علامہ آلوسی بحث کے اخیر میں فرماتے ہیں : **و الحق استحباب تركها حيث أنها لم تكتب في الامام و لا يقتدى بغيره** . (روح المعانی:۱۰/۴۱)

لہٰذا احناف کی رائے میں اگر کسی نے بسملہ پڑھ لیا تو اس کی بھی گنجائش ہے

گوکہ غیر اولیٰ ہے؛ یہی وجہ ہے کہ بہارِ شریعت اور قانونِ شریعت وغیرہ میں ابتدائے براءت پر بسملہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ البتہ شوافع کے یہاں بسملہ کا پڑھنا جائز ہی نہیں اور امام جزری چوں کہ شافعی المسلک ہیں اس لیے اس کو شد و مد سے ناجائز فرمارہے ہیں۔

سورۂ انفال پر سب قرا کے نزدیک بہر حال بسملہ پڑھی جائے گی خواہ ابتدا حقیقی ہو یا حکمی۔

سورۂ توبہ کے شروع میں بسمله نه پڑھنے کی وجهیں :

یوں تو سورۂ براءۃ کے شروع میں تسمیہ نہ پڑھے جانے کی کتابوں میں کئی صورتیں ملتی ہیں مگر ان میں سے چند یہاں بیان کی جاتی ہیں :

(۱) حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر سورہ کے آغاز میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بسملہ کا حکم دیتے تھے، یہاں بسملہ کا حکم ہی نہ فرمایا۔ (اتقان)

(۲) چوں کہ بسملہ آیت رحمت ہے اور سورۂ براءت کی ابتدائی آیت' آیت غضب ہے؛ اس لیے دونوں اکٹھا نہیں ہو سکتے، بالکل ایسے ہی جیسے آگ اور پانی۔ حضرت امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''قصیدۂ لامیہ'' کے اس شعر میں اسی حکمت کی طرف اِشارہ کیا ہے :

و مهما تصلها أو بدأت براءة

لتنزيلها بالسيف لست مبسملا

یعنی جب تو کسی سورہ کا سورۂ براءت سے وصل یا خود براءت ہی سے ابتداے قراءت کرے تو تنزیل بالسیف کی وجہ سے بسملہ نہ پڑھی جائے گی۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ

-کرم اللہ وجہہ الکریم- سے سورۂ براءت کے آغاز میں بسملہ نہ لکھے جانے کا راز پوچھا تو آپ نے یہی جواب دیا کہ بسملہ اَمان ورحمت ہے اور سورۂ براءت سیف وغیظ کے ساتھ نازل ہوئی ہے۔(الاتقان: ۲۰۸/۱)

(۴) بعض لوگ سورۂ براءت کو سورۂ انفال کا جز، تکملہ، تتمہ اور ضمیمہ مانتے ہیں؛ اس لیے کہتے ہیں کہ درمیانِ سورت میں بسملَہ پڑھنے کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا؛ (گو برکۃً جائز ہے۔)

استعاذہ اور بسملہ کی اس تفصیل کا اجمال یہ ہے کہ استعاذہ کے متعلق چار چیزوں کا جاننا ضروری ہے: (۱) الفاظ استعاذہ (۲) حکم استعاذہ (۳) محل استعاذہ (۴) کیفیت استعاذہ۔

الفاظ استعاذہ : استعاذہ کا مختار ومعمول بہا صیغہ أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم ہے۔اس میں کمی وزیادتی بھی کی جاسکتی ہے مثلا أعوذ باللّٰہ من الشیطان . یا أعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم وغیرہ۔

حکم استعاذہ : استعاذہ کا حکم یہ ہے کہ قرآن کریم کا آغاز کرنے سے پہلے أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھنا سنت مستحبَّہ ہے۔جیسا کہ خلاصہ میں ہے: والاستعاذۃ عندنا سنۃ مستحبۃ .

محل استعاذہ : استعاذہ پڑھنے کی جگہ ابتدائے قراءت ہے۔خواہ شروع سورہ ہو یا درمیانِ سورت۔

کیفیت استعاذہ : استعاذہ خواہ زور سے پڑھے خواہ آہستہ سے، دونوں جائز ودرست ہے؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ استعاذہ کو قراءت کے تابع کردیا جائے۔یعنی اگر قراءت بالجہر ہو تو استعاذہ بھی بالجہر پڑھے، اور اگر قراءت بالسر ہو تو

استعاذہ بھی بالسر؛ لیکن یہ حکم خارجِ نماز کا ہے، نماز میں اَحناف کے نزدیک تعوذ وتسمیہ میں بہر صورت جہر جائز نہیں۔

بَسملہ کے متعلق تین چیزوں کا جاننا ضروری ہے: (۱) حکم بسملہ۔ (۲) محل بسملہ۔ (۳) کیفیت بسملہ۔

حکم بسملہ : بسملہ ہر سورہ کے شروع میں پڑھنا امام عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک واجب ہے؛ کیوں کہ یہ بسملہ کو ہر سورہ کا جزو مانتے ہیں۔ اگر کسی نے روایت حفص میں کسی سورہ کی بغیر بسملہ کے تلاوت کی تو اس کو کوئی ثواب نہیں ملے گا، پوری سورہ ناقص ہوگی، سوائے سورۂ توبہ کے؛ کہ سورۂ توبہ کو سورۂ انفال سے وصل کر کے پڑھنے میں کسی کے نزدیک بسملہ نہیں ہے۔

محل بسملہ : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی جگہ اصلاً تو ابتدائے سورہ ہے خواہ شروع قراءت ہو یا درمیانِ قراءت؛ مگر ابتدائے قراءت درمیانِ سورہ میں محل نہ ہونے کے باوجود بسملہ برائے حصولِ برکت پڑھی جائے۔

کیفیت بسملہ : کیفیت کے بارے میں بسملہ کا بھی وہی حکم ہے جو استعاذہ کا؛ کہ بالجہر اور بالسر پڑھے جانے میں یہ بھی تابع قراءت ہے۔

قواعد استعاذہ و بسملہ بلحاظ وصل و فصل

استعاذہ اور بسملہ کے وصل وفصل کے اعتبار سے تین قاعدے ہیں۔ (۱) شروع قراءت شروع سورہ (۲) شروع سورہ درمیان قراءت (۳) شروع قراءت درمیان سورہ۔

۱۔ اگر قراءت کی بھی ابتدا ہو اور سورہ کی بھی ابتدا ہو تو دونوں کا محل ہونے کی وجہ سے وہاں استعاذہ اور بسملہ دونوں پڑھے جائیں گے، جس کی چار صورتیں ہیں۔

فصل کل : یعنی استعاذہ، بسملہ اور سورہ ہر ایک کو الگ الگ تین سانسوں میں پڑھنا

وصل کل : یعنی استعاذہ، بسملہ اور سورہ تینوں کو ملا کر ایک سانس میں پڑھنا۔

وصل اول فصل ثانی : یعنی استعاذہ و بسملہ کو ایک ساتھ اور سورہ کو علاحدہ کر کے پڑھنا۔

فصل اول وصل ثانی : یعنی استعاذہ کو بسملہ سے الگ کرنا اور بسملہ کو سورہ سے ملا کر پڑھنا۔

۲۔ اگر قراءت کا وسط ہو اور سورہ کی ابتدا، یعنی ایک سورہ کو پوری کر کے دوسری سورہ شروع کریں تو یہ قراءت کا وسط اور سورہ کی ابتدا کہلائے گی، عقلی وجہیں تو اس میں بھی چار ہی نکلیں گی مگر بروایت حفص یہاں صرف تین صورتیں جائز ہیں۔ (۱) وصل کل (۲) فصل کل (۳) فصل اول وصل ثانی۔ چوتھی صورت یعنی وصل اول فصل ثانی یہاں ناجائز ہے مثلاً غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہ اس سورہ میں بسملہ کا تعلق آخر سورۂ فاتحہ سے ہو جائے گا جب کہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بسملہ ہر آنے والی سورہ کا جز ہے۔

۳۔ اگر قراءت کی ابتدا درمیانِ سورہ سے کی جائے تو استعاذہ پڑھنا ضروری ہے اور بسملہ پڑھنا موجب برکت ہے کیوں کہ سورہ کے اَوساط و اَجزا میں بسملہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اگر بسملہ پڑھیں تو دو صورتیں ہوں گی۔ (۱) فصل کل (۲) وصل اول فصل ثانی۔ اگر بسملہ نہ پڑھیں تو استعاذہ کا سورہ کے حصے سے وصل بھی جائز ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی یا صفاتی نام نہ ہو۔ جیسے أعوذ بـاللّٰهِ من الشيطانِ الرجيمِ ٥ الْمَلِكِ الْقُدُّوْس –یا– أعوذ باللّٰه من الشيطانِ الرجيمِ ٥ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وغیرہ. ملک اللہ کا صفتی نام اور محمد حضور کا ذاتی نام ہے، اس لیے

استعاذہ کا ان سے وصل درست نہیں۔

نوٹ : درمیانِ قراءت اور درمیانِ سورہ میں استعاذہ وبسملہ کسی کی ضرورت نہیں کیوں کہ یہ نہ تو تعوذ کا محل ہے اور نہ تسمیہ کی جگہ۔ ہاں! اگر دورانِ قراءت کوئی دوسرا کام کرلیا، مثلا سلام کرنا، جواب دینا، سجدۂ سہو کرنا وغیرہ تو اس صورت میں استعاذہ پڑھ کے قراءت شروع کرنی چاہیے۔ بعض حضرات بسملہ پڑھ کر شروع کرتے ہیں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

استعاذہ سے متعلق چند تفریعی مسائل

- ابتدائے حقیقی، یعنی جب کلام اللہ پڑھنا شروع کیا جائے تو چاہے اِبتدا وسط سورہ سے ہو یا شروع سورہ سے، دونوں حالتوں میں استعاذہ ضروری ہے۔
- قطع یعنی ختم قراءت کے بعد پھر اِبتدا کرتے وقت اِستعاذہ ضروری ہے۔
- قرآن مجید پڑھتے پڑھتے کوئی کلام غیر متعلق قرآن کیا گیا؛ اگرچہ پڑھنے والے نے سلام کا جواب ہی دیا تو اب اِبتدا کرتے وقت اِستعاذہ کرنا چاہیے۔
- وقف کے بعد بلا وجہ تاخیر قراءت ہو جانے سے ابتدا کرتے وقت استعاذہ کو دوہرانا چاہیے۔
- اگر سکوتِ قراءت بلا ضرورت ہو تو استعاذہ کر کے قرآن مجید شروع کرنا چاہیے۔
- اگر قرآن مجید کے معنی سمجھنے سمجھانے یا تجوید وقراءت کے مسائل بتانے کی غرض سے سکوت قراءت ہو تو ابتدا کرتے وقت استعاذہ کی ضرورت نہیں؛ جب کہ پڑھنے کا اِرادہ ہو اور اگر اِرادۂ قراءت منقطع ہو گیا تو شروع کرتے وقت پھر استعاذہ کرنا چاہیے، بلکہ بسملہ بھی۔
- اگر سجدۂ تلاوت کرنے کے بعد پھر پڑھنا شروع کرے تو اِستعاذہ کر لینا چاہیے۔

(تنویر المرأت شرح ضیاء القراءت: ص ۵، ۶)

o بعض خطباو مقررین، خطبہ کے اَخیر میں **قال اللّٰہ تعالیٰ في القراٰن المجید والفرقان الحمید** وغیرہ قسم کے اَلفاظ اَدا کرنے کے بعد اعوذُ باللہ پڑھ کر موضوعِ سخن سے متعلق آیت پاک پڑھتے ہیں، ایسا درست نہیں۔ اس سے متبادر ہوتا ہے کہ شاید اِستعاذہ بھی کلام الٰہی کی کوئی آیت ہو؛ اس لیے ایسے موقع پر یا تو اعوذ باللہ نہیں پڑھنی چاہیے، یا پھر استعاذہ ہی کرے 'قال اللہ' والا صیغہ اِستعمال نہ کرے۔ (افادۂ ازہری - دام ظلہ -)

وجہ یہ ہے کہ تعوذ کے مروج الفاظ مقولۂ الٰہی نہیں، اس لیے فقد قال اللہ تعالیٰ کی جگہ **فأعوذ باللّٰہِ من الشیطانِ الرجیم** پڑھنا چاہیے۔ اور پھر تسمیہ و آیت قرآنی۔ (افادۂ نعمانی - دام ظلہ -)

فصل سوم

مخارج اور دانتوں کے نام وغیرہ

مخرج : یہ تجوید کا پہلا جز ہے۔ مخارج، مخرج کی جمع ہے بروزن مَفْعَل۔ یہ اسم ظرف ہے جس کا لغوی معنی نکلنے کی جگہ ہے۔ اِصطلاح قراء میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ **الحیز المولد للحرف و موضع ظھور الحرف و تمیزہ عن الغیر** یعنی حرف کے پیدا ہونے (بننے) کی اور حرف کے ظہور اور اپنے غیر سے ممتاز ہونے کی جگہ۔

مخارج کی تعداد میں محققین کے کئی اقوال ہیں۔ چنانچہ علامہ فراء کے نزدیک

مخارج چودہ ہیں...... علامہ سیبویہ کے نزدیک سولہ...... اور علامہ خلیل بن احمد الفراہیدی کے نزدیک سترہ ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اِختلاف حقیقی نہیں بلکہ اِعتباری ہے۔ حقیقتاً ہر حرف کا مخرج علاحدہ ہے؛ مگر بعض مخارِج حروف میں غایت درجہ کی قربت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کو علاحدہ بیان کرنا بہت مشکل تھا؛ اس لیے کئی کئی حروف ایک مخرج کے تحت بیان کر دیے گئے۔ چنانچہ علامہ خلیل نحوی کے قول کو اکثر علماے تجوید نے اِختیار کیا ہے۔

محقق فن امام جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

مخارج الحروف سبعة عشر ☆ علی الذی یختارہ من اختبر

یعنی حرفوں کے مخارج سترہ ہیں ایک جانچ پرکھ کرنے والے محقق کے قولِ مختار پر۔

مخرج کی دو قسمیں ہیں : (۱) مخرج محقق (۲) مخرج مقدر

مخرج مُحقَّق : جس حرف کی آواز اپنے مخرج پر ٹھہر جائے وہ محقق ہے۔

مخرج مقدَّر : جس حرف کی آواز مخرج سے نکل کر سانس پر ٹھہرے وہ مقدر ہے۔

مخرج محقق تین ہیں : (۱) حلق (۲) لسان (۳) شفة ۔ ان کو اصولِ مخارج (مخرج کی اصلیں) بھی کہتے ہیں۔

اصول مخارج : ان جگہوں کو کہتے ہیں جن میں ایک سے زیادہ مخارج ہوں۔

سترہ مخارج میں سے پندرہ تو محقق ہیں اور دو مقدر: ایک جوف، دوسرے خیشوم۔

فائدہ: اصول مخارج میں سے حلق میں تین مخرج ہیں ـــــــ لسان یعنی زبان سے متعلق منہ میں دس مخرج ہیں ـــــ اور شفة یعنی ہونٹوں میں دو مخرج ہیں ـــــ اور مخرج مقدر دو ہیں: جوف اور خیشوم۔ اس طرح کل سترہ مخرج ہوئے۔

فائدہ: جمہور کی رائے میں حروفِ عربیہ انتیس ہیں مگر مبرد کی رائے میں

اٹھائیس ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ الف ہمزہ ہی ہے؛ کیوں کہ الف کے شروع میں ہمزہ کی آواز موجود ہے؛ لہٰذا الف کوئی مستقل حرف نہیں۔

جمہور نے اس کا یہ الزامی جواب دیا کہ اگر آپ کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو ہمزہ کے وجود سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جائے گا؛ کیوں کہ ہمزہ کے شروع میں ہا ہے؛ لہٰذا ہمزہ ہا ہونا چاہیے۔ حالانکہ ہمزہ اور ہا قطعاً دو حرف ہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے بدلتے ہیں اور بدلنا تغایر ہے، جب کہ ایک شے خود اپنی ذات سے تبدیل نہیں ہوسکتی؛ لہٰذا صحیح تر قول جمہور ہی کا ہے۔

انسان کی حلق میں ہوائی نالی کے اوپر دو تار لگے ہوئے ہیں جن کے اِرد گرد ایک جالی ہے، جب انسان بولنے لگتا ہے تو پھیپھڑوں کی ہوا ان تاروں سے ٹکرا کر آواز میں تبدیل ہوجاتی ہے، اس آواز کو منہ سے باہر نکالنے کے لیے اِنسان حلق، زبان، دہن، ناک اور ہونٹوں سے کام لیتا ہے۔ (اعجاز القرآن:۲۱)

حلق میں تین مخارج ہیں :-

(۱) شروع حلق سینے کی جانب سے ہمزہ اور ہا نکلتے ہیں۔

(۲) درمیان حلق سے عین اور حا نکلتے ہیں۔

(۳) اخیر حلق سے غین اور خا نکلتے ہیں۔

لسان کے مخارج دس ہیں اور ان سے اٹھارہ حروف اَدا ہوتے ہیں:-

(۴) جڑ زبان تالو سے مل کر قاف نکلتا ہے۔

(۵) قاف کے مخرج سے ذرا ہٹ کر کاف نکلتا ہے۔

(۶) بیچ زبان تالو سے مل کر جیم، شین، یا (غیر مدہ) نکلتے ہیں۔

(۷) کنارہ زبان ڈاڑھ سے مل کر ضاد[1] نکلتا ہے۔(۲)

(۸) کنارہ زبان مسوڑھے سے مل کر لام نکلتا ہے۔

(۹) سرا زبان تالو سے مل کر نون نکلتا ہے۔

(۱۰) پشت سرا زبان تالو سے را نکلتی ہے۔

(۱۱) سرا زبان ثنایا علیا کی جڑ سے تا، دال، طا نکلتے ہیں۔

(۱) دائیں کی بہ نسبت بائیں طرف سے ضاد کی اَدائیگی آسان ہے، اور دونوں جانب سے بیک وقت ادا کرنا بیحد مشکل ہے، یہ ادا صرف سرکار دو عالم ﷺ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ اس حرف کو اصعب الحروف یعنی تمام حرفوں میں دشوار ترین حرف کہا گیا ہے؛ اس لیے اس کی ادائیگی میں اکثر لوگ مختلف قسم کی غلطیاں کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی خالص ظا پڑھتا ہے، کوئی دال پُر، تو کوئی مشابہ غین غرضیکہ اپنی اپنی عقل ورائے کے مطابق ادا کے مختلف النوع طریقے ایجاد کر لیے گئے ہیں، اور اس غلطی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ضاد کو اس کے مخرج کنارہ زبان ڈاڑھ سے ادا کرنے کی بجائے نوک زبان کو ثنایا علیا کی جڑ سے ملا دیا جاتا ہے، نتیجہ میں دالِ پُر ادا ہو جاتی ہے یا پھر ظا سے مشابہ ہونے کی وجہ سے ظا پُر ادا ہو جاتا ہے جو بالکل غلط اور خلافِ تجوید ہے۔ اس حرف کو ادا کرنے کا نہایت آسان اور مجرب طریقہ یہ ہے کہ زبان کی کروٹ کو اوپر کی ڈاڑھ سے رگڑ لگائی جائے اور زبان کی نوک کو صفت اطباق کی وجہ سے اوپر کے تالو کی طرف اُٹھا دیا جائے، انشاء اللہ ضاد اپنے مخرج سے بالکل صحیح ادا ہوگا۔ بہتر یہ ہے کہ کسی استادِ کامل کی صحبت میں رہ کر اس کی مشق پختہ کر لی جائے۔

(۲) مجود اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ 'ض' کا مخرج بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: 'ض' کا مخرج ایک طرف کی کروٹ اسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی وقوت ہونا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ص ۲۷۲ - ج ۶)

نیز آگے فرماتے ہیں: یہ (ضاد) دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصاً عجم پر کہ ان کی زبان کا حرف نہیں، سخت مشکل۔ مسلمانوں پر لازم کہ اس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظا کا قصد کریں نہ دُواد کا کہ دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسب وسع وطاقت جہد کیا اور حرف کو صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَھَا ــــــ 'ض' کو اللہ تعالیٰ نے اتنا بلند پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اس کا قریبی نہیں گردانا جا سکتا۔ اسی لیے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا: اگر صاد میں اطباق نہ ہو تو وہ سین ہو جائے، اگر ظا میں نہ ہو تو ذال بن جائے، اگر طا میں نہ ہو تو وہ تا بن جائے اور ضاد کلام ہی سے خارج ہو جائے کیوں کہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ص ۲۹۸ - ج ۶)

(۱۲) سرا زبان اور سرا ثنایا علیا سے ثا، ذال، ظا نکلتے ہیں۔

(۱۳) سرِ زبان درمیان سرِ ثنایا علیا و سفلیٰ سے زا، سین، صاد نکلتے ہیں۔

شفتین میں دو مخارج ہیں اور ان سے چار حرف نکلتے ہیں :-

(۱۴) سرِ ثنایا علیا نیچے کے ہونٹ سے فا نکلتا ہے۔

(۱۵) دونوں ہونٹ سے با، میم اور کچھ کھلا رہ کر واؤ (غیر مدہ) نکلتے ہیں۔

(۱۶) مخرج جوف' اس میں تین مخارج ہیں : جوف حلق سے الف، اور جوف وسط زبان وتالو سے یا مدہ' اور جوف وسط شفتین سے واؤ مدہ نکلتا ہے۔

(۱۷) مخرج خیشوم' اس سے حرف غنہ نکلتا ہے۔ یہ ناک کے سخت حصے سے ادا ہوتا ہے، اس سے مراد نون مخفی و مدغم با دغام ناقص ہے۔

فائدہ : چونکہ اکثر مخارج حروف کا تعلق دانتوں سے ہے، اس لیے دانتوں کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔ دانتوں کے نام اور تعریف مندرجہ ذیل ہیں : (۱) ثنایا (۲) رباعیات (۳) انیاب (۴) ضواحک (۵) طواحن (۶) نواجذ۔

ثَنَایَا : سامنے کے اوپر نیچے کے چار دانتوں کو ثنایا کہتے ہیں۔ دو اوپر والوں کو ثنایا علیا اور دو نیچے والوں کو ثنایا سفلیٰ کہتے ہیں۔

رَبَاعِیَات : ثنایا کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔ کل چار دانت۔ اسے **قَواطِعُ** بھی کہتے ہیں۔

اَنْیَــاب : رباعیات کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔ کل چار دانت۔ اس کو **کَوَاسِرُ** بھی کہا جاتا ہے۔

ضَوَاحِک : انیاب کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔ کل چار دانت

طَوَاحِن : ضواحک کے دائیں بائیں اوپر نیچے تین تین۔ کل بارہ دانت

نَوَاجِـذ : طواحن کے دائیں بائیں اوپر نیچے ایک ایک۔ کل چار دانت

فائدہ: ثنایا، رباعیات، انیاب یہ بارہ دانت ہیں۔ اور ضواحک، طواحن اور نواجذ یہ بیس ڈاڑھیں کہلاتی ہیں، ان کو عربی میں اَضراس کہتے ہیں۔ دانتوں کے متعلق یاد کرنے کے لیے یہ نظم کافی ہے۔

دانت کل بتیس ہیں اے مہرباں! ✦ سولہ اوپر سولہ نیچے ہیں عیاں
ہیں ثنایا سامنے کے دانت چار ✦ دو ہیں علیا دو ہیں سفلےٰ آشکار
پھر رباعی چار ہیں اے مرد نیک ✦ سب ثنایا سے ملے ہیں ایک ایک
ہیں رباعی سے ملے انیاب چار ✦ باقی بیس اضراس ہیں اے باوقار
ہیں ضواحک چار ان میں دیکھ لے ✦ متصل ہیں ایک اک انیاب سے
ان کے پہلو میں طواحن تین تین ✦ کل ہیں بارہ دانت اے مردِ متین
ہیں نواجذ چار آخر کے جناب ✦ ختم شد واللّٰہ أعلم بالصّواب

فصل چہارم

اسمائے حروف اور ان کی وجہِ تسمیہ

(۱) حروف حلقیہ (۲) لہویہ (۳) شجریہ (۴) حافیہ (۵) طرفیہ (۶) نطعیہ (۷) لثویہ (۸) صفیریہ (۹) شفویہ (۱۰) مدہ (۱۱) غنہ۔

حَلْقِیہ : یہ چھ ہیں: ء ، ہ ، ع ، ح ، غ ، خ۔ یہ حروف چونکہ حلق سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو حلقیہ کہتے ہیں۔

لَھْوِیَہ : یہ دو ہیں: ق ، ک۔ کیوں کہ یہ دونوں حروف لہات (حلق کے

کوّے) کے قریب سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو لہویہ کہتے ہیں۔

شَجَریہ : یہ تین ہیں: ج ، ش ، ی غیر مدہ۔ چونکہ یہ حروف شجرفم یعنی جبڑوں کے درمیانی حصہ سے ادا ہوتے ہیں اس لیے ان کو شجریہ کہتے ہیں۔ یہ حروف ادائیگی کے وقت منہ میں پھیل جاتے ہیں جیسے درخت پھیلتے ہیں اس لیے بھی ان کو شجریہ کہا جاتا ہے۔

حَافِیَہ: ضاد کو کہتے ہیں۔ زبان کا وہ حصہ جو ڈاڑھوں کے مقابل ہے اس کے بغلی کنارے کو حافہ کہتے ہیں، اسی نسبت سے ضاد کو حافیہ کہتے ہیں۔

طَرَفِیہ: یہ تین حروف ہیں: ل ، ن ، ر۔ زبان کا وہ حصہ جو دانتوں کے مقابل ہے اس کو طرفِ لسان کہتے ہیں اسی وجہ سے ان کو طرفیہ کہتے ہیں۔

نِطَعِیہ: یہ بھی تین حروف ہیں: ط ، ت ، د۔ نطع اوپری تالو کی کھردری لکیردار جلد کو کہتے ہیں۔ چونکہ ان کی ادائیگی کے وقت نوک زبان نطع کے قریب لگتی ہے، اسی وجہ سے ان کو نطعیہ کہتے ہیں۔

لِثَوِیہ: ث ، ذ ، ظ۔ یہ تین حروف ہیں۔ جن دانتوں کے کنارے سے یہ حروف ادا ہوتے ہیں، وہ دانت جن مسوڑوں سے لگے ہوئے ہیں ان کو لثہ کہتے ہیں اسی لیے یہ حروف 'لثویہ کہلاتے ہیں۔

صَفِیْریہ : ز ، س ، ص۔ کو کہتے ہیں۔ صفورہ ایک چڑیا کا نام ہے۔ وہ سیٹی کی مانند آواز سے بولتی ہے چونکہ اِن حروف کی ادائیگی کے وقت سیٹی کی طرح آواز نکلتی ہے، اس لیے ان کو صفیریہ کہتے ہیں۔

شَفَوِیہ : یہ چار ہیں: ب ، ف ، م ، واؤ غیر مدہ۔ ہونٹوں سے ادا ہونے کی وجہ سے یہ حروف 'شفویہ کہے جاتے ہیں۔

مَدّہ : یہ تین ہیں: ا ، و ، ی۔ جب کہ یہ ساکن ہوں اور ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو۔ مد کے معنی کھینچنا۔ چونکہ یہ حروف جب مدہ ہوتے ہیں تو ان کو کھینچ کر

پڑھا جاتا ہے اسی لیے ان کو مدہ کہتے ہیں، اور ان کو جوفیہ اور ہوائیہ بھی کہتے ہیں۔ جوفِ دہن کی وجہ سے جوفیہ، اور ہوا پر منتہی ہونے کی وجہ سے ہوائیہ۔

غُنَّہ : دو ہیں: ایک نون ومیم مخفی، دوسرے نون مدغم بادغام ناقص۔ غنہ سے مراد ناک کی وہ گنگنی آواز ہے جو نون اور میم کے ادا ہوتے وقت ان میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہ صفت نون ومیم میں بطورِ صفت لازمہ کے ہے۔ اگر غنہ ادا نہ ہو تو نون اور میم صحیح ادا نہ ہوں گے۔

غنہ اَدا میں دو طرح پر واقع ہوتا ہے: ایک صفت غنہ - دوسرے حرفِ غنہ۔ صفت غنہ نون اور میم میں (بحالت اظہار) بطورِ لزوم ہے اسی کو غنہ آنی بھی کہتے ہیں؛ جب کہ حرف غنہ نون اور میم میں اخفا اور ادغام ناقص کی حالت میں پایا جائے گا، اس کو غنہ زمانی بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ اس وقت نون اور میم خیشوم سے بقدر ایک الف متجاوز ہو کر نکلتے ہیں اور یہی غنہ حرف فرعی ہو جاتا ہے۔

صفات حروف اور ان کی قسمیں

محققین کے نزدیک مخارج مثل ترازو اور صفات مثل کسوٹی کے ہیں، لہٰذا مخارج کے ساتھ صفات کی بھی اتنی ہی قدر واہمیت ہے۔ اگر صفات نہ ہوں تو انسان کی آواز اور چوپائے و بہائم کی آواز میں کوئی خط امتیاز نہ رہے۔

صفت' یہ تجوید کا دوسرا جز ہے۔ اس کے بغیر حرف مکمل ادا نہیں ہوتا۔ صفت کا

لغوی معنیٰ ہے: **مَا قَام بالشيئ** یعنی جو کسی شے کے ساتھ قائم ہو، اور موصوف کے بغیر پایا جانا ممکن نہ ہو مثلاً علم اور سیاہی کا تحقّق بغیر عالم اور بغیر سیاہ چیز کے نہیں ہوسکتا۔ اور اصطلاح میں صفت کی تعریف یہ ہے :

هی كيفية عارضة للحروف عند حصوله فی المخرج من الجهر و الرخاوة و الهمس والشدة ونحوها .

یعنی صفت حرف کی وہ کیفیت ہے جو مخرج سے ادا ہوتے وقت اس کو پیش آتی ہے جیسا کہ سانس اور آواز کا جاری رہنا یا بند ہوجانا اور حرف کا سخت ہونا یا نرم ہونا وغیرہ۔

صفت کی اولاً دو قسمیں ہیں: (۱) لازمہ (۲) عارضہ۔

صفت لازمه : یہ وہ صفت ہے جو حرف کے ساتھ ہر حال میں پائی جائے۔ کبھی اس سے جدا نہ ہو۔ مثلاً 'ط' کے اندر صفت اِستعلا ہے اس کو ہمیشہ ہر حال میں پُر اور موٹا پڑھا جائے گا۔ اس کے اندر یہ صفت بطورِ لزوم ہے کہ کبھی جدا نہ ہوگی، ورنہ حرف ہی بگڑ جائے گا۔

صفت عَارِضَهُ : یہ وہ صفت ہے جو کسی سبب سے پائی جائے بشرطیکہ روایت سے بھی ثابت ہو، اور کبھی حرف سے جدا بھی ہوجائے۔ جیسے را کو پُر، اور کبھی باریک پڑھنا۔ لام کو پُر اور کبھی باریک پڑھنا وغیرہ۔ چونکہ صفات لازمہ کا تعلق حروف کے ساتھ بہ نسبت صفات عارضہ کے زیادہ ہوتا ہے اس لیے ہم پہلے ان ہی کو بیان کریں گے۔

صفت لازمہ کی باعتبار تمایز دو قسمیں ہیں : (۱) صفت لازمہ ممیّزہ (۲) صفت لازمہ غیر ممیّزہ۔

صفت لازِمه مُمَيِّزَهُ : جس کے ذریعہ مشابہ بالصوت حرفوں میں یا ایک

مخرج کے حرفوں میں تمیز حاصل ہو۔

صفت لازمہ غیر مُمَیِّزَہ : جس کے ذریعہ دونوں صورتوں یعنی مشابہ فی الصوت یا ایک مخرج کے حرفوں میں تمیز حاصل نہ ہو۔

صفت لازمہ کی باعتبار تقابل دو قسمیں ہیں : (۱) متضادہ (۲) غیر متضادہ۔

صفت لازمہ مُتَضَادَّہ : یہ وہ صفت ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی دوسری صفت بیان کی جائے۔

صفات لازمہ متضادہ دس ہیں، جن میں پانچ صفتیں پانچ کی ضد ہیں۔

صفت لازمہ غَیُر مُتَضَادَّہ : یہ وہ صفت ہے کہ جس کے مقابلے میں کوئی دوسری صفت نہ بیان کی جائے۔صفات لازمہ غیر متضادہ سات ہیں۔

صفات لازمہ متضادہ کا تقابل اور تعریف

صفات		اضداد
ھمس		جھر
شدت	(توسط)	رخو
استعلا		استفال
اطباق		انفتاح
اذلاق		اصمات

ھَمُس : ہمس کے لغوی معنی پست آواز کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں ہمس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے اور آواز پست ہو، جیسے یَلْھَثْ کی

(ث)۔جن حروف میں یہ صفت پائی جائے اس کو مہموسہ کہیں گے۔یہ صفت دس حرفوں میں پائی جاتی ہے: ت ، ث ، ح ، خ ، س ، ش ، ص ف ، ک ، ہ ،جو فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ میں مرکب ہیں۔

جَھْــر : جہر کے معنی بلند آواز کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا ان کے مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے اور آواز بلند ہو، جیسے یَـأْتِـی کا ہمزہ۔جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مجہورہ کہتے ہیں۔مہموسہ کے علاوہ باقی حروف مجہورہ ہیں۔

فائدہ: معلوم ہونا چاہیے کہ پست آواز' بلند آواز کی ،اور بلند آواز' پست آواز کی ، اور ایسے ہی سانس کا جاری رہنا' بند ہو جانے کی ،اور بند ہو جانا' جاری رہنے کی ضد ہے۔

شِـــدَّت : لغت میں شدت کے معنی سختی کے آتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں شدت کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی اور قوت کے ساتھ ٹکنا کہ اس کے اثر سے خود آواز ہی بند ہو جائے ،اور حرف قوی اور سخت ہو۔جیسے مَـأْکُـوْل کا (ء) جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو شدیدہ کہتے ہیں۔یہ آٹھ حروف ہیں: أ ، ب ، ت ، ج ، د ، ط ، ق ، ک ۔مجموعہ أَجِدُ قَطٍّ بَكَتْ ہے۔

رِخْــو : رِخو کے معنی نرمی کے ہیں اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے آواز جاری رہ سکے ،اور حرف نرم ادا ہو، جیسے هَٰٓؤُلَآءِ میں ھا۔جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو رخوہ کہیں گے۔شدیدہ ومتوسطہ کے سوا باقی سولہ حروف رخوہ کے ہیں۔

تَوَسُّط : لغت میں اس کے معنی درمیان میں واقع ہونے کے ہیں اور اصطلاح

میں اس سے مراد شدت اور رخاوت کی درمیانی حالت ہے کہ اس کے حرفوں کے ادا ہوتے وقت نہ تو حروف شدیدہ کی طرح آواز فوراً بند ہو جاتی ہے، اور نہ رخوہ کی طرح جاری ہی رہتی ہے، جیسے قُلْ کا لام۔ حروف متوسطہ پانچ ہیں: ر ، ع ، ل ، م ، ن ۔ جو لِنْ عُمَرُ میں مرکب ہیں۔ پس سختی، نرمی کی اور نرمی، سختی کی ضد ہے اور اسی طرح آواز کا بند ہو جانا اس کے جاری رہنے کی اور جاری رہنا بند ہو جانے کی ضد ہے اور حروف متوسطہ میں ان دو متضاد کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت بھی کامل طور پر نہیں پائی جاتی بلکہ ان میں دونوں صفتوں کا کچھ کچھ اثر ہوتا ہے اس لیے ان پانچ حرفوں کو نہ تو شدیدہ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی رخوہ بلکہ یہ ان دونوں کے درمیان ہیں اس لیے ان کو متوسطہ کہتے ہیں، ان کا دوسرا نام بینیہ بھی ہے۔

اِسْتِعْلَاء : استعلا کے لغوی معنی بلند ہونے کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت اقصیٰ لسان یعنی زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرف اُٹھ جائے، جس کے اثر سے یہ حروف پُر ہوں گے۔ جیسے فِرْقَةٌ کا (ق)، اور خَالِدٌ کی (خ)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستعلیہ کہتے ہیں۔ ایسے حروف سات ہیں: خ ، ص ، ض ، ط ، ظ ، غ ق ۔ جن کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے[1]۔

(۱) صفت استعلا و اطباق میں فرق یہ ہے کہ صفت استعلا میں اقصائے لسان اور اطباق میں وسط لسان کو تعلق ہے۔ اور دوسرا فرق یہ ہے کہ استعلا میں اقصائے لسان تالو کی طرف بلند ہوتا ہے لیکن تالو سے لگتا نہیں مگر صفت اطباق میں وسط لسان تالو کو ڈھک لیتا ہے اور چونکہ وسط لسان کا اقصائے لسان کے بغیر بلند ہونا ناممکن ہے اس لیے صفت اطباق کو استعلا لازم ہے اور چونکہ اقصائے لسان بجز وسط لسان کے بلند ہوسکتا ہے؛ اس لیے استعلا کو اطباق لازم نہیں۔ ۱۲ منہ

اِسْتِفَال : استفال کے لغوی معنی ہیں نیچے رہنا۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ

حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کی جڑ اوپر کے تالو کی طرح نہ اُٹھے بلکہ نیچے ہی رہے جس کے اثر سے یہ حروف خوب باریک ہوں گے۔ جیسے **کَافِرُوْن** کا (ک) اور **تَائِبُ** کی (ت)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مستفلہ کہتے ہیں۔ حروف مستفلہ بائیس ہیں جو مستعلیہ کے ماسوا ہیں۔

اِطْبَاق : اطباق کے معنی لغت میں اِلصاق یعنی اچھی طرح مل جانے اور ڈھانپ لینے کے ہیں اور مجودین کی اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے مل جائے اور اس کو ڈھانپ لے جس کی وجہ سے یہ حروف خوب پُر ادا ہوں گے۔ جیسے **طَاغُوْت** کی (ط) اور **مِرْصَاد** کا (ص)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو مطبقہ کہیں گے۔ ایسے حروف چار ہیں: ص ، ض ، ط ، ظ۔

اِنْفِتَاح : انفتاح کے لغوی معنی اِفتراق یعنی جُدا اور علاحدہ رہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت زبان کا اکثر حصہ یعنی اس کا بیچ اوپر کے تالو سے نہ ملے، بلکہ جُدا رہے جیسے **فُتِحَتْ** کی (ت) اور **وَقُراً** کا (ق)۔ جن حرفوں میں یہ صفت ہو، ان کو منفتحہ کہیں گے۔ یہ پچیس حروف ہیں، جو مطبقہ کے علاوہ ہیں۔

اِذْلَاق : اذلاق لغت میں پھسلنے کو کہتے ہیں اور اہل فن کی اصطلاح میں اس کے معنی حرف کے ہونٹ یا زبان کے کنارہ سے بہ سہولت ادا ہونے کے ہیں کہ گویا وہ اپنے مخرج سے پھسلتا ہوا ادا ہو رہا ہے اور اس کے ادا ہوتے وقت کوئی گرانی محسوس نہیں ہوتی جیسے **مَالِکُ** اور **یَعْلَم** کی (م)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے، ان کو مُذلقہ کہیں گے۔ ایسے حروف چھ ہیں: ب ، ر ، ف ، ل ، م ، ن ۔ جن کا مجموعہ **فَرَّمِنْ لُّبٍّ** ہے۔

اِصْمَات : اصمات کے لغوی معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں اصمات سے مراد یہ ہے کہ حرف اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہو، گویا کہ اس کی ادائیگی میں کچھ گرانی اور رکاوٹ سی محسوس ہو جیسے کوِّرت کی (ت) اور لَمْ یَتَّخِذْ کی (ذ)۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے، ان کو حروف مصمتہ کہیں گے۔ ایسے حروف تیئیس ہیں جو مذلقہ کے چھ حرفوں کے علاوہ ہیں۔

دوسری قسم صفات لازمہ غیر متضادہ۔ یہ سات ہیں۔

صَفِیْر : صفیر کے معنی لغت میں سیٹی یا چڑیا وغیرہ کی آواز کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت ایک تیز آواز مثل سیٹی کے نکلے جیسے عَزِیْزٌ کی (ز) اور بِسْمِ اللّٰہ کی (س)۔ یہ صفت ان حرفوں کے لیے کچھ ایسی لازم ہے کہ اگر یہ ادا نہ ہو تو ان حرفوں کی رونق ہی باقی نہیں رہتی اور حروف بہت ہی ناقص ادا ہوتے ہیں۔ حروف صفیر یہ تین ہیں: ز ، س ، ص۔

قَلْقَلَہ : قلقلہ [۱] کے لغوی معنی جنبش اور حرکت کے ہیں اور فن میں اس کے یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت مخرج میں کچھ جنبش سی ہو جائے جس کی وجہ سے آواز لوٹتی ہوئی نکلے۔ ایسے حروف پانچ ہیں: ب ، ج ، د ، ط ، ق جن کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ ہے۔ طب جد کے مقابلے میں قاف میں قلقلہ بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے ، اور طب جد میں اس سے کچھ کم۔

اِنْحِرَاف : انحراف کے لغوی معنی پھرنے اور مائل ہونے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز کا حافہ لسان سے نوک زبان

(۱) قلقلہ کے تین مراتب ہیں: قلقلہ کبریٰ۔ یہ صرف حرف قاف کے اندر ہے جب کہ وہ موقوف مشدد ہو۔ جیسے بالحق۔ قلقلہ وسطیٰ۔ یہ جیم کے اندر پایا جاتا ہے جیسے مریج۔ اور قلقلہ اولیٰ۔ یہ بقیہ تین حرفوں طا، با اور دال میں پایا جاتا ہے۔ (تبیین: ۲۸۷)

کی طرف اور نوک زبان سے پشت زبان کی طرف میلان پایا جائے، جیسے اَلْقَمَرُ میں را اور اَلْغُرُوْر میں لام۔ چنانچہ [ل] میں حافہ سے نوک کی طرف اور [ر] میں نوک سے پشت کی طرف آواز لوٹ جاتی ہے اس لیے خیال نہ کرنے سے بعض دفعہ [ل] کی جگہ [ر] اور [ر] کی جگہ [ل] ادا ہو جاتا ہے، خصوصاً بچوں سے یہ غلطی زیادہ ہوتی ہے۔ حروف منحرفہ دو ہیں: ل ، ر۔

تَکْرِیْر : تکریر لغت میں ایک شے کے بار بار لوٹانے کو کہتے ہیں۔ اور اِصطلاح میں قوتِ تکرار کو تکریر کہتے ہیں۔ دراصل تکریر دو طرح کی ہوتی ہے، ایک تکریر حقیقی، دوسری مشابہت تکریر۔ تکریر حقیقی را کو اَدا کرتے وقت ناجائز ہے، اور مشابہت تکریر را میں بہت ضروری ہے۔ را کے ادا کرتے وقت نوک زبان میں ہلکی سی لرزش پیدا کرنا۔ جیسے الرَّحْمٰن کی را۔ یہ صفت صرف را میں پائی جاتی ہے۔

تَفَشِّیْ : لغت میں تفشی کے معنی انتشار اور پھیلنے کے آتے ہیں۔ اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ حرف کے ادا ہوتے وقت آواز اور ہوا منھ میں پھیل جائے جیسے مَنْفُوْش کی (ش) لیکن اس بات کا خیال رہے کہ زبان اندر کو سمٹ کر اس کی نوک اُوپر کو اٹھنے نہ پائے ورنہ (ش) پُر ہو جائے گی۔ اور صحیح طریقہ اس کے ادا کرنے کا یہ ہے کہ زبان کو سیدھا رکھ کر ادا کیا جائے اس سے انشاء اللہ شین خود بخود صحیح ادا ہو جائے گا۔ یہ صفت صرف شین میں پائی جاتی ہے۔

اِسْتِطَالَتْ : استطالت کے لغوی معنی درازی چاہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ ضاد معجمہ کو ادا کرتے وقت شروع مخرج سے آخر مخرج تک آواز بتدریج نکلنی چاہیے یعنی ناجذ مع کنارۂ زبان سے آواز شروع ہو کر تدریجاً ضواحک تک اس طرح پہنچے کہ آواز میں درازی سی ہو، اور (ظ) کی آواز کی طرح دفعۃً نہ نکلے اس لیے استطالت ہی ایک ایسی صفت ہے جو ضاد

وظا میں ممیّز ہے اور باقی صفات میں یہ دونوں شریک ہیں۔ یہ صفت حرف ضاد میں پائی جاتی ہے۔

لِیْـــنَ : لین کے معنی نرمی کے ہیں، اور اصطلاح میں واؤ ساکن اور یا ساکن کو اپنے مخرج سے نرم ادا کرنا لین ہے۔ جن حرفوں میں یہ صفت پائی جائے ان کو لینیہ کہتے ہیں۔ ایسے دو حرف ہیں یعنی واؤ اور یا ساکن ماقبل زبر۔ ان دونوں کو اس طرح نرم اَدا کیا جائے کہ مد ہو سکے۔ جیسے خَیْر کی یا اور خَوْف کی واؤ۔

حروف کی صفات لازمہ کا جدول

شمار	حروف	اسمائے صفات	شمار	حروف	اسمائے صفات
۱	ا	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات، مدتفخیم یا ترقیق	۲	ب	جہر ، شدت ، استفال ، انفتاح ، اذلاق، قلقلہ
۳	ت	ہمس ، شدت ، استفال ، انفتاح، اصمات	۴	ث	ہمس ، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات
۵	ج	جہر ، شدت ، استفال ، انفتاح، اصمات ، قلقلہ	۶	ح	ہمس ، رخاوت، استفال، انفتاح، اصمات
۷	خ	ہمس ، رخاوت ، استعلا، انفتاح، اصمات	۸	د	جہر ، شدت ، استفال ، انفتاح، اصمات، قلقلہ
۹	ذ	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات	۱۰	ر	جہر، توسط، استفال، انفتاح، اذلاق، تکریر، انحراف

۱۱	ز	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح،اصمات،صفیر	۱۲	س	ہمس ، رخاوت ، استفال ، انفتاح ،اصمات،صفیر
۱۳	ش	ہمس ، رخاوت ، استفال ، انفتاح،اصمات،تفشی	۱۴	ص	ہمس ، رخاوت ، استعلا، اطباق ،اصمات،صفیر
۱۵	ض	جہر،رخاوت،استعلا،اطباق ، اصمات،استطالت	۱۶	ط	جہر ، شدت ، استعلا ، اطباق، اصمات، قلقلہ
۱۷	ظ	جہر ، رخاوت ، استعلا ، اطباق، اصمات	۱۸	ع	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اصمات
۱۹	غ	جہر ، رخاوت ، استعلا ، انفتاح،اصمات	۲۰	ف	ہمس، رخاوت، استفال، انفتاح،اذلاق
۲۱	ق	جہر ، شدت ، استعلا، انفتاح،اصمات،قلقلہ	۲۲	ک	ہمس ، شدت ، استفال ، انفتاح،اصمات
۲۳	ل	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق،انحراف	۲۴	م	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق
۲۵	ن	جہر ، توسط ، استفال ، انفتاح، اذلاق	۲۶	و	جہر، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات
۲۷	ھ	ہمس ، رخاوت، استفال، انفتاح،اصمات	۲۸	ء	جہر ، شدت ، استفال ، انفتاح،اصمات
۲۹	ی	جہر ، رخاوت ، استفال ، انفتاح، اصمات			ماخوذ از:علم تجوید

صفات عارضہ اور اس کی قسمیں

صفات عارضہ حرفوں کی وہ صفات ہیں جو کسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں یعنی کبھی پائی جائیں اور کبھی نہ پائی جائیں اور ان کو عارضہ کہنے کی وجہ بھی یہی ہے۔ اس لیے عارض اسی شے کو کہتے ہیں جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ یہ بعض بعض حرفوں میں پائی جاتی ہیں، تمام حرفوں میں نہیں۔ جن حرفوں میں یہ پائی جائیں، اگر وہ ادا نہ ہوں تو ان کی تحسین میں کمی واقع ہوگی۔ جیسے رامفتوحہ کو پُر کی بجائے باریک پڑھنا یا اسم جلالت مفخم کو مرقق یا اس کا عکس کرنا۔ صفات عارضہ گیارہ ہیں جو مختلف حالتوں میں مختلف حروف میں پائی جاتی ہیں، اور یہ آٹھ حروف ہیں جن کا مجموعہ او یرملان ہے۔

صفات عارضہ یہ ہیں:

(۱) ترقیق: باریک پڑھنا۔
(۲) تفخیم: پُر یعنی منہ بھر کے پڑھنا۔
(۳) ابدال: بدلنا
(۴) تسہیل: تحقیق اور ابدال کی درمیانی حالت۔
(۵) مدہ: حرف کو بڑھا کر پڑھنا۔
(۶) امالہ: فتحہ کو کسرہ اور الف کو یا کی طرف مائل کرنا۔
(۷) ادغام: ملا دینا۔
(۸) قلب: بدلنا۔
(۹) اخفا: پوشیدہ کرنا یعنی بین الاظہار والادغام پڑھنا۔

(۱۰) ادغام شفوی: میم کو میم میں مدغم کرنا۔

(۱۱) اخفائے شفوی: میم کے بعد با ہو تو میم کو پوشیدہ کر کے پڑھنا۔

صفات عارضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) عارض بالصفت (۲) عارض بالحرف

عارض بالصفت : جو صفت کسی صفت لازمہ کی وجہ سے پائی جائے۔ جیسے صفت اِستعلا کی وجہ سے حرف کی تفخیم (پُر ہونا)، اور صفت استفال کی وجہ سے باریک ہونا۔

تفخیم[1] دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تفخیم مستقل (۲) تفخیم غیر مستقل

تفخیم غیر مستقل، یہ چار حرفوں یعنی الف ، واؤمدہ ، لامِ اللہ اور را میں ہوتی ہے۔ ہر ایک کا بیان آگے آرہا ہے۔

الف[2] جس طرح اپنے کے اعتبار سے کسی نہ کسی حرف کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح

(۱) **حروف مُفَخَّمَہ میں بلحاظ تفخیم مراتب**: حروف مفخمہ میں تفخیم کے اعتبار سے مراتب ہیں چنانچہ سب سے زیادہ پُر اسم جلالت کا لام ہوتا ہے، اس سے کم طا۔ پھر صاد، ضاد۔ پھر ظا۔ پھر قاف۔ پھر غین وخا اور پھر را۔ اور جب حروفِ مفخمہ میں مراتب ہیں تو لازماً ان کے بعد والے الف کی تفخیم میں بھی مراتب ہوں گے، کیوں کہ الف میں تفخیم حرف ماقبل کی وجہ سے ہی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں خود تفخیم میں بھی مراتب ہیں، چنانچہ وہ حرف مفخم جس کے بعد الف ہو سب سے زیادہ پُر پڑھا جاتا ہے، جیسے طَالَ۔ پھر اس سے کم وہ مفتوح جس کے بعد الف نہ ہو جیسے اِنْ طَـلِـقُوا۔ پھر مضموم جیسے مُـحِـيْـطٌ۔ پھر مکسور جیسے ظِـلّ۔ رہا ساکن مفخم سو وہ ماقبل کی حرکت کے تابع ہے جیسے يَـقْـطَـعُـون ، يُرْزَقُوْن . اور مِرْصَاداً وغیرہ۔ پس ایک قاریِ قرآن کو چاہیے کہ اپنی ادا میں تفخیم کے ان مراتب کا لحاظ رکھے۔ ۱۲ منہ

(۲) الف کو تفخیم وترقیق میں ماقبل کے تابع اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں کسی عضو کا عمل نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اس کا مخرج مقدر یعنی خلاے دہن ہے، لہٰذا اس کو تفخیم یا ترقیق سے موصوف نہیں کیا گیا بلکہ ماقبل کے تابع کر دیا گیا۔ رہی یہ بات کہ باقی حروفِ مدہ یعنی واؤ یا کو ماقبل کے تابع کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یا میں انخفاض فم وصوت ہے جو تفخیم کے منافی ہے۔ رہی بات واؤ کی تو اس میں قرا کا اختلاف ہے مگر اکثر قراء کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ بھی ترقیق و تفخیم میں اپنے ماقبل کے تابع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲ منہ

صفت کے اعتبار سے بھی حرف ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔ لہٰذا الف سے پہلے کوئی پُر حرف ہوتو یہ پُر ہوگا، ورنہ باریک۔ جیسے قَال اور کَان میں الف۔

واؤ مدہ: یہ بھی مثل الف ماقبل کا تابع ہے اور پُر ہوگا جب کہ ماقبل کوئی پُر حرف ہو ورنہ باریک ہوگا۔ جیسے وَالطُّوْرِ اور نُوْر میں واؤ۔

تنبیہ: الف اور واؤ مدہ کے ماقبل تفخیم غیر مستقل کی حالت میں بھی دونوں پر ہوں گے۔ جیسے قَـرِیٰ میں الف اور قُـروء میں واؤ۔ نیز حرفِ مفخّم کے بعد الف عارضی ہو مثل وِفَاقاً تو بھی الف پُر ہوگا۔

لام اسم جلالت: اسم جلالت کے لام سے پہلے زبر یا پیش ہو تو لفظ اللہ (۱) کے دونوں لام پر ہوں گے، جیسے هُوَ اللّٰهُ ، رَسُوْلُ اللّٰهِ اور قَالُوا اللّٰهُمَّ وغیرہ۔ اور اگر اسم جلالت کے لام سے پہلے زیر ہو تو باریک ہوں گے، جیسے بِسمِ اللّٰه اور لِلّٰهِ وغیرہ کا لام۔

روایت امام حفص علیہ الرحمہ میں اسم جلالت کے سوا باقی لام ہر حال میں باریک پڑھے جاتے ہیں جیسے مَا وَلّٰهُمْ اور يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ اور الَّا تَخَافُوْا وغیرہ۔

را: یہ اکثر حالتوں میں پُر پڑھی جاتی ہے اس لیے اکثر حالتوں کی بنا پر جمہور کے نزدیک را مرققہ حرف فرعی ہے اور را مفخمہ حرف اصلی ہے، مگر یہاں اس اختلاف کو بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ را کی ترقیق کے متعلق کچھ گفتگو کرنا ہے، اسے بطور قواعد ذکر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) لام میں اگر چہ صفت استفال لازم ہے مگر اس کے تفخیم عارض ہونے کا باعث اسم الجلالہ کی عظمت کا اظہار ہے، اسی لیے کسی اور لام میں تفخیم نہیں ہوتی بجز لفظ اللہ کے۔ رہی یہ بات کہ جب لام کے ماقبل کسرہ ہو تو پھر بھی لفظ اللہ کی عظمت تو اسی طرح برقرار رہتی ہے، اس حالت میں اسے باریک کیوں پڑھا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں تفخیم اصلی و مستقل تو ہے نہیں کہ ہر حالت میں پائی جائے بلکہ عارضی اور غیر مستقل ہے اور کسرہ چونکہ انخفاض فم وصوت سے اَدا ہوتا ہے جو تفخیم کے منافی ہے؛ اس لیے اس حالت میں لام کو مفخم نہیں کیا جاتا۔ ۱۲ منہ

را کی تَرْقِیْق :

(۱) رامکسور ہمیشہ باریک ہوگی۔ جیسے شَرِبَ وغیرہ۔

(۲) راساکن ماقبل کسرۂ اصلی ایک ہی کلمہ میں ہو اور اس کے بعد پُر حرف اسی کلمہ میں نہ ہو تو باریک ہوگی، جیسے شِرْعَة وغیرہ۔

(۳) راساکن ماقبل یا ساکن ہو تو باریک ہوگی۔ جیسے خَیْر[۱]، خَبِیْر وغیرہ۔

(۴) راساکن سے پہلے کوئی ساکن حرف ہو اور اس سے پہلے کسرہ آجائے، تو را باریک ہوگی۔ جیسے ذِکْر، فِکْر، حِجْر وغیرہ کی را۔

(۵) راساکن کے ماقبل کسرۂ اصلی ہو اور اس کے بعد کوئی پُر حرف دوسرے کلمہ میں ہو تو را باریک ہوگی۔ جیسے وَاصْبِرْ صَبْرًا وغیرہ۔

(۶) رامرامہ[۲] مکسور باریک ہوگی۔ جیسے وَالْوَتْرِ وغیرہ۔

(۷) راممالہ بھی باریک ہوگی[۳]۔ جیسے مَجْرٖیهَا۔

فائدہ : رامشددہ متحرکہ وصلاً را متحرکہ کے حکم میں ہے۔ اور وقفاً را ساکنہ کے حکم میں۔ اور را مرامہ موقوفہ بالروم وصل کے حکم میں ہے۔

را کی تَفْخِیْم :

(۱) را متحرک ہوگی یا ساکن، اگر را متحرک ہو تو زبر پیش کی حالت میں پُر ہوگی اور

(۱) خیر کی را بظاہر تفخیم چاہتی ہے مگر وجہ ترقیق یہ ہے کہ راساکن کے ماقبل یا ساکن واقع ہوئی اور یا چونکہ دو کسروں کے قائم مقام ہوتی ہے، تو جب را سے پہلے ایک کسرہ آنے کی صورت میں اسے باریک پڑھا جاتا ہے تو دو کسروں کی صورت میں تو بدرجۂ اولیٰ اسے باریک پڑھا جائے گا۔ لہٰذا ایسی صورت میں یا ساکن سے پہلے کی حرکت کا اعتبار نہ ہوگا۔ ۱۲ منہ

(۲) را مرامہ اس را کو کہتے ہیں جس پر وقف بالروم کیا گیا ہو۔ اور را مرامہ مضموم ہو تو را پُر ہوگی۔

(۳) اِمالہ کی صورت میں را کو باریک پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ را کی تفخیم کا سبب یعنی فتحہ خالص نہیں رہا، کسرہ کی طرف مائل ہوگیا ہے اور امالہ ویسے بھی مقتضی ترقیق ہے۔ ۱۲ منہ

اگر ساکن ہوتو بھی اپنے ماقبل زبر پیش کی حالت میں پر ہوگی جیسے رَشَـــــدًا اور رُشْدًا، اَرْسَلْنَا، اوراُرْکُضْ وغیرہ۔

(۲) رامشددہ پرزبر، پیش ہوتو پر ہوگی جیسے لٰکِنَّ الْبِرَّ وَ لَیْسَ الْبِرُّ وغیرہ۔

(۳) راساکن ماقبل کسرۂ عارضی ہو تو پر ہوگی۔ جیسے اِرْجِعِی[1] وغیرہ۔

(۴) راساکنہ کے ماقبل کسرۂ منفصلہ ہوتو بھی راپر ہوگی۔ جیسے اَمِ ارْتَابُوْا وغیرہ۔

(۵) راساکنہ ماقبل مکسوراور مابعدرا کے حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف اسی کلمہ میں ہوتو راپر ہوگی جیسے لَبِالْمِرْصَاد وغیرہ۔

فِرْقٍ[2] کی رامیں خُلف ہے۔

جب راموقوفہ کے ماقبل کوئی حرف مستعلیہ ساکن ہواوراس کے ماقبل کسرہ ہو جیسے مِـصْرًا اور عَیْـنَ الْـقِطْر تو اس کی حرکت اصلیہ قبل از وقف کا اعتبار کریں گے، پس مِصْراً کی رامفتوحہ کو پراور عَیْـنَ الْقِطْر کی راکو بہ لحاظ کسرہ باریک پڑھنا اولیٰ ہے۔

راساکنہ ماقبل مکسوراس کے بعد پرحرف مکسور ہو جیسے فِرْقٍ یہاں بھی راکو پر پڑھنا اولیٰ ہے۔

(۱) یہاں پر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ کسرہ خواہ اصلی ہو یا عارضی وہ کسرہ ہی ہے اور کسرہ کے اندر انخفاضِ صوت ہوتا ہے، جو تفخیم کے منافی ہے، پھر کسرۂ عارضی کی صورت میں راساکنہ باریک کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل رامیں تفخیم کو اصل قرار دیا گیا ہے اور کسی بھی چیز کو اس کی اصلیت سے پھیرنے اور ہٹانے کے لیے اسی قدر قوی سبب درکار ہوتا ہے اور کسرہ عارضی میں اصلی نہ ہونے کی وجہ سے وہ قوت نہیں اس وجہ سے یہ کسرہ باوجود کسرہ ہونے کے براکو باریک نہیں کرسکتا ہے۔ ۱۲منہ

(۲) یعنی فرق کی راکو پراور باریک پڑھے جانے میں خلف ہے۔ پر پڑھنے کی وجہ تو ظاہر ہے مگر باریک اس وجہ سے پڑھیں گے کہ صرف ایک کسرہ ہی موجب ترقیق ہوتا ہے، اور یہاں تو معاملہ بین الکسرتین کا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہاں حرف مستعلیہ مکسور ہونے کی وجہ سے خود قاف کا استعلا ضعیف ہوگیا ہے، یہی وجہ ہے کہ فرقة اور فرق کے حکم میں فرق ہوگیا ہے۔ قاف پر وقف کردینے کی صورت میں بھی تفخیم و ترقیق دونوں روایت سے ثابت ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ کسرہ لازمی ہے اور وقف عارضی، مگر پُر پڑھنا بہتر ہے۔ ۱۲منہ

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ کی راجو سورۂ فجر میں ہے اس میں بھی اختلاف ہے، مگر جمہور نے پُر پڑھنا اولیٰ قرار دیا ہے کیوں کہ اصل میں یہ لفظ اِذَا یَسۡـرِیۡ تھا یہاں سے یا محذوف ہے۔

فائدہ : تفخیم (یعنی منہ بھر کر) اور ترقیق باریک پڑھنے کو کہتے ہیں۔

فائدہ : را میں تفخیم اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ترقیق کے مقابلہ میں تفخیم کا عروض زیادہ ہے یعنی را میں صفت ذاتی کے اعتبار سے تفخیم اصل نہیں بلکہ صفت عارضی کے اعتبار سے مقابلۃً ترقیق کے تفخیم اصل ہے اس کی وجہ کثیر الاحوال میں را کا پر ہونا ہے۔

راے ساکنہ سے پہلے زیر عارضی کا جدول

شمار	الفاظ	پارہ	آیت	سورہ
۱	اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ	۷	۱۰۶	مائدہ
۲	اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ	۲۸	۴	طلاق
۳	اِرۡجِعُوۡا	۱۳	۸۱	یوسف
۴	اِرۡجِعۡ	۱۹	۳۷	نمل
۵	اِرۡجِعِیۡ	۳۰	۲۸	فجر
۶	اِرۡحَمۡهُمَا	۱۵	۲۴	بنی اسرائیل
۷	اِرۡجِعُوۡنَ	۱۸	۹۹	مومنون

۸	اَمِ ارۡتَابُوۡا	۱۸	۵۰	نور
۹	اِرۡتَضٰی	۱۸	۵۵	نور
۱۰	لِمَنِ ارۡتَضٰی	۱۷	۲۸	انبیاء
۱۱	مَنِ ارۡتَضٰی	۲۹	۲۷	جن
۱۲	اِرۡکَبۡ مَّعَنَا	۱۲	۴۲	ہود

صفات عارضہ کی دوسری قسم عارض بالحرف

جو صفات عارضہ کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں، ان کو عارض بالحرف کہتے ہیں۔ عارض بالحرف کی دو قسمیں ہیں :

(۱) عارض بالوصل (۲) عارض بالوقف

اول عارض بالوصل : یہ موقوف علی الوصل ہیں۔ یہ دو طرح پر واقع ہوں گی ایک فی کلمة جیسے مدمتصل وغیرہ، دوسرے فی کلمتین جیسے مدمنفصل وغیرہ۔ پہلی قسم یعنی فی کلمة یہ وقف و وصل دونوں حالتوں میں پائی جائیں گی۔ دوسری قسم یعنی فی کلمتین یہ صرف وصل میں واقع ہوں گی، وقف میں ادا نہ ہوں گی بلکہ وقف کی صورت میں وہ حرف اپنی صفت اصلی سے ادا ہوگا۔

دوم عارض بالوقف : جو صرف وقف ہی میں پائی جائے جیسے اسکان، اشمام، روم وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ صفات موقوف علی الوقف ہیں۔ ان کا تفصیلی بیان وقف کی بحث میں ہوگا۔

عارض بالحرف کی صورتیں

عارض بالحرف کی چند صورتیں یہ ہیں: (۱) مد (۲) ادغام (۳) اخفاء (۴) اقلاب (۵) تسہیل (۶) اشمام (۷) روم (۸) صورتِ نقل (۹) سکون (۱۰) حرکات۔ ہر ایک کو مفصل بیان کیا جارہا ہے۔

عارض بالحرف کی پہلی قسم 'مَد'

مد لغت میں دراز کرنے اور کھینچنے کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں مد کی تعریف یوں کی گئی ہے: **اطالة الصوت بحرف من حروف المد او اللین** حروف مدہ اور حروف لین پر آواز دراز کرنا۔ پس اگر کسی اور حرف میں آواز دراز کی جائے گی تو اس پر مد کا اطلاق نہ ہوگا۔

فائدہ : آپ شروع میں پڑھ آئے ہیں کہ حروف مدہ تین ہیں: (۱) الف: یہ ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے۔ (۲) واؤ ساکن: جب کہ اس سے پہلے پیش ہو۔ (۳) یاے ساکن: جب کہ اس سے پہلے زیر ہو جیسے اُوۡتِیۡـنَا اور اُوۡذِیۡـنَا وغیرہ ان دونوں کلموں میں مد کے تینوں حرفوں کی مثالیں جمع ہیں۔ اور کھڑا زبر، کھڑی زیر اور اُلٹا پیش یہ تینوں بھی حروف مدہ کی آواز دیتے ہیں، اس لیے انھیں حروف مدہ کے قائم مقام مانا گیا ہے-- حروف لین دو ہیں: (۱) واؤ ساکن ماقبل مفتوح (۲) یا ساکن ماقبل مفتوح جیسے مِنۡ خَوۡف اور وَ الصَّیۡف وغیرہ۔

مد کے متعلق سات باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

محل مد ، سبب مد ، اقسام مد ، احکام مد ، کیفیت مد ، وجوہِ مد ، مقدار مد۔

(۱) **محلِّ مَدّ** : یہ دو ہیں: حروف مدہ اور حروف لین۔

(۲) **سبب مد** : یہ بھی دو ہیں: سکون اور ہمزہ۔

(۳) **اقسام مد** : یہ چھ ہیں: مدمتصل ، مدمنفصل ، مدلازم ، مدعارض ، مدلین لازم ، مدلین عارض۔

(٤) **احکام مد** : یہ تین ہیں: لازم ، واجب ، جائز۔

(٥) **کیفیت مد** : یہ دو ہیں: توسط ، طول۔

(٦) **وجوہِ مد** : یہ تین ہیں: طول ، توسط ،قصر

(۷) **مقدار مد** : یہ پانچ ہیں: دوالف ، ڈھائی الف ، تین الف ، چارالف ، پانچ الف۔

مد کی اولاً دوقسمیں ہیں : (۱) اصلی (۲) فرعی۔

مد اصلی : وہ مد ہے جو کسی سبب پر موقوف نہ ہواوراس کے ادا ہوئے بغیر حرف کی ذات ہی باقی نہ رہے جیسے قَال، قِیل، اور قولوا کا مد۔ کیوں کہ اگر ان میں مد نہ کیا جائے تو الف، واوٗ اور یا کی ذات ہی فوت ہوجائے گی اوراب صرف حرکتیں ہی رہ جائیں گی ، نیز یہ کہ ان مثالوں میں مد کا کوئی سبب بھی موجود نہیں ہے اوراس کا ترک شرعاً حرام ہے کیوں کہ اس سے قرآن مجید کا ایک حرف کم ہوجاتا ہے۔اس کو مد ذاتی اور مد طبعی بھی کہتے ہیں۔

مد فرعی : وہ مد ہے جس کا پایا جانا کسی سبب پر موقوف ہواوراس کے ادا ہونے سے حرف کی ذات معدوم نہیں ہوتی، البتہ قواعد عرفیہ تجویدیہ کا خلاف لازم آتا ہے اور حرفوں کی خوبصورتی جاتی رہتی ہے، جیسے مِنَ السَّمَآء، سوٓء، سِیّٓئَت، انآ اَنْزَلْنَاہ ، قَالوآ اِنَّمَا ، اَلَّذِیٓ آمَنَ ، آٰلْئٰن ، دَآبَّة ، الٓمٓ ، حٰمٓ

قٓ ، نٓ وغیرہ کا مد۔ کیوں کہ ان کلمات میں اگر مد فرعی ادا نہ کیا جائے تو حرف کی ذات معدوم نہیں ہوگی البتہ وہ حسن اور خوبصورتی جو مد کرنے کی صورت میں پیدا ہوسکتی تھی' ترک مد کی صورت میں فوت ہوجائے گی اور اس کا ترک اگر چہ حرام تو نہیں مگر موجب گناہ اور مکروہ ضرور ہے۔ اس کو مد زائد بھی کہتے ہیں۔

مد متصل : حرف مد کے بعد ہمزہ ایک ہی کلمہ میں واقع ہو جیسے جَآءَ ، سُوْٓءَ ، سِیْٓءَ وغیرہ تو ایسے مد کو مد متصل کہیں گے۔ اس میں صرف توسط ہے اور اس توسط کی مقدار چار الف، ڈھائی الف، دو الف ہے۔(۱)

مد منفصل : حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو تو اس کو مد منفصل کہیں گے جیسے وَ مَآ اُنْزِلَ ، تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ ، اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہ وغیرہ۔ اس میں بھی صرف توسط ہے اور توسط کی وہ مقداریں جائز ہیں جو مد متصل میں ہیں۔

مد لازم : حرف مد کے بعد سکون اصلی ہو تو ایسے مد کو مد لازم کہتے ہیں۔ جیسے دَآبَّۃ وغیرہ۔ اس میں صرف طول ہے، اور طول کی مقدار تین یا پانچ الف ہے۔

مد عارض : حرف مد کے بعد سکون عارضی ہو تو ایسے مد کو مد عارض کہتے ہیں جیسے تَعْلَمُوْنَ وغیرہ۔ اس مد میں قصر، توسط، طول تینوں وجہیں جائز ہیں لیکن طول اولیٰ ہے(۲)۔

(۱) مد متصل واجب ہے۔ تلاوت میں اس کا ترک' حرام ہے۔ کما نص علیہ فی رد المحتار۔ (فتاویٰ رضویہ: ۳۴۳/۶)

(۲) مد عارض میں طول اولیٰ' قصر ضعیف، اور مد لین عارض میں قصر اولیٰ' طول ضعیف۔ اور طول کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مد عارض میں محل مد حروف مدہ۔ اور لین عارض میں حروف لین ہیں۔ اور چوں کہ حروف مدہ میں مد اصل اور قوی ہے اس لیے پہلے مد کے اعلیٰ درجہ یعنی طول کو اولیٰ قرار دیا گیا ہے، پھر توسط اور پھر قصر کو۔ اور مد لین عارض میں محل مد حروف لین ہیں جن میں مشابہت مدہ کی وجہ سے مد ہوتا ہے اصل کی وجہ سے نہیں، اس لیے قصر اولیٰ ہے، پھر توسط اور پھر طول۔ ۱۲ منہ

مد لین لازم : حرف لین کے بعد سکون لازم ہو تو اس کو مد لین لازم کہتے ہیں جیسے عَیْنْ سورۂ مریم اور سورۂ شوریٰ میں۔

مد لین عارض : حرف لین کے بعد سکونِ عارض ہو تو اس کو مد لین عارض کہیں گے جیسے مِنْ خَوْف ، وَ الصَّیْف وغیرہ۔

ان دونوں مدوں میں قصر، توسط، طول تینوں وجہیں جائز ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ مد لین لازم میں طول اولیٰ ہے اور قصر ضعیف ہے۔ اور مد لین عارض میں قصر اولیٰ ہے طول ضعیف۔

فائدہ : حرف مد کے بعد ہمزہ بوجہ وقف ساکن ہو جائے تو ایسے مد کو مد متصل وقفی کہتے ہیں۔ جیسے یَشَـــاءُ وغیرہ۔ اس میں ہمزہ پر سکون کی وجہ سے طول و توسط دونوں جائز ہیں اور قصر اس وجہ سے جائز نہیں کہ مد متصل کا توسط ادا نہ ہوگا۔ اور یہاں عارض کے توسط سے مد متصل کا توسط ادا کرنا بہتر ہے۔ اسی طرح مد لازم پر وقف ہو مثل وَ لاَ جَـآنّ اور صَـوَآفّ وغیرہ تو اس کو مد لازم وقفی کہیں گے اس میں بھی صرف طول ہی ہوگا توسط اور قصر اس وجہ سے جائز نہیں کہ مد لازم کا طول ادا نہ ہوگا، اور ضعیف کو قوی پر ترجیح لازم آئے گی۔

فائدہ: وجوہِ جائزہ جو کل قرا سے بالاتفاق ثابت اور مقرو ہیں ان سب کا تلاوت میں جمع کرنا یا مقدار میں خلط کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح مد متصل اور مد لازم اور مد منفصل کی مقدار میں کہیں کمی یا بیشی کرنا جائز نہیں، اور نہ خلاف مساوات جائز ہے، جب کہ ایک ہی قسم کے مد ہوں اور اگر مختلف قسم کے مد ہوں تو ضعیف کو قوی پر ترجیح نہ ہونے پائے۔

احکام مدّ یہ تین ہیں : (۱) لازم (۲) واجب (۳) جائز۔

تنبیہ : مذکورہ بالا مدوں کے احکام یہ ہیں کہ مد لازم میں لازم ، مد متصل میں واجب اور بقیہ مدود میں مد کرنا جائز ہے۔

مد فرعی کے تمام اقسام میں قوت وضعف کے اعتبار سے فرق

مدوں کے درمیان قوت وضعف کے اعتبار سے فرق معلوم کرنے کے لیے اولاً یہ تمہید ذہن نشیں کرلیں ـــــ مدفرعی کے لیے محل مد اور سبب مد دونوں کا وجود ضروری ہے جیسا کہ ماسبق میں معلوم ہو چکا۔ محل مد دو ہیں: ایک حروف مدہ، دوسرے حروف لین۔ اس میں حروف مدہ قوی اور حروف لین ضعیف ہیں۔ اور سبب مد بھی دو ہیں: سکون اور ہمزہ۔ ان میں سکون قوی اور ہمزہ ضعیف ہے۔ پھر سکون دو طرح کا ہوتا ہے: لازمی اور عارضی۔ لازمی' قوی اور عارضی' ضعیف ہے۔ اسی طرح ہمزہ بھی کبھی حرف مدہ کے متصل یعنی اسی کلمہ میں ہوتا ہے اور کبھی منفصل یعنی دوسرے کلمہ میں ہوتا ہے، ان میں ہمزۂ متصلہ' قوی اور ہمزۂ منفصلہ' ضعیف ہے۔ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد مدات میں قوی اور ضعیف مدوں کو پہچاننا بالکل آسان ہے۔ پس سب سے قوی مد وہ ہوگا جس میں محل مد اور سبب مد دونوں قوی ہوں اور یہ **مـــــد لازم** کی چاروں قسموں میں ہوگا کیوں کہ ان میں محل مد حروف مدہ ہوتے ہیں جو قوی ہیں اور سبب مد سکون لازمی ہوتا ہے جو سب سے قوی ہے۔ اس کے بعد **مد متصل** کا درجہ ہے کیوں کہ اس میں محل مد قوی اور سبب مد ہمزہ ہے جو سکون سے ضعیف ہے، اس لیے مد لازم سے مد متصل ضعیف ہے۔ (یہاں قارئین کو یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مد عارض میں بھی محل مد قوی اور سبب مد سکون ہے، جو ہمزہ سے قوی ہے، لہٰذا مد متصل سے مد عارض قوی ہونا چاہیے۔ تو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ ہمزہ مطلقاً سکون سے ضعیف نہیں بلکہ سکون لازمی سے ضعیف ہے اور مد عارض میں سبب مد سکون عارضی ہے لہٰذا ہمزہ

متصلہ اس سے قوی سبب ہوگا۔)---اس کے بعد **مد لین لازم** اور اس کے بعد **مد عارض وقفی** اور اس کے بعد **مد منفصل** ۔مد عارض کے مد منفصل سے قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح سکونِ لازمی ہمزۂ متصلہ سے قوی ہے اسی طرح سکون عارضی ہمزۂ منفصلہ سے قوی ہے، اور مد عارض کا سبب مد منفصل سے قوی ہے اور محل مد دونوں کا برابر ہے، لہٰذا مد عارض' مد منفصل سے قوی ہوگا اور سب سے ضعیف **مد لین عارض** ہے کیوں کہ اس میں سبب مد اور محل مد دونوں ضعیف ہیں اس کے علاوہ اور کوئی بھی مد ایسا نہیں جس میں دونوں ضعیف ہوں۔ **اللّٰہ ورسولہ أعلم بالصواب .**

تنبیہ : مد عارض، مد لین لازم، اور مد لین عارض' ان تینوں مدوں میں طول، توسط، قصر تینوں وجہیں جائز ہیں۔طول کی مقدار بہر صورت تین یا پانچ الف ہے، لیکن تینوں کے توسط کی مقدار دو الف ہے، جب کہ مد لازم میں طول کی مقدار تین الف ہے، اور ان تینوں کے توسط کی مقدار تین الف اس وقت ہوگی جب کہ طول میں پانچ الف مد کیا جائے۔

فائدہ : مد لازم کی چار قسمیں ہیں :

(۱) مد لازم کلمی مثقّل (۲) مد لازم کلمی مخفف (۳) مد لازم حرفی مثقل (۴) مد لازم حرفی مخفف۔

(۱) **مد لازم کَلمی مُثَقَّل** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد کلمہ میں سکون لازمی بالتشدید ہو جیسے اَلْحَآقَّۃ وغیرہ۔

(۲) **مد لازم کلمی مُخَفَّف** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد کلمہ میں سکون لازم بالتخفیف ہو جیسے ءٰآلْئٰن یہ صرف دو جگہ سورۂ یونس میں آیا ہے۔

(۳) **مد لازم حَرْفی مُثَقَّل** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد حروف مقطعات میں سکون لازم بالتشدید ہو جیسے الٓمّٓ میں لام پر۔

(۴) **مد لازم حرفی مخفَّف** اس کو کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد حروف مقطعات میں سکون لازم بالتخفیف ہو جیسے نٓ ، صٓ وغیرہ۔

عارض بالحرف کی دوسری قسم 'ادغام'

ادغام کے لغوی معنی 'ادخال الشیئ فی الشیئ 'یعنی ایک چیز کو دوسری چیز میں داخل کر دینا' ہے۔اور اصطلاح میں ادغام کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی جاتی ہے :

خلط حرف ساکن بمتحرک بحیث یصیران حرفاً واحداً مشدّدا و یرتفع اللسان عند ادائھما ارتفاعةً واحدةً .

یعنی حرف ساکن کو حرف متحرک میں اس طرح ملا دینا کہ وہ دونوں مل کر ایک مشدد حرف ہو جائیں اور دونوں کی ادائیگی کے وقت زبان ایک ہی بار کام کرے، یعنی دونوں ایک ہی مخرج سے بلا فصل اَدا ہوں۔

پہلے ساکن حرف کو ''مدغم'' اور دوسرے متحرک حرف کو ''مدغم فیہ'' کہتے ہیں۔

ادغام کے متعلق محل ادغام ، کیفیت ادغام ، شرط ادغام ، علت ادغام ، اور قواعد ادغام کا جاننا ضروری ہے۔

اول محل ادغام' یہ تین ہیں: (۱) مثلین (۲) متجانسین (۳) متقاربین

مثلین : مدغم اور مدغم فیہ ایک ہی حرف ہوں جیسے قُلْ لَّکُمْ وغیرہ۔

متجانسین : مدغم اور مدغم فیہ ایک مخرج کے دو حرف ہوں جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا وغیرہ

متقاربین : مدغم اور مدغم فیہ نہ مثلین ہوں نہ ہی متجانسین جیسے قُلْ رَّبُّکُمْ وغیرہ

دوم کیفیت ادغام' یہ دو ہیں: (۱) ادغام تام (۲) ادغام ناقص۔

ادغام تام : اگر بوقت ادغام مدغم کی صفت باقی نہ رہے تو اس کو ادغام تام کہتے ہیں جیسے مِنۡ رَّبِّہٖ وغیرہ۔

ادغام ناقص : اگر بوقت ادغام مدغم کی صفت باقی رہے تو اس کو ادغام ناقص کہیں گے جیسے مَنۡ یَّقُوۡلُ وغیرہ۔

سوم شرطِ ادغام' یہ تین ہیں: مدغم اور مدغم فیہ کا الگ الگ کلمہ میں مرسوم ہونا، مدغم کا ساکن اور مدغم فیہ کا متحرک ہونا، ساتھ ہی روایت سے ثابت ہونا۔

چہارم علت ادغام' یہ دو ہیں: ایک قرب مخرج، دوسرے اتحاد مخرج۔

پنجم قواعد ادغام' یہ تین ہیں: (۱) نونِ ساکن وتنوین کا ادغام (۲) میم ساکن کا ادغام (۳) لام تعریف کا ادغام۔

نونِ ساکن اور تنوین[1] کا ادغام اس وقت ہوگا جب نونِ ساکنہ یا تنوین کے بعد حروف یـرملون میں سے کوئی بھی حرف آجائے۔ جیسے مـنۡ یَّشـآءُ اور یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ وغیرہ۔

---

(۱) نون ساکن اس کو کہا جاتا ہے کہ جس پر کوئی حرکت نہ ہو۔ یہ لکھا بھی جاتا ہے، پڑھا بھی جاتا ہے۔ وصل ووقف دونوں حالتوں میں ثابت رہتا ہے۔ اسم، فعل، حرف تینوں پر آتا ہے۔ اور وسط وآخر دونوں جگہ واقع ہوتا ہے۔ نون تنوین وہ نونِ ساکن ہے جو اس کے آخر میں لاحق ہوتا اور پڑھا جاتا ہے مگر لکھا نہیں جاتا۔ وصل میں پڑھا جاتا ہے، وقف میں نہیں پڑھا جاتا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نونِ ساکن اور تنوین میں کئی لحاظ سے فرق ہے۔ **اوّل** یہ کہ نونِ تنوین کلمہ کے آخر میں آتا ہے، اور نونِ ساکن وسط اور آخر دونوں جگہ آتا ہے۔ **دوم** یہ کہ نونِ تنوین صرف اسم کے آخر میں آتا ہے اور نونِ ساکن اسم' فعل' حرف تینوں پر آتا ہے۔ **سوم** یہ کہ نونِ تنوین تلفظ میں آتا ہے' رسم میں نہیں آتا اور نونِ ساکن تلفظ اور رسم دونوں میں آتا ہے۔ **چہارم** یہ کہ نونِ تنوین فقط وصل میں پڑھا جاتا ہے' وقف میں نہیں اور نونِ ساکن دونوں حالتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ **پنجم** یہ کہ نون ساکن حروف تہجی میں سے ایک حرف ہے جب کہ نونِ تنوین حرفِ زائد ہے۔ مگر ان پانچ وجوہ سے مختلف ہونے کے باوجود تلفظ واَدا میں چونکہ یہ دونوں متحد ہیں اور قراء ادا ہی سے بحث کرتے ہیں اس وجہ سے دونوں کو ایک ساتھ بیان کر دیا گیا۔ ۱۲ منہ

مگر دُنْیَا، قِنْوَان، صِنْوَان، بُنْیَان [1] میں مذکورہ قاعدہ پائے جانے کے باوجود ادغام نہ ہوگا بلکہ ان میں اظہار مطلق کیا جائے گا۔

فائدہ : یرملون میں سے چار حرف یعنی ینمو میں ادغام بالغنہ ہوگا باقی لام اور را میں ادغام بلاغنہ ہوگا۔ جیسے مِنْ وَّال اور مِنْ لَّدُنْ وغیرہ۔

میم ساکنہ کا ادغام اس وقت ہوگا جب کہ اس کے بعد کوئی دوسری میم آئے جیسے وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ وغیرہ۔

فائدہ : نون میں غنہ میم سے زیادہ ہوتا ہے۔ نون مشدد میں غنہ اقویٰ اور میم مشدد سے اکمل ہے۔ اور نون مخفی کا غنہ میم مخفی سے کامل تر ہوتا ہے۔ آگے شیخ مکی بطورِ نصیحت فرماتے ہیں : **فعليك يا أخي بالحفظ على التفصيل حتى تكون عالما بالتجويد و الترتيل** ۔ (نہایۃ القول المفید:۵۸)

لام تعریف [2] کا ادغام یہ اس وقت ہوگا جب کہ لام تعریف کے بعد **ستزد ضل نظر صثط شذ** کے حرفوں میں سے کوئی حرف آئے۔ جیسے وَالسَّمَاءِ ، اَلرَّحْمٰنُ وغیرہ۔

فائدہ : لام تعریف کے بعد **ابغ حجک وخف عقيمه** میں سے کوئی

(۱) ابھی متن میں آپ نے پڑھا کہ حروف یرملون میں نون کے ادغام کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ نون ساکن اور حروف یرملون دونوں دو کلمہ میں ہوں اور ان کلمات میں نون اور واؤ، یا ایک کلمہ میں ہیں اس لیے ادغام نہ ہوگا، اظہار ہوگا۔ ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ کے مشابہِ مضاعف ہونے کا اندیشہ ہے جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں: **و عندهما للكل اظهر بكلمة ٥ مخافة اشباه المضاعف اثقلا** اور چار الفاظ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ ان کے علاوہ قرآن شریف میں اور کوئی لفظ ایسا نہیں جہاں نون ساکن اور حروفِ یرملون ایک کلمہ میں جمع ہوں۔ ۱۲ منہ

(۲) **لام تعریف** : اس لام کو کہتے ہیں جو کسی اسم نکرہ کو معرفہ بنانے کے لیے لگایا جاتا ہے، مثلاً بلد سے البلد اور شمس سے الشمس وغیرہ۔ ۱۲ منہ

حرف آئے تو لام تعریف کا اظہار[1] ہوگا جیسے اَلْحَآقَّه ، القَارِعَه وغیرہ۔

فائدہ : لام تعریف کا جن حرفوں میں اظہار ہوتا ہے ان کو حروفِ قمریہ کہتے ہیں، یہ چودہ (۱۴) حروف ہیں۔ اور جن حرفوں میں لام تعریف کا ادغام ہوتا ہے ان کو حروف شمسیہ کہتے ہیں یہ بھی چودہ (۱۴) حروف ہیں۔

حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں حرفوں کے مدغم اور مدغم فیہ

ہندوستان میں چونکہ روایت حفص ہی بکثرت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے، اس لیے قرآن مجید میں وقوع کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوا کہ جملہ ۲۹ حرفوں کا ادغام بیان کردیا جائے تاکہ محل ادغام سمجھنے میں آسانی ہو۔ حروف ہجائیہ کی ترتیب سے حسب ذیل مواقع ذکر کیے جاتے ہیں :

الف: یہ حرف قرآن میں نہ مدغم ہے اور نہ مدغم فیہ۔

ب: مماثل میں مدغم ومدغم فیہ ہے جیسے اِذْهَبْ بِّكِتَابِي هٰذَا ۔ مجانس میں مدغم ہے جیسے اِرْكَبْ مَّعَنَا بطریق شاطبی اور بطریق جزری اظہار ہے۔

ت: مماثل میں ہر جگہ مدغم اور مدغم فیہ ہے جیسے فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وغیرہ اور اپنے مجانس میں صرف دال اور طا میں مدغم ہے جیسے اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اور آمَنَتْ طَّائِفَةٌ وغیرہ۔ اور دال' طا کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے قَدْ تَّبَيَّنَ اور فَرَّطْتُّمْ وغیرہ۔ اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالتِّيْنِ وغیرہ۔

ث: اپنے مجانس ذال میں مدغم ہے جیسے يَلْهَثْ ذَّالِكَ بطریق شاطبی یہ صرف ایک جگہ ہے اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَ الثَّمَرٰتِ

---

(۳) اظہار کے لغوی معنی اَلْبَيَان یعنی خوب ظاہر کرنے کے ہیں اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے: اخراج كل حرف من مخرجه من غير تغير كما اقتضىٰ ذاته وصفاته ۔ یعنی حرف کو اس کے مخرج مقررہ سے بغیر کسی تغیر کے ٹھیک اسی طرح ادا کرنا جس طرح اس کی ذات اور صفات لازمہ کا تقاضا ہو۔
(معلم التجويد للمتعلم المستفيد: ص ١٢٤)

وغیرہ، مگر مماثل کی مثال کلام اللہ میں نہیں ہے۔

ج: نہ مدغم اور نہ مدغم فیہ ہے۔

ح: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

خ: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

د: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے قَدْ دَّخَلُوْا۔ مجانس میں تا کا مدغم ہے۔ جیسے لَقَدْ تَّقَطَّعَ وغیرہ۔ اور مدغم فیہ بھی ہوگا جیسے اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمْ۔ اور مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے اَلدَّاعِیُ وغیرہ۔

ذ: اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ذَّهَبَ۔ اپنے مجانس میں ظا کا مدغم ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا اور ثا کا مدغم فیہ ہے جیسے یَلْهَثْ ذّٰلِکَ۔ اور اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے مثل وَالذّٰرِیٰتِ وغیرہ۔

ر: مماثل میں مدغم اور مدغم فیہ ہے مثل وَاذْکُرْ رَّبَّکَ۔ مقارب میں لام تعریف وغیرہ کا مدغم فیہ ہے مثل اَلرَّحْمٰن اور قُلْ رَّبِّ وغیرہ۔ نیز نونِ ساکنہ وتنوین کا مدغم فیہ بھی ہے مثل مِنْ رِّجَالِکُمْ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وغیرہ۔

ز: یہ مماثل ومجانس میں نہ مدغم اور نہ مدغم فیہ ہے۔ البتہ اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلزَّبُوْر وغیرہ۔

س: یہ حرف صرف اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَاَمَّا السَّائِل وغیرہ اپنے مماثل ومجانس میں نہ مدغم ہے نہ مدغم فیہ ہے۔

ش: مجمہ یہ صرف اپنے مقارب ہی میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالشَّجَر وغیرہ

ص: یہ صرف اپنے مقارب میں ہی لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالصّٰٓفّٰتِ وغیرہ

ض: یہ صرف اپنے مقارب میں ہی لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَلَا الضَّآلِّیْن وغیرہ

ط: اپنے مجانس میں صرف تا کا مدغم فیہ ہے جیسے وَقَالَتْ طَّائِفَة اور تا میں مدغم ہے جیسے اَحَطْتُّ وغیرہ۔ اپنے مقارب میں لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے

وَالطَّارِقِ وغیرہ۔

ظ: اپنے مجانس میں صرف ذال کا مدغم فیہ ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا ۔اور اپنے مقارب لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلظّٰلِمِیْن وغیرہ۔

ع: صرف اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ ۔

غ: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

ف: صرف اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے فَلاَ یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ۔

ق: صرف اپنے مقارب میں ایک جگہ مدغم ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ۔

ک: مماثل میں مدغم فیہ ہے جیسے یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ ۔مقارب میں صرف قاف کا مدغم فیہ ہے جیسے اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ۔

ل: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے بَلْ لَّا تُکْرِمُوْن ۔مقارب میں را کا مدغم ہے جیسے قُلْ رَّبِّ ۔اور نون کا مدغم فیہ بھی ہے جیسے اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّاھُوَ۔

م: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے اِرْکَبْ مَّعَنَا ۔اور اپنے مقارب میں نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِنْ مَّارِجٍ اور کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ وغیرہ۔

ن: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ نَّشَآءُ وغیرہ۔اور مقارب میں یرملو کے پانچ حرفوں میں مدغم اور لام تعریف کا مدغم فیہ ہے جیسے وَالنَّاس وغیرہ۔

و: مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے وَعَصَوا وَّ کَانُوْا وغیرہ۔اور مقارب میں صرف نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مِنْ وَّالٍ وغیرہ۔

ہ: اپنے مماثل میں مدغم و مدغم فیہ ہے جیسے مَالِیَہْ ہَّلَکَ وغیرہ۔

ء: نہ مدغم، نہ مدغم فیہ۔

ی: صرف اپنے مقارب میں نون کا مدغم فیہ ہے جیسے مَنْ یَّشَاءُ وغیرہ۔

فائدہ: واوٗ اور یا مدہ کا ادغام امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں کہیں نہیں ہے۔

عارض بالحرف کی تیسری قسم 'اخفا'

اخفا کے لغوی معنی ''اَلسَّتْرُ'' یعنی چھپانے کے ہیں۔اور اِصطلاح میں اِخفا کی تعریف یوں کی گئی ہے :

ھو عبارة عن النطق بحرف ساکن عار عن التشدید علی صفة بین الاظھار والادغام مع بقاء الغنة فی الحرف الاول.

یعنی کسی حرف ساکن کو اظہار وادغام کی درمیانی کیفیت پر اس میں صفت غنہ کو باقی رکھ کر بغیر تشدید کے ادا کرنا۔

اس کی چند صورتیں ہیں : (۱) اخفاے حقیقی (۲) اخفاے شفوی (۳) اخفا مع القلب۔

اخفاء حقیقی : نون ساکن یا نون تنوین کے بعد حرف حلقی، حرف یرملون اور الف و با کے سوا باقی پندرہ حرفوں میں سے کوئی حرف آئے تو وہاں اخفاء مع الغنہ ہوگا، جیسے أنزلنا ، من کان ، کأساً دھاقاً وغیرہ۔(۱)

اخفا کی مثال اُردو میں 'پنکھا'، 'کنواں' وغیرہ سے بآسانی سمجھی جاسکتی ہے۔

اخفاء شفوی : اگر میم ساکن کے بعد با آئے تو اس وقت اخفاء مع الغنہ ہوگا جیسے یَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ وغیرہ۔

فائدہ : اخفا کرتے وقت نونِ ساکن اور تنوین کو پوشیدہ کرتے ہوئے صرف صفت غنہ کو ظاہر کرنا یہ اخفاء تام ہے، اور اگر میم ساکن کو ضعیف کیا اور صفت غنہ میم میں مزید ادا یہ اخفاء ناقص ہے۔

---

(۱) ان حرفوں میں اخفا کا سبب یہ ہے کہ ان حروف کے مخارج نون کے مخرج سے نہ تو اتنے قریب ہیں کہ ادغام ہوسکتا اور نہ حروف حلقی کی طرح اتنے دور ہیں کہ اظہار ہوسکتا تو جب نہ وہ قرب رہا جو موجب ادغام ہے اور نہ وہ بعد رہا جو موجب اظہار ہے تو ان کو وہ حکم دیا گیا جو ان دونوں کے درمیان ہے اور وہ اخفا ہے۔

عارض بالحرف کی چوتھی قسم اخفاء مع القلب (یعنی اقلاب)

اقلاب کے لغوی معنیٰ ''تحویل الشی عن وجهه''یعنی کسی چیز کواس کی حقیقت سے پھیر دینے کے ہیں۔اوراصطلاح میں اقلاب کی تعریف یہ ہے :

هو جعل حرف مكان حرفٍ آخر مع مراعاة الغنة .

یعنی صفت غنہ کو باقی رکھ کرایک حرف کودوسرے حرف کی جگہ رکھ دینا یعنی اس سے بدل دینا۔

نون ساکنہ یا تنوین کے بعدحرف (ب) آئے تو نون اورتنوین کومیم سے بدل کراخفاء مع الغنہ کیا جائے گا جیسے مِنْۢ بَعْدِهَا ، اَمْوَاتاًۢ بَلْ اَحْيَاء وغیرہ اس کو اقلاب بھی کہتے ہیں۔

عارض بالحرف کی پانچویں قسم 'تسہیل'

تسہیل کے لغوی معنی ہیں آسان کرنا اوراصطلاح میں تسہیل سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو نہ تو ایسی سختی کے ساتھ ادا کیا جائے جو اس کے لیے بوجہ جہروشدت ضروری ہے، اورنہ ہی اتنا نرم ادا کیا جائے کہ وہ الف سے بالکل بدل ہی جائے بلکہ ان دونوں کیفیتوں کے درمیان اس طرح ادا کیا جائے کہ نرم تو ہولیکن اس کی ماہیت نہ بدلے،بس اسی کوتسہیل کہتے ہیں۔

سیدنا امام حفص علیہ الرحمہ کے نزدیک تمام کلام اللہ میں جہاں دوہمزہ جمع ہوں خواہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں یا دوکلموں میں، دونوں کی حرکات متفق ہوں یا مختلف سب صورتوں میں دونوں کو بالتحقیق یعنی جھٹکے کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ تسہیل کے معنی ہمزۂ ثانیہ کونرم کرکے پڑھنا۔

تسہیل کی بلحاظ کیفیت دو قسمیں ہیں۔(۱) بین بین قریب (۲) بین بین بعید

چونکہ تمام کلام اللہ میں قراء کے نزدیک بین بین بعید ثابت اور مروی نہیں اس لیے اس کے بیان کی ضرورت نہیں البتہ بین بین قریب محتاج بیان ہے۔ بین بین قریب امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک صرف ایک جگہ اپنے اصول کے خلاف کلمہ ءَ اَعْجَمِیٌّ [1] سورۂ حم سجدہ میں ہے اس میں ہمزۂ ثانیہ کو اس طرح نرم اور آسانی سے ادا کریں کہ ہمزہ میں جھٹکا نہ ہو۔ یعنی ہمزۂ ثانیہ الف سے مخلوط ادا ہو۔ یہ تسہیل روایتاً ضروری ہے، ورنہ ترک روایت لازم آئے گا۔

اسی طرح تین کلمات اور ہیں جہاں تسہیل کا قاعدہ جاری ہوگا۔ ءٰالذکرین سورۂ انعام میں دو جگہ اور سورۂ یونس میں لفظ ءٰالْئٰنَ اور سورۂ یونس میں ہی لفظ ءٰاللّٰہ اور یہی لفظ سورۂ نمل میں بھی واقع ہے۔ان کلمات ثلاثہ میں تسہیل ہوگی مگر تسہیل سے ابدال بہتر ومختار ہے۔ چونکہ اس جگہ پہلا ہمزہ استفہام کا ہے، یہ اصلی ہے اور ثانی ہمزہ وصلی ہے اور دونوں ہمزہ متفق الحرکت ہیں تو ضرورت تھی حذف کی مگر یہاں حذف کی صورت میں اصلی اور وصلی میں التباس کا خوف پیدا ہوا لہٰذا ہمزہ وصلی میں تغیر ہوا۔

یہاں تغیر کی دو صورتیں ہیں: (۱) صورتِ تسہیل (۲) صورتِ ابدال۔اس جگہ تسہیل سے بہتر ومختار ابدال اس لیے ہے کہ تسہیل میں ہمزہ مغیرہ ناقص ادا ہوتا ہے، اور ابدال میں تغیر کامل ہوجاتا ہے۔

---

(۱) خاص اس لفظ میں تسہیل کی وجہ یہ ہے کہ یہاں تین حروف حلقی جمع ہو رہے ہیں جو زبان پر کچھ ثقیل ہیں، لہٰذا اس ثقالت کو دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ رفع کیا گیا ہے۔ یہ نکات بعد الوقوع ہوتے ہیں ورنہ اصل وجہ اتباعِ روایت ہے۔ ۱۲ منہ

عارض بالحرف کی چھٹی قسم 'اشمام'

یہ صرف سورۂ یوسف میں لفظ لَا تَـاْمَـنَّا کے پہلے نون میں ہے،اس کے علاوہ امام حفص علیہ الرحمہ کی روایت میں اشمام مع الادغام اور اظہار مع الروم جائز نہیں، کیوں کہ وصل خود ہی اظہار حرکت کو لازم ہے۔

یہ لفظ دراصل لَا تَاْمَنُ نَا تھا۔نون اول مضموم کو ساکن کر کے نون ثانی میں ادغام کر دیا اب یہ لفظ رسماً موصول ہے اس میں محض اظہار اور محض ادغام جائز نہیں بلکہ ادغام کے ساتھ اشمام اور اظہار کی حالت میں روم کرنا ضروری ہے۔

اس لفظ میں اصطلاحاً نہ ادغام کبیر ہے اور نہ ہی ادغام صغیر۔کیوں کہ مدغم اور مدغم فیہ الگ الگ مرسوم نہیں اور دراصل پہلا حرف ساکن بھی نہیں،اسی وجہ سے اس میں خالص اظہار بھی درست نہیں بلکہ جو اظہار حرکت ثابت ہے وہ کامل حرکت بھی نہیں،وہ محض روم کی وجہ سے ہے اس لیے مجازاً اظہار کہہ سکتے ہیں اور ادغام بھی یہاں مجازاً ہے۔

عارض بالحرف کی ساتویں قسم 'روم'

یہ بھی صرف لفظ لَا تَـاْمَـنَّا کے نون اول میں بحالت اظہار ہے،اس کا بیان اوپر ابھی گزرا۔

عارض بالحرف کی آٹھویں قسم ’صورتِ نقل‘

یعنی ہمزۂ وصلی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دے دینا اور ہمزہ کو حذف کر دینا جیسے اِنِ ارْتَبْتُمْ، مِنَ اللّٰہِ ، اَمِ ارْتَابُوْا، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ(۱) وغیرہ۔

یہ صورت بمعنیٰ مثل ہے یعنی جس طرح ورش علیہ الرحمہ کی روایت میں ہمزۂ اصلی وقطعی کی حرکت نقل کر کے ماقبل کے حرف ساکن کو دے کر ہمزہ حذف کر دیتے ہیں اسی کے مثل ہمزۂ وصلی کی حرکت بھی نقل کر کے ماقبل کے ساکن کو دے دیں گے، اور ہمزہ حذف ہو جائے گا اسی کو صورتِ نقل کہتے ہیں۔ چوں کہ نقل عارض بالحرف ہے اس لیے صورتِ نقل بھی عارض بالحرف ہے۔

تنبیہ : ہمزۂ وصلی کی حرکت ماقبل کے حرفِ ساکن کے مخالف ہو تو اس کو صورتِ نقل نہیں کہیں گے جیسے قُلِ ادْعُوا اللّٰہ وغیرہ۔

(۱) اس کلمہ کا یہ تلفظ بحالت وصل ہے۔ اور اگر بئس پر وقف کر کے مابعد سے ابتدا کی جائے تو پھر لام تعریف سے قبل جو ہمزہ ہے اس کا حذف واثبات دونوں درست ہے۔ باقی رکھنا تو اس لیے درست ہے کہ ابتدا ہو رہی ہے اور ابتدا میں ہمزۂ وصلی پڑھا جاتا ہے۔ اور حذف کرنا اس لیے درست ہے کہ ہمزہ وصلی اس وجہ سے زائد کیا جاتا ہے کہ اس کا مابعد ساکن ہوتا ہے اور حرف ساکن سے ابتدا متعذر ہوتی ہے، اور چوں کہ ہمزہ وصلی کا مابعد اجتماع ساکنین علی غیر حدہٖ کی وجہ سے متحرک ہو گیا ہے اور ہمزہ وصلی کو زائد کرنے کی مجبوری باقی نہیں رہی، لہٰذا حذف کرنا بھی جائز ہے۔ اور ہر ہمزہ وصلی جس کا مابعد کسی وجہ سے متحرک ہو جائے ابتدا کی حالت میں اس کا یہی حکم ہے۔ ۱۲ منہ

عارض بالحرف کی نویں قسم 'سکون'

سکون 'سلب حرکت' یعنی حرکت کے نہ ہونے کو کہتے ہیں۔ جس کی علامت [ْ] ہے۔ چوں کہ حروف پر سکون و حرکات فی نفسہٖ عارض ہیں اس لیے یہ دونوں عارض بالحرف ہیں۔

سکون بلحاظ مرکب کلمات دو طرح پر واقع ہوگا: (۱) لازم (۲) عارض۔ سکون لازم کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) سکون مخفف (۲) سکون مشدّد۔ اسی طرح سکونِ عارض کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) عارض بالوقف (۲) عارض بالادغام۔

حرف ساکن کے ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جماؤ کے ساتھ اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کی آواز مخرج میں رُک جائے اور ہلنے نہ پائے اور پھر بغیر فصل کے دوسرا حرف ادا ہو کیوں کہ آواز کے ہلنے سے اس میں حرکت کا کچھ اثر آ جاتا ہے۔ لہٰذا سکون کی ادا میں خاص خیال رکھنا چاہیے ورنہ لحن جلی ہو جائے گا۔

عارض بالحرف کی دسویں قسم حرکات

حرکت کے لغوی معنی ہلنے کے ہیں اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ وہ آواز جو قصداً کسی حرف پر زائد کی جائے اس کو حرکت کہیں گے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) حرکت اصلی (۲) حرکت عارضی۔

حرکت عارضی بھی دو طرح پر واقع ہوگی: اول حرکت عارضی للابتداء جیسے اِرْجِعُوْا وغیرہ۔ دوسرے حرکت عارضی لاجتماع الساکنین جیسے مِنَ اللّٰہِ وغیرہ۔

حرکت اصلی یہ تین ہیں: فتحہ ، ضمہ ، کسرہ۔ بلحاظ ادا حرکت کی دو قسمیں ہیں: (۱) حرکت اصلی (۲) حرکت فرعی ۔ حرکت فرعی دو ہیں: (۱) فتحہ ممالہ (۲) کسرہ مشمّہ ۔ اور حرکت اصلی بلحاظ کیفیت تین طرح پر واقع ہوگی ۔ اکمال حرکت، اختلاسِ حرکت، روم حرکت ۔

تنبیہ : روایت حفص رحمۃ اللہ علیہ میں اختلاس حرکت اور کسرہ مشمّہ جائز نہیں۔

فائدہ : حرکت اصلی وہ ہے کہ جس میں کسی دوسری حرکت کا اختلاط نہ ہو اور حرکت فرعی وہ ہے جو اصلیہ ہی کے اختلاط سے متفرع ہو۔

حرکت کی باعتبار تلفظ دو قسمیں ہیں: (۱) معروف (۲) مجہول ۔ اور ان کا حکم یہ ہے کہ قرآن مجید میں بلکہ تمام عربی کتابوں اور عربی بول چال میں حرکت معروف ہی ادا کی جاتی ہے۔ مجہول حرکت غیر عربی زبانوں میں مستعمل ہے۔ عربی میں اس کا استعمال قطعاً نہیں ہوتا۔

حرکت معروف اور مجہول میں لفظی طور پر امتیاز اور فرق تو استاد کی زبانی سننے سے ہی معلوم ہوسکتا ہے، البتہ بطور علامت اور پہچان اتنی بات ذہن نشیں کرلیں کہ حرکت معروف وہ ہے کہ جس کے کھینچنے سے واؤ معروف اور یائے معروف پیدا ہو اور اگر پیش اور زیر کو اس طرح ادا کیا جائے کہ اس کے کھینچنے سے واؤ اور یا مجہول پیدا ہو تو وہ ضمہ اور کسرہ مجہول کہلائے گا۔ اور اردو و فارسی میں مجہول بھی ہیں اور معروف بھی ۔ چنانچہ لفظ 'نور' اور لفظ 'جمیل' کی واؤ یا تو معروف ہیں اور لفظ 'مور' اور لفظ 'درویش' کی واؤ یا مجہول ۔ اور چوں کہ ایک زبر نصف الف، ایک پیش نصف واؤ، اور ایک زیر نصف یا ہوتا ہے اس لیے جس طرح یہ حروف معروف پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح ان حرکتوں کو بھی معروف ہی پڑھنا چاہیے تاکہ قرآن کا لفظی حسن اور جمالِ ادا باقی رہے۔

حرکات کی ادائگی کا طریقہ

فتحہ' زبر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منہ اور آواز کھول کر ادا ہوتی ہے۔ جیسے بَ۔
کسرہ' زیر کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت منھ اور آواز کو نیچے گرا کر ادا ہوتی ہے جیسے بِ
ضمہ' پیش کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت ہونٹوں کو گول کر کے ناتمام ملانے سے ادا ہوتی ہے جیسے بُ۔

زبر، زیر، پیش تینوں حرکتوں کو بڑے اہتمام سے ادا کرنا چاہیے ورنہ حرکات میں خلط ملط ہونے سے بسا اوقات لحن جلی لازم آتا ہے۔ میزانِ حرکات ثلاثہ کو اشباع سے بھی بچانا چاہیے ورنہ زبر کو بڑھانے سے الف اور زیر کو بڑھانے سے یا مدہ اور پیش کو بڑھانے سے واوٗ مدہ پیدا ہو جائے گا۔ ہر حرکت کا اپنی دونوں مقابل حرکات میں مشابہ ہونا ممکن ہے۔ حرکات کے صحیح ادا کرنے کا طریقہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

فائدہ : جب زبر کے بعد الف، زیر کے بعد یا ساکنہ اور پیش کے بعد واوٗ ساکن غیر مشدد ہو، تو اس وقت ان حرکات کو اشباع یعنی کھینچ کر ادا کرنا چاہیے ورنہ لحن جلی لازم آئے گا۔

فائدہ : لفظ مَجْرٖىهَا جو سورۂ ہود (علیہ السلام) میں ہے، خاص اسی لفظ میں امام حفص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک امالہ ثابت ہے، اس کے فتحہ کو کسرہ کی جانب اور الف کو یا کی طرف مائل کر کے پڑھا جائے، گویا نہ خالص کسرہ، نہ خالص فتحہ، نہ ہی خالص الف اور نہ ہی خالص یا مقرو ہو گی بلکہ بین بین حروف ادا ہوں گے اسی وجہ سے یہ الف وفتحہ حرفِ فرعی اور حرکت فرعی ہیں۔

مَعرِفۃ الوقوف

دوسرا باب ......فصل اوّل

علم وقف کی ضرورت و اَھمیت

انسان کسی حالت میں سانس کی آمد و رفت کو روک نہیں سکتا؛ اس لیے ضرور ہے کہ کسی طویل عبارت کو پڑھتے وقت سانس کئی بار ٹوٹ جائے، ان سکتاتِ تنفس کے لیے ضروری ہے کہ وہ بے موقع نہ ہوں؛ ورنہ عبارت کا سلسلۂ اِتصال ٹوٹ جائے گا اور اکثر عبارتوں کا سمجھنا مشکل ہو جائے گا۔ علماے اِسلام نے اسی غرض کے لیے 'علم الوقف والابتدا' وضع کیا اور قرآن کریم میں جابجا علاماتِ وقف کے نشان لگائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن میں کہاں وقف کرنا یعنی ٹھہرنا چاہیے اور کہاں سانس توڑ کر دوسری آیت سے تلاوت کی ابتدا کرنی چاہیے۔ یہ فن گو علم التجوید اور علم القراءۃ کا ایک جز ہے؛ لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر قراے کرام نے اس کو مستقل فن قرار دیا ہے؛ اور اس میں منفرد و مخصوص کتابیں تصنیف کی ہیں۔

معرفت وقف کی اہمیت کا اندازہ اور اس علم کی ضرورت کا احساس کرنے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ جس طرح دلائل شرعیہ یعنی قرآن و حدیث اور اجماع امت سے قرآن مجید کا تجوید و ترتیل کے ساتھ پڑھنا واجب اور ضروری ہے، اسی طرح معرفۃ الوقوف یعنی قرآنی اوقاف کا پہچاننا اور دورانِ تلاوت حسن وقف و ابتدا کی رعایت رکھنا اور اس کا تعمُّد کے ساتھ اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح تجوید کے ذریعہ حروفِ قرآنیہ کی تصحیح ہوتی ہے اسی طرح معرفۃ الوقوف کے ذریعہ معانی قرآن کی تفہیم ہوتی ہے۔

محققِ فن علامہ جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''مقدمۂ جزریہ'' میں فرماتے ہیں :

و بعد تجویدک للحروف لا بد من معرفۃ الوقوف

یعنی حرفوں کی عمدگی کے ساتھ ادائیگی کا طریقہ جان لینے کے بعد وقف کی معرفت حاصل کرنا بھی از حد ضروری ہے۔

جاننا چاہیے کہ روایت حفص علیہ الرحمہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے تین علموں کا جاننا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ **اول** : تجوید ، **دوم** : وقف ، **سوم** : مصاحف عثمانیہ کا رسم۔

تجوید کا بیان قبل ازیں آپ تفصیل سے پڑھ آئے ہیں۔ اب یہاں سے وقف اور متعلقاتِ وقف کا بیان ہوگا۔

وقف' آخر کلمہ غیر موصولہ پر سانس اور آواز توڑ کر ٹھہرنے کو کہتے ہیں چوں کہ کوئی شخص بلا سانس لیے قرآن کریم کی مسلسل تلاوت نہیں کرسکتا۔ جب تنفس کی غرض سے درمیان میں ٹھہرنا اور رُکنا ثابت ہوگیا تو ایسے قاری کے لیے لازم ہے کہ ایسی جگہ ٹھہرے جس سے کلام الٰہی میں حسن نظم باقی رہے اور مفہوم و معنی برقرار رہیں اور ٹھہرنے میں ایہام معنی غیر مراد لازم نہ آئے۔ نیز کلام کا حسن اور اس کی خوبی اسی وقت ظاہر ہوگی جب صحیح جگہوں پر وقف کیا جائے اور اگر بغیر رعایت معنی وقف کیا گیا تو بعض صورتوں میں وقف کرنے سے نہ صرف کلام کا حسن غارت ہوجاتا ہے بلکہ ایسے معنی پیدا ہوجاتے ہیں کہ جن کا اعتقاد گناہ یا کفر کا موجب ہوتا ہے مثلاً سورۂ ابراہیم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول ' فَمَنْ تَبِعَنِی فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ ' پر اگر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہوگا ''پس جس نے میری اتباع کی بیشک وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی'' تو اس صورت میں نافرمانی کرنے والے کا بھی پیروانِ حضرت ابراہیم میں سے ہونے کا ایہام ہوگا حالانکہ یہ بالکل خلافِ مراد

ہے۔اس لیے وقف یا تو منی پر کرنا چاہیے یا ختم آیت پر یعنی غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ پر۔ہاں! اضطراراً وقف ہو جائے تو فوراً اِعادہ کرے۔اس سے معلوم ہوا کہ معرفت وقوف بھی تلاوت قرآن میں ضروری ہے، مگر افسوس کہ آج کل اس سے بالکل بے توجہی برتی جارہی ہے۔

ذیل میں اختصار کے ساتھ وہ احادیث اور اقوال تحریر کیے جارہے ہیں جن سے وقف [1] کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔اس سلسلہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے آیت کریمہ " وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا " کی تفسیر 'تجوید الحروف و معرفة الوقوف' سے فرمائی ہے۔یعنی آپ نے ترتیل کے دو جز بیان فرمائے ہیں: تجوید حروف اور معرفت وقوف۔اور چونکہ بغیر جز کے شے نامکمل رہتی ہے اس لیے تکمیل ترتیل کے لیے معرفت وقوف نہایت ضروری ہے۔

گو قراءت میں اصل' وصل یعنی مسلسل پڑھنا ہی ہے مگر وقف' عارض ہونے کے باعث ناگزیر ہے، اس لیے وقف کے قواعد و مواقع کا جاننا بھی ضروری ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ اس کے حلال وحرام، اَمر وزَجر، اور محل وقوف کی ہمیں تعلیم فرماتے تھے۔یہ حدیث نقل کرنے کے بعد ملا علی قاری 'المنح الفکریة' میں فرماتے ہیں :

(۱) یاد رہے کہ وقف اپنی ذات میں وجوب وحرمت سے متصف ہے اور نہ ہی قرآن کریم میں کوئی ایسا وقف واجب ہے جس کے ترک سے قاری گنہ گار ہو اور نہ کوئی وقف حرام ہے جس کے کرنے سے گنہ گار ٹھہرے؛ ہاں وقف وجوب وحرمت سے بایں طور متصف ہوتا ہے کہ اس کی عدم رعایت مقتضی تحریم ہوتی ہے؛ جیسے کوئی قصداً مَا مِنْ اِلٰہ پر وقف کردے۔ظاہر ہے اس صورت میں اگر معنی کا قصد ہے تو یہ کفر ہے۔ (التبیین:۴۶۱)

قال الناظم ففي كلام علي رضي اللّٰه تعالیٰ عنه دليل على وجوب تعلّمه ومعرفته و في كلام ابن عمر رضى اللّٰه عنهما برهان على ان تعلّمه إجماع من الصحابة رضى اللّٰه عنهم .

ناظم نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تحصیل وقف ومعرفت وقف کے واجب ہونے پر دلیل ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول یہ دلیل فراہم کررہا ہے کہ علم وقف کا سیکھنا اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔

نیز ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص حاضر ہوئے، ایک نے خدا ورسول پر ایمان کی شہادت دی اور کہا : **من يطع اللّٰه و رسوله فقد رشد و من يعصهما** اور یہاں پر وقف کردیا تو سرکار نے اس خطیب سے فرمایا: **قم بئس خطيب القوم أنت** یعنی اُٹھ جا، قوم کا تو کیا ہی براخطیب ہے۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ **و من يعصهما فقد غوىٰ**۔ (منارالہدیٰ فی الوقف والابتداء: ص۱۴۔المنح الفکریہ: ص۶۱)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہاں وقف کرنا کس قدر شاق گزرا۔ چاہیے یہ تھا کہ **فقد رشد** پر یا پھر **غوىٰ** پر وقف کیا جاتا کیوں کہ **يعصهما** پر وقف کرنے سے یہ معنی ہوجاتے ہیں کہ جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی وہ ہدایت یافتہ ہے، حالانکہ معنی مراد یہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ خطیب کے غلط جگہ وقف کرنے پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عتاب فرمایا کیوں کہ اگر وہ دونوں فقرے ایک سانس میں نہیں ادا کرسکا تو اسے **فقد رشد** پر وقف کردینا تھا پھر دوسری سانس میں اگلا جملہ کہتا، لیکن اس طرح وقف کی بے اعتدالی نہایت ناگوار اور ذوقِ سلیم پر بار گزرتی ہے تو کلام اللہ جو کہ ملک الکلام ہے اس میں یہ بے اعتدالیاں کیوں کر روا رکھی جاسکتی ہیں۔

اس قسم کے بےمحل اوقاف سے بچنا نہایت ضروری ہے۔حالانکہ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اُس خطیب کا مقصد خیر ہی تھا، شر نہیں تھا، مگر بے جا وقف کردینے سے بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وقوف قرآن کی منزلیں ہیں۔

محقق جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ان آثار سے معرفت وقوف کا وجوب اور اس پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ثابت ہوتا ہے۔اسی وجہ سے ائمۂ کرام یعنی امام نافع، امام ابوعَمرو بصری، امام عاصم کوفی اور یعقوب حضرمی وغیرہم سے متواتراً منقول ہے کہ یہ نفوس قدسیہ وقوف کی تعلیم پر خاص توجہ فرماتی تھیں، نیز ان حضرات اور بعض ائمۂ متاخرین نے اپنے تلامذہ سے اس فن کے اصول وقواعد پر سختی سے عمل کروایا، اور بعد میں آنے والے اساتذۂ کرام کے لیے یہ شرط لگائی کہ وہ اپنے شاگردوں کو اس وقت تک اجازت وسند نہ دیں تاوقتیکہ وہ وقف وابتداء اور متعلقات وقف کے ماہر نہ ہوجائیں۔

وقف کی کیفیتوں کی بحثیں تو کتب تجوید میں مفصل طور پر اور کتب قراءت میں اجمالا ہوتی ہی ہیں، البتہ وقف وابتدا کی بحث بقدرضرورت ضمنی طور پر لائی جاتی ہے۔ ذیل میں صرف ان تالیفات وتصنیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا موضوع صرف وقف وابتدا ہے۔

اس تفصیلی فہرست سے ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ شائقین فن اس علم کی تحصیل کے لیے اپنے سمند شوق کو مہمیز کرلیں اور یہ جان لیں کہ عہد صحابہ سے لے کر ہر دور میں اس علم وفن کا کیا مرتبہ ومقام اور کتنا اعتناواہتمام رہاہے۔ان تالیفات میں بعض ضخیم ومفصل، بعض متوسط اور بعض مختصر ہیں :

اسمائے کتب	اسمائے مصنّفین	سال وفات
کتاب الوقف والابتداء	ضرار بن صرف مقری کوفی	[م۱۲۹ھ]
کتاب الوقوف	شیبہ بن نصاح مدنی کوفی	[م۱۳۰ھ]
کتاب الوقف والابتداء	امام ابوعمرو بصری	[م۱۵۴ھ]
الوقف والابتداء	امام حمزہ زیات کوفی	[م۱۵۶ھ]
وقف التمام	امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنی	[م۱۶۹ھ]
الوقف والابتداء مفصل	محمد بن سارہ کوفی رؤاسی	[م۱۷۰ھ]
الوقف والابتداء مجمل	محمد بن سارہ کوفی رؤاسی	[م۱۷۰ھ]
الوقف والابتداء	امام ابوالحسن کسائی کوفی	[م۱۸۹ھ]
الوقف والابتداء	ابومحمد یحییٰ بن مبارک تمیمی	[م۲۰۲ھ]
وقف التمام	امام یعقوب بن اسحاق بصری	[م۲۰۵ھ]
الوقف والابتداء	یحییٰ بن زیاد بن عبداللہ	[م۲۰۷ھ]
الوقف والابتداء	معمر بن مثنی ابوعبیدہ	[م۲۱۰ھ]
وقف التمام	سعید بن مسعدہ بصری	[م۲۱۵ھ]
وقف التمام	عیسیٰ بن میناء قالون	[م۲۲۰ھ]
الوقف والابتداء	امام خلف بن ہشام اسدی	
الوقف والابتداء	محمد بن سعدان کوفی	[م۲۳۱ھ]
وقف التام	روح بن عبدالمومن ہذلی	[م۲۳۷ھ]
الوقف والابتداء	عبداللہ بن مبارک بغدادی	[م۲۳۷ھ]
الوقف والابتداء	ابوعمر حفص بن عمر اصبہانی	[م۲۴۰ھ]
وقف التمام	نصیر بن یوسف رازی بغدادی	[م۲۴۰ھ]
الوقف والابتداء	ہشام بن عمار سلمی دمشقی	[م۲۴۵ھ]
الوقف	فضل بن محمد انصاری	[م۲۵۰ھ]

الوقف والابتداء	محمد بن عیسیٰ بن ابراہیم	[م ۲۵۳ھ]
المقاطع والمبادی	سہل بن محمد سجستانی بصری	[م ۲۵۵ھ]
الوقف والابتداء	ابن ابوالدنیا عبداللہ بن محمد	[م ۲۸۱ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن داؤد دینوی	[م ۲۸۲ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن عثمان شیبانی بغدادی	[م ۲۸۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن یحییٰ بن یزید شیبانی	[م ۲۹۱ھ]
الوقف والابتداء	سلیمان بن یحییٰ بن ایوب ضبی	[م ۲۹۱ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن احمد بن محمد کیسان	[م ۲۹۹ھ]
الوقف والابتداء	ابراہیم بن السری بن سہل	[م ۳۱۱ھ]
الایضاح فی الوقف والابتداء	محمد بن القاسم الانباری	[م ۳۲۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن موسیٰ بن العباس	[م ۳۳۴ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن محمد بن عباد مکی	[م ۳۳۴ھ]
القطع والائتناف	احمد بن محمد بن اسماعیل مصری	[م ۳۳۸ھ]
الوقف والابتداء	احمد بن محمد بن اوس	
کتاب الوقوف	احمد بن کامل بغدادی	[م ۳۵۰ھ]
الوقف والابتداء	محمد بن الحسن بغدادی	[م ۳۵۴ھ]
الوقف والابتداء	الحسن بن عبداللہ بغدادی	[م ۳۶۸ھ]
الوقف والابتداء	عثمان بن جنی موصلی	[م ۳۹۲ھ]
وقوف النبی ﷺ فی القرآن	محمد بن عیسیٰ اندلسی	[م ۴۰۰ھ]
الابانۃ فی الوقف والابتداء	محمد بن جعفر خزاعی جرجانی	[م ۴۰۸ھ]
الہدایۃ فی الوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]
الوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]
الوقف علیٰ کلا وبلی	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]
الہدایۃ فی الوقف علی کلا	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]

شرح التمام والوقف	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]
شرح اختلاف العلماء فی الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: یدعوا لمن ضرہ اقرب من نفعه		[م ۴۳۷ھ]
منع الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: ان اردنا الا الحسنی		[م ۴۳۷ھ]
شرح معنی الوقف علیٰ قولہ تعالیٰ: لایحزنک قولهم		[م ۴۳۷ھ]
الوقف التام	مکی بن ابی طالب قیسی اندلسی	[م ۴۳۷ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	عثمان بن سعید الدانی	[م ۴۴۴ھ]
المکتفیٰ فی الوقف والابتداء	عثمان بن سعید الدانی	[م ۴۴۴ھ]
الوقف علیٰ کلا وبلی	عثمان بن سعید الدانی	[م ۴۴۴ھ]
المرشد فی معنی الوقف	الحسن بن علی بن سعید عمانی قریبا	[م ۵۰۰ھ]
المغنی فی معرفة وقوف القرآن	الحسن بن علی بن سعید عمانی قریبا	[م ۵۰۰ھ]
الوقف والابتداء	علی بن احمد بن الحسن نیساپوری	[م ۵۱۲ھ]
الابانة فی الوقف والابتداء	ابوالفضل الخزاعی	[م ۵۲۰ھ]
الوقف والابتداء	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	[م ۵۳۲ھ]
نظام الاداء فی الوقف والابتداء	عبدالعزیز بن علی بسماتی اندلسی	[م ۵۶۰ھ]
الایضاح فی الوقف والابتداء	محمد بن طیفور غزنوی سجاوندی	[م ۵۶۰ھ]
وقف القرآن	محمد بن طیفور غزنوی سجاوندی	[م ۵۶۰ھ]
الہادی الیٰ معرفة المقاطع والمبادی	الحسن بن احمد الحسن الہمذانی	[م ۵۶۹ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	عیسیٰ بن عبدالعزیز التمیمی الاسکندری	[م ۶۲۹ھ]
علم الاہتداء فی معرفة الوقف الابتداء	الامام علم الدین السخاوی	[م ۶۴۳ھ]
التنبیهات علی معرفة ما تخفیٰ من الوقوفات	عبدالسلام بن علی الزواوی	[م ۶۸۱ھ]
الاقتضاء اوالاقتداء فی معرفة الوقف والابتداء	معین الدین عبداللہ النکزاوی	[م ۶۸۳ھ]
وصف الاہتداء فی الوقف والابتداء	ابراہیم بن عمر الجعبری	[م ۷۳۲ھ]
علم الاہتداء فی معرفة الوقف والابتداء	ابوعبداللہ محمد بن محمد ہمام	[م ۷۴۵ھ]
الاہتداء فی الوقف والابتداء	محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری	[م ۸۳۳ھ]
تعلیق علی وصف الاہتداء فی الوقف والابتداء للجعبری	محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری	[م ۸۳۳ھ]

لحظۃ الطرف فی معرفۃ الوقف	ابراہیم بن موسیٰ کرکی	[م۸۵۳ھ]
المقصد لتلخیص مافی المرشد	شیخ الاسلام زکریا انصاری مصری	
تحفۃ العرفان فی بیان اوقاف القرآن	احمد بن مصطفےٰ کبریٰ زادہ	[م۹۶۸ھ]
منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	احمد بن محمد عبدالکریم اشمونی	
اوائل الندیٰ المختصر من منار الہدیٰ فی بیان الوقف والابتداء	عبداللہ بن مسعود مصری	[م۱۱۴۷ھ]
کنوز الطاف البرہان فی رموز اوقاف القرآن	محمد بن صادق الہندی	[م۱۲۹۰ھ]
تحفۃ من ارادالاہتداء فی معرفۃ الوقف والابتداء	حسین الجوہری	

قادرِ مطلق پروردگار ہی کو صحیح علم ہے کہ علمِ وقف و اِبتداء کے موضوع پر کس نے کتنا کام کیا ہے۔ زیرِ نظر فہرست صرف ان ائمہ فن، علماے اوقاف اور قراے کرام کی ہے جن کی تالیفات کا ہمیں علم ہو سکا۔ بہر حال اس تفصیل سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ ہر دور میں علما و قراء نے اس فن سے خصوصی اعتناء برتا ہے، اس کے اہتمام میں سعی تمام فرمائی ہے۔ اور اسے برتنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں فرمایا ہے۔

وقف کی لغوی تعریف : وقف کا لغوی معنی یہ ہے کہ الکف عن الفعل و القول کسی کام کے کرنے یا کسی بات کے کہنے سے رُک جانا۔

وقف کی اصطلاحی تعریف : وقف کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:

هو قطع الصوت مع النفس و اسكان المتحرك إن كان متحركا .

یعنی (کلمہ کے آخر پر) آواز اور سانس کو بند کر دینا اور اگر حرفِ موقوف علیہ متحرک ہو تو اس کو ساکن کر دینا۔

وقف کا موضوع : کلمہ اور کلام ہے۔ اس لیے کہ کیفیت وقف کی حیثیت سے یہ آخر کلمہ سے متعلق ہوتا ہے، اور بحیثیت محل وقف اس کا تعلق کلام سے ہوتا ہے۔

وقف کی غرض و غایت : صحت وقف اور وضاحت کلام ہے۔

فصل دوم

وقف اور متعلقات وقف کے بیان میں

جن چیزوں سے قاری کو دورانِ تلاوت واسطہ پڑتا ہے، ان کو ملحقات قراءت کہتے ہیں، یہ سات ہیں: (۱) وقف (۲) سکتہ (۳) سکوت (۴) قطع (۵) ابتداء (٦) اعادہ (۷) وصل۔

وقف کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔(۱) کیفیت وقف (۲) محل وقف۔

کیفیت وقف کی مشہور ومعروف چارصورتیں ہیں: (۱) کیفیت وقف بلحاظ ادا (۲) کیفیت وقف بلحاظ اصل (۳) کیفیت وقف بلحاظ رسم (۴) کیفیت وقف بلحاظ وصل۔

کیفیت وقف بلحاظِ ادا

یعنی ادا کے اعتبار سے حرف موقوف علیہ پر وقف کرنے کی کیفیت کیا ہوگی، اس کی چارصورتیں ہیں: (۱) اسکان (۲) اشمام (۳) روم (۴) ابدال

وقف بِالاسکَان : اِسکان باب افعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: آرام دینا، حرف کو بے حرکت کر دینا۔ اور اصطلاحی معنی: وقف کرتے ہوئے آخری حرف کو اس طرح کامل طور پر ساکن[1] کرنا کہ حرکت کی بو تک باقی نہ

(۱) **وقف میں سکون اصل ہے** : کیوں کہ وقف راحت کے لیے ہوتا ہے، اور وہ کامل سکون ہی میں ہے، اس لیے کہ اس میں حرکت کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کرنا پڑتا، نیز یہ تینوں حرکتوں میں جاری ہے، اور نقلاً بھی سب سے ثابت ہے، اس کے علاوہ وقف 'ابتداء کی ضد ہے اور ابتداء میں حرکت ہوتی ہے تو اس کی ضد یعنی وقف میں سکون ہونا چاہیے۔

رہے اور اشمام وغیرہ کسی قسم کا اشارہ نہ ہو۔ یہ وقف تینوں حرکات زبر، زیر، پیش میں ہوتا ہے، خواہ حرکت اصلی ہو یا عارضی۔

وقف بِالاِشْمَام : اشمام' باب افعال کا مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں سونگھنا سونگھانا، جس طرح سونگھنے سونگھانے میں آواز نہیں ہوتی اسی طرح اشمام میں بھی آواز نہیں ہوتی۔ اور اصطلاحی معنی: حرف موقوف علیہ کی پیش والی حرکت کو ساکن کرکے ہونٹوں سے پیش کی جانب صرف اشارہ کرنا جس طرح بُیُوت کی با کو ادا کرتے وقت ہونٹوں کی شکل ہو جاتی ہے۔ یہ وقف حرف موقوف علیہ پیش میں ہوتا ہے جب کہ پیش اصلی ہو۔ چونکہ اشمام میں آواز بالکل نہیں ہوتی؛ اس لیے اس کو نابینا نہیں معلوم کرسکتا۔

وقف بِالرَّوْم : رَوم' قَول کی طرح مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں: ارادہ کرنا، چاہنا وغیرہ اور چونکہ روم والی کیفیت سکون کی طرح آسانی سے خود بخود ادا نہیں ہوتی بلکہ اس کے لیے ارادہ اور اہتمام کرنا پڑتا ہے اس لیے اہل فن نے یہ نام اختیار کیا ہے، اور اسی طرح تمام اصطلاحات میں غور کرنے سے لغوی مناسبت معلوم ہو جائے گی ۔ اصطلاحی معنی : حرف موقوف علیہ کی حرکت کو اتنا ہلکا اور خفیف پڑھنا کہ صرف قریب والا اس کی حرکت جان سکے، یہ وقف حرف موقوف علیہ پیش اور زیر کی حرکت میں جائز ہے جب کہ حرکت اصلی ہو۔ روم کا فائدہ یہ ہے کہ سننے والے کو آخری حرف کی حرکت معلوم ہو جاتی ہے۔

تنبیہ : فتحہ ونصب (۱) سکون اصلی (۲) حرکت عارضی (۳)

---

(۱) فتحہ' چوں کہ اخف الحرکات ہیں، اور حصوں پر تقسیم نہیں ہو سکتے، اس لیے ان میں روم واشمام جائز نہیں۔

(۲) سکون' حرکت کی ضد ہے۔ اس لیے اس میں روم واشمام جائز نہیں۔ جیسے وَ لَقَدْ ، اَمَّنْ ، فَلَا تَكْفُرْ وغیرہ۔

(۳) عارضی حرکت میں روم واشمام جائز نہ ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اصل میں وہ حرف ساکن ہے، حرکت محض عارض ہوتی ہے، اور وقف میں بھی اصل اسکان ہے جیسا کہ علامہ شاطبی فرماتے ہیں :

والاسکان اصل الوقف وھو اشتقاقه ☆ من الوقف عن تحریک حرف تعزّلا

اس لیے اصلی حالت کا اعتبار کرتے ہوئے اصل وقف کو اختیار کیا گیا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حرکت عارضی اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے اور جب پہلے کلمہ پر وقف کر دیا تو اجتماع ساکنین ہوگا ہی نہیں لہٰذا حرکت پڑھنے کی کوئی وجہِ جواز نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

میم جمع [(۱)] ہائے تانیث [(۲)] اور ہائے سکتہ [(۳)] میں روم واشمام جائز نہیں۔

وقف بِالْاِبْدَال : ابدال بھی باب افعال کا مصدر ہے۔لغت میں کسی چیز کے بدلنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں حرف موقوف علیہ کو بدل کر پڑھنا ، یہ دوصورتوں میں پایا جاتا ہے،ایک یہ کہ موقوف علیہ پردوزبر ہوں جیسے شیئاً وغیرہ۔دوسرے یہ کہ موقوف علیہ تائے مدورہ ہو جیسے رحمةً وغیرہ۔پس پہلی صورت میں دو زبر کو الف سے اور دوسری صورت میں تائے مدورہ کو ہائے ساکنہ سے بدلا جائے جیسے شیئاً سے شیئَا، رحمةً سے رحمه وغیرہ۔

کیفیت وقف بلحاظ اصل

یعنی اصل کے اعتبار سے حرف موقوف علیہ پر وقف کرنے کی کیا کیفیت ہوگی ، اس کی بھی چار صورتیں ہیں: (۱) وقف بالسکون (۲) وقف بالتشدید (۳) وقف بالاظہار (۴) وقف بالاثبات۔

وقف بالسکون : سکون باب نَصَرَ یَنْصُرُ سے دخول،خروج کی طرح مصدر ہے یعنی لغوی معنیٰ ہیں ٹھہرنا،آرام لینا اور اصطلاحاً یہ معنیٰ ہیں کہ حرف کا بغیر

(۱) جو ساکن ہو جیسے علیهمْ ، لهمْ ، بهمْ وغیرہ،اور خواہ مضموم ہو جیسے همُ الظّٰلِمُون ، انتمُ الاَعْلَون ، بکمُ الیسر وغیرہ،ان دونوں صورتوں میں گو جمع کا میم اصل کے اعتبار سے ساکن نہیں بلکہ مضموم ہے لیکن اہل ادا وقفا اس کے سکون کو لازمی سمجھتے ہیں، اس لحاظ سے یہ بھی سکون اصلی کے حکم میں ہے۔یہاں تک کہ ابراز المعانی میں ہے کہ میم جمع میں صلہ کرنے والوں کے لیے بھی روم واشمام درست نہیں، کیوں کہ یہ میم ساکن ہی ہے اور اس پر حرکت صلہ کی وجہ سے آجاتی ہے،اسی لیے جب اس پر وقف کرتے ہیں تو صلہ حذف ہو کر میم اصل کی طرف لوٹ آتی ہے یعنی ساکن ہو جاتی ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) اس میں روم واشمام اس لیے جائز نہیں کہ حرکت تو تا پر تھی اور وہ بھی وصل میں تھی ،رہی ہا جو تا سے بدلی ہے سو وہ ساکن محض ہے، کیوں کہ یہ اس وقفی حالت میں تا کا عوض بنتی ہے جس میں حرکات معدوم ہو جایا کرتی ہیں پس جب خود تا پر ہی حرکت نہیں رہی تھی تو ہا پر کہاں سے آتی۔رہی دراز تا تو اس پر رسم کے سبب تا سے وقف ہوتا ہے یعنی حالت وقف میں بھی تا ہی رہتی ہے، اس لیے اس میں روم واشمام دونوں درست ہیں، کیوں کہ اس میں حرکت خود تا پر آتی ہے نہ کہ ہا پر۔

(۳) سکتہ کی ہا میں صرف وقف بالسکون ہوگا کیوں کہ اس کا سکون اصلی ہے،اسی بنا پر یہ وقف ووصل دونوں حالتوں میں ساکن ہی پڑھی جاتی ہے،لہٰذا روم واشمام کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں۔ (تلخیص از: معلم الاداء فی الوقف والابتداء:۶۹ تا ۷۱)

حرکت کے ہونا،حرف کا جزم والا ہونا۔ یہاں یہ مراد ہے کہ ایسی جگہ وقف کرنا جہاں حرف موقوف علیہ اصل کی رو سے یعنی پہلے ہی سے ساکن ہو۔ جیسے **فلا تقھرْ** وغیرہ اس پر وقف کرنے کے لیے صرف سانس اور آواز توڑنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس میں حرکت نہ ہونے کی وجہ سے روم واشمام نہیں ہوں گے۔

وقف بالتَّشْدِید : تشدید[1] باب تفعیل کا مصدر ہے،جس کے لغوی معنی ہیں قوی کرنا، مضبوط کرنا،تقویت پہنچانا اور کسنا وغیرہ اور اصطلاح میں کہتے ہیں تشدید لگانا یعنی حرف کو مشدد پڑھنا۔ جیسے **وتبَّ** حرف مشدد دو حرفوں سے مرکب ہوتا ہے، پہلا ساکن اور دوسرا متحرک ۔ اور اسی بنا پر اس میں دو حرفوں کے برابر تاخیر لگانا ضروری ہے،(اس کو قرا تراخی کہتے ہیں)ورنہ مخفف ہو کر لحن جلی لازم آئے گا، جو صریح تحریف ہے۔

وقف بِالاظْھَار : اظہار باب افعال کا مصدر ہے،جس کے لغوی معنی ہیں ظاہر کرنا اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ وقف بالاظہار کے ذریعہ آخری حرف کی اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے ۔مثلاً وصل کے ذریعہ دو کلموں کے ملنے سے کوئی ایسا حکم مرتب ہو رہا ہو جیسے ادغام کی تینوں قسموں یعنی اجتماع مثلین، اجتماع متجانسین، اجتماع متقاربین کی وجہ سے پہلا حرف مدغم ہوتا ہے، عام ہے کہ ادغام تام ہو یا ناقص،

(۱) تشدید دو طرح کی ہوتی ہے: (۱) تشدید اصلی (۲) تشدید ادغامی (فرعی)--تشدید اصلی: جو کہ کلمہ کی ساخت اور اس کی بناوٹ میں شروع سے ہوتی ہے جیسے **انَّ، ثمَّ، عدوٌّ ،عفوٌّ** وغیرہ کلمات میں ہے۔ تشدید ادغامی: جیسے **من لّدنه ، یلھث ذّالک** وغیرہ کلمات میں ادغام کی وجہ سے ہے۔اگر ان مثالوں میں پہلے کلمہ پر وقف کیا جائے تو تشدید ختم ہو جائے گی،اور مشدد اصلی کی تشدید وقف میں بھی باقی رہتی ہے،اور اسی لیے اس کو وقف بالتشدید کہتے ہیں۔اور وقف بالسکون کی طرح یہ بھی اصل ہے،اور وقف بالروم میں تنوین تو ختم ہو جائے گی لیکن تشدید باقی رہے گی۔ ۱۲ منہ

اورنون ساکن وتنوین کے بعد با کے آنے سے نون ساکن وتنوین کا میم سے اقلاب ہوتا ہے ایسے ہی ان دونوں کے بعد حروف اخفا میں سے کوئی حرف آجائے تو اخفا ہوتا ہے ایسے موقعوں پر پہلے کلمہ پر وقف کرنے سے نہ ادغام ہوگا اور نہ اقلاب اور نہ اخفا۔اس طرح وقف کی وجہ سے پہلے حرف کی اصل حالت ظاہر ہو جاتی ہے اور چوں کہ اظہار حرف کی اصلی حالت کو کہتے ہیں جس کے لیے کسی سبب کی ضرورت نہیں اس لیے وقف بالاظہار اصل ہے؛ جیسے ولکن رسول اللّٰہ میں ولکن پر۔

وقف بِالاِثْبَات : اثبات بھی باب افعال کا مصدر ہے،جس کے لغوی معنی ہیں ثابت کرنا، قائم کرنا، اور اصطلاحاً یہ مراد ہے کہ کلمہ کا آخری حرف مد جو وصلاً کسی وجہ سے نہیں پڑھا جاتا وہ وقف میں پڑھا جائے گا، ایسے ہی وہ حرف مد اور الف کی صورت والا ہمزہ جو تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف الرسم ہوتے ہیں یہ دونوں بھی وقف میں ثابت رہیں گے،اس کی دوصورتیں ہیں : (ا) وہ حرف مد جو وصلا اجتماع ساکنین کی وجہ سے نہیں پڑھا جاتا جیسے وَقَالاَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ میں لام کے بعد الف۔وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ میں لام کے بعد واوَ۔وَلاَ تَسْقِی الْحَرْث میں قاف کے بعد یا، یہ وصل میں تو نہیں پڑھے جاتے لیکن وقف میں یہ سب ثابت رہیں گے،اور پڑھے جائیں گے۔ (۲) جو الف، واوٗ یا مدہ ہوں خواہ متحرک اور تماثل فی الرسم کی وجہ سے غیر مرسوم ہوں ،تو جس طرح وہ غیر مرسوم ہونے کے باوجود وصل میں پڑھے جاتے ہیں اسی طرح وقف میں بھی ثابت رہیں گے، اور پڑھے جائیں گے اور غیر مرسوم ہونے کی وجہ سے محذوف ہوں گے اور ہمزہ کا بھی یہی حکم ہے، پس فَیَسْتَحْیِ اور لاَ یَسْتَحْیِ وغیرہ کے آخر میں دو یا ہیں۔ایک مرسوم اور دوسری غیر مرسوم۔اِنَّ وَلِیِّ ۦَ اللّٰه (اعراف) میں تین یا ہیں،پہلی ساکن،

دوسری مکسور، تیسری مفتوح۔ ان میں سے مرسوم صرف ایک ہے اور باقی دو غیر مرسوم۔ اور اس موقع میں قرآن کے اندر جو ایک چھوٹی سی یا علاحدہ لکھی جاتی ہے، عام لوگ اس کو یا مرسوم سمجھتے ہیں جو صحیح نہیں، اور درست یہ ہے کہ جس طرح حرکات وسکنات اور نُقَط رسم سے خارج ہیں، اور بعد میں وضع کیے گئے ہیں اسی طرح یہ یا بھی رسم سے خارج ہے، صرف آسانی کی غرض سے علاحدہ لکھ دی جاتی ہے، وَ اِنْ تَلْوٗ (نساء) اور فَاْوٗ (کہف) میں ہیں تو دو واؤ مگر مرسوم صرف ایک ہے۔ لِیَسُوْٓءٗ (اسراء) میں سین کے بعد واؤ مدہ ہے، اس طرح واؤ کی شکل میں تین حرف پے در پے جمع ہو گئے، ان میں تماثل فی الرسم کی بنا پر صرف ایک واؤ مرسوم ہے باقی دو غیر مرسوم...... فَلَمَّا تَرَاءَا الْجَمْعٰن (شعراء)...... اَلسَّمَاء، مِنْ مَّاء ، مَاءً مُّبَارَکاً جیسے کلمات میں ہمزۂ متطرفہ متحرکہ الف کے بعد واقع ہوا ہے، پہلی دو مثالوں میں قاعدہ کی رو سے الف کے بعد والا ہمزہ الف کی شکل میں مرسوم ہونا چاہیے، اس طرح دو الف جمع ہوں گے، اور تیسری مثال میں الف کے بعد ہمزہ والا الف پھر نصبی تنوین والا ایک اور الف۔ اس طرح تین الف جمع ہو گئے، لیکن تماثل فی الرسم کی وجہ سے صرف ایک الف، ایک یا، اور ایک واؤ مرسوم ہوں گے، اور باقی سب محذوف الرسم ہوں گے۔ اور عین کا سرا جو ہمزہ کے نام سے مشہور ہے، وہ محض محذوف الرسم ہمزہ کی علامت ہے، جو تلاوت اور تعلیمی سہولت کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تمام کلمات اور ان جیسے دوسرے کلمات میں غیر مرسوم حروف جس طرح وصلا پڑھے جاتے ہیں، اسی طرح وقف میں بھی پڑھے جائیں گے، ان کو وقف بالاثبات کہتے ہیں، اور یہ وقف رسم کے خلاف ہوتا ہے۔

کیفیت وقف بلحاظ وصل و رسم

یعنی وصل اورلکھاوٹ کے اعتبار سے وقف کی کیفیت۔ان کی بھی چار ہی صورتیں ہیں:(۱) وقف موافق رسم، موافق وصل (۲) وقف مخالف رسم، مخالف وصل (۳) وقف موافق رسم، مخالف وصل (۴) وقف مخالف رسم، موافق وصل۔

وقف موافق رسم، موافق وصل : یعنی وقف، رسم و وصل دونوں کے مطابق ہو، وقف کی یہی صورت اکثر ہے جیسے کِتَابِیَهْ ، یَعْلَمُوْن وغیرہ۔

وقف مخالف رسم، مخالف وصل : یعنی وقف رسم و وصل دونوں کے خلاف ہو جیسے عَمَّهْ ، لِمَهْ ، بِمَهْ وغیراس کو وقف بالالحاق بھی کہتے ہیں یہ وقف اگر چہ روایت حفص میں نہیں مگر قراءے سبعہ میں سے بَزّی علیہ الرحمہ ان کلمات پر آخر میں ہائے سکتہ بڑھا کر وقف کرتے ہیں۔

وقف موافق رسم، مخالف وصل : یعنی وقف، رسم کے مطابق اور وصل کے مخالف ہو، ایسے سات کلمات جن میں وقف وصل کے خلاف اور رسم کے موافق ہوتا ہے۔(۱) اَنَا واحد متکلم کی ضمیر (قرآن میں جہاں بھی آئے) (۲) لٰكِنَّا (کہف)(۳) اَلظُّنُوْنَا (احزاب)(۴) اَلرَّسُوْلاَ (احزاب) (۵) اَلسَّبِيْلاَ (احزاب)(۶) سَلٰسِلاَ (دہر)(۷) پہلا قَوَارِيْرَا (دہر) ان کے آخر میں جو الف مرسوم ہے یہ صرف وقف میں پڑھا جائے گا، البتہ صرف سلٰسلا میں الف کے بغیر بھی وقف جائز ہے، اس صورت میں یہاں وقف موافق وصل مخالف رسم بھی ہوگا۔

وقف مخالف رسم ، موافق وصل: یعنی وقف، رسم کے خلاف اور

وصل کے مطابق ہو، ایسے کل نو کلمات ہیں جن میں روایت حفص کے مطابق وقف؛ وصل کے موافق اور رسم کے خلاف ہوگا۔ (۱) اَوْ یَعْفُوَا (بقرہ) (۲) اَنْ تَبُوْءَ ا (مائدہ) (۳) لِتَتْلُوَا (احزاب) (۴) لَنْ نَّدْعُوَا (رعد) (۵) (۶) لِيَرْبُوَا (محمد) (۶) لِیَبْلُوَا (روم) (۷) وَنَبْلُوَا (محمد) (۸) دوسرا قَوَارِیْرَا (دہر) (۹) ثَمُوْدَا جو الف کے ساتھ مرسوم ہے، اور یہ صرف چار جگہ ہے (ہود، فرقان، عنکبوت، نجم) ان میں سے پہلے سات کلمات کو سب ہی نے بغیر الف کے پڑھا ہے، اس لیے ان میں سب ہی کے لیے وقف؛ وصل کے موافق اور رسم کے خلاف ہوگا۔

فائدہ : جو الف خلاف قراءت مرسوم ہو وہ وصلاً، وقفاً محذوف ہوگا مثل ثَمودا اور لِیَرْبُوا وغیرہ۔ ایسے کلمات پر بھی وقف مخالف رسم اور موافق وصل ہوگا۔

فائدہ : دو لفظ؛ ایک سَلاسِلا سورۂ دہر میں۔ دوسرا فما اٰتٰنِ ۦَ اللّٰہ[1] سورۂ نمل میں ان دونوں جگہوں میں حفص کے لیے بحالت وقف اثبات الف ویا اور حذف الف ویا دونوں جائز ہیں۔ اس لیے اثبات الف کی صورت میں یہ وقف موافق رسم مخالف وصل ہوگا اور حذفِ الف میں مخالف رسم موافق وصل ہو جائے گا اور حذف یا کی صورت میں وقف موافق رسم مخالف وصل ہوگا اور اثباتِ یا کی صورت میں مخالف رسم موافق وصل ہوگا۔

(۱) فما اٰتان ے کی یا میں دو قراءتیں ہیں سکون یا اور فتحۂ یا اور سکون کی صورت میں اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہٖ کی وجہ سے وصلاً بھی یا محذوف ہوگی اور غیر مرسوم ہونے کی بنا پر وقفاً بھی محذوف ہوگی اور فتحۂ یا کی صورت میں وصل میں تو ظاہر ہے کہ یا ثابت رہے گی اور وقف میں دو وجہیں ہیں یعنی اثبات وحذف، حذف کی وجہ غیر مرسوم ہونا ہے اور اثبات کی وجہ یہ ہے کہ یا کو ثابت رکھ کر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بحالت وصل روایت حفص میں یہ یا ساکن نہیں بلکہ مفتوح پڑھی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

تنبیہ : وقف اگر چہ رسم خط کے تابع ہے لیکن جن کلمات کی رسم قراءت وروایت سے ثابت نہ ہو ان پر وقف بمطابق رسم جائز نہیں، جیسے قواریر اثانی اور ان تبوءا وغیرہ

وقف بلحاظ تلاوت و تعلیم و تعلُّم

وقف کی بلحاظ تلاوت و تعلیم و تعلّم چار قسمیں ہیں: (۱) وقف اختیاری (۲) وقف اضطراری (۳) وقف اختباری (۴) وقف انتظاری۔

وقف اِختِیَاری : جو وقف قصداً، عمداً اور ارادۃً ایسی جگہ کیا جائے جہاں کلام لفظاً و معناً پورا ہو، یعنی وقف تام کے موقع پر ـــــ اور حدیث کی رو سے وقف کافی پر بھی وقف اختیاری ہوسکتا ہے اور جائز ہے کیوں کہ اس کے بعد ابتدا کرنے میں معنوی کوئی قباحت نہیں ـــــ اور سنت کی نیت سے ہر رأس آیت پر بھی وقف اختیاری جائز ہے، خواہ معنی پورے ہو رہے ہوں یا نہیں، جیسے سورۃ الجن کی اکثر آیتیں۔ ایسے ہی معوذتین کی درمیانی آیات۔ ہاں ایسی رؤس آیات بھی ہیں جن پر علامت وصل ہے جیسے **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** ہ اور **فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ** ہ وغیرہ ایسی آیات کا وصل ہی اولیٰ ہے۔

وقف اِضطِرَاری: جو وقف تنگیٔ نفس یا بوجہِ نسیان غیر ارادی طور پر واقع ہو جائے۔ یہ وقف بھی رسم کی مطابقت کے ساتھ ہر کلمہ کے آخر پر ہوسکتا ہے، لیکن موقوف علیہ پر کوئی علامت وقف و محل وقف نہ ہو تو فوراً ماقبل سے اعادہ کرنا ضروری ہے۔

وقف اِختِبَاری : جو وقف بغرض تعلیم و تعلّم کسی کلمہ پر کیا جائے۔ یہ وقف رسم کی مطابقت کے ساتھ ہر کلمہ مقطوعہ اور ہر کلمہ غیر موصولہ پر ہوسکتا ہے۔

وقف اِنتِظَاری : جو وقف اختلاف قراءت سمجھنے کی غرض سے کیا جائے۔ یہ وقف اختلاف قراءت سمجھنے پر موقوف ہے۔

فصل سوم

محل وقف اور اس کے احکام

محل وقف (یعنی وقف کہاں کیا جائے؟) کی باعتبار قوت وضعفِ معنی چار صورتیں ہیں۔ (۱) تام (۲) کافی (۳) حسن (۴) قبیح۔

وقف تَــام : جس کلمہ پر وقف کیا ہے اگر اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو، نہ تعلق لفظی یعنی اعرابی وترکیبی، اور نہ معنوی یعنی جملہ بھی پورا ہوگیا اور مضمون بھی، تو یہ وقف تام کہلاتا ہے۔ جیسے هُــمُ الْمُفْلِحُوْنَ وغیرہ کہ اس کو مابعد سے کسی قسم کا تعلق نہیں، نہ لفظی نہ معنوی، کیوں کہ یہاں مومنین کا بیان ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد کفار کا ذکر شروع ہوکر عَــذَابٌ عَــظِيْمٌ پر ختم ہوا۔ اس کے بعد منافقین کا ذکر شروع ہوا اور شَيــئٍ قَدِيْرٌ پر ختم ہوا، پس اَلْــمُفْلِحُوْنَ o عَظِيْمٌ o قَــدِيْرٌ o پر وقف تام ہے کہ ان کا مابعد سے کسی طرح کا تعلق نہیں۔ یہ وقف عموماً رؤس آیات پر ہوتا ہے اور کبھی رأس آیت سے پہلے بھی ہوتا ہے جیسے وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ۔ اور کبھی وسط آیت میں بھی وقف تام ہوتا ہے جیسے لَــقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ اور کبھی رأس آیت کے ایک کلمہ بعد ہوتا ہے جیسے لَمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْراً o كَذَالِكَ اسی طرح وَ اِنَّــكُمْ لَتَــمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ o پر رأس آیت ہے مگر وقف تام وَ بِالَّيْلِ ط پر ہے۔

وقف کافی : اگر کلمہ موقوف علیہ کو مابعد سے لفظی یعنی اعرابی وترکیبی تعلق تو نہ ہو البتہ معنوی تعلق ہو یعنی جملہ تو ختم ہو لیکن مضمون ختم نہ ہوا ہو تو ایسے وقف کو وقف کافی کہتے ہیں۔ جیسے بقرہ کے شروع ہی میں **ینفقون** اور **لا یومنون** کہ ان دونوں کلموں کو مابعد سے تعلق لفظی تو نہیں البتہ معنوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقف کافی کے موقع میں کلام کا اتنا حصہ آچکا ہوتا ہے کہ مابعد سے معنوی تعلق ہونے کے باوجود مستقل ہوتا ہے، اور بعد والا حصہ بھی مستقل کلام رہتا ہے جو ماقبل سے مستغنی ہوتا ہے۔ اس لیے تو وقف تام اور وقف کافی کے بعد ابتدا ہوتی ہے، اعادہ صحیح نہیں۔ یہ وقف بھی آیات اور درمیان آیات پر بکثرت واقع ہوا ہے جیسے **مِنۡ قَبۡلِکَ، عَلیٰ هُدًی مِّنۡ رَّبِّهِمۡ** وغیرہ۔

وقف حسن : اگر کلمہ موقوف علیہ پر جملہ پورا ہو چکا ہو لیکن مابعد سے لفظی ومعنوی تعلق باقی ہو تو یہ وقف 'وقف حسن' کہلاتا ہے، اور یہ وقف تام اور وقف کافی کی طرح رؤس آیات پر بھی ہوتا ہے اور آیتوں کے درمیان میں بھی جیسے **بسم اللّٰه ، الحمدللّٰه ، ایاک نعبد** وغیرہ مگر مابعد سے ابتدا جائز نہیں کیوں کہ وہ ان سے تعلق لفظی رکھتا ہے، اس پر وقف تو کر سکتے ہیں مگر مابعد سے ابتدا کی صلاحیت نہیں لہٰذا اعادہ کرنا ہوگا۔ اگر علامت آیت پر وقف حسن ہو تو ابتدا جائز ہے۔

وقف قبیح : کلمہ موقوف علیہ پر سرے سے جملہ ہی پورا نہ ہوا اور مابعد سے لفظی ومعنوی دونوں طرح کا گہرا تعلق بھی ہو، اور کلام غیر مفید وغیر مفہوم ہو کہ مرادی معنی سمجھ میں نہ آئیں تو ایسا وقف 'وقف قبیح' کہلاتا ہے جیسے **بسم** ، **الحمد، مالک، یوم** وغیرہ۔ یا کلام تو تام ہو مگر قباحت معنوی پیدا ہو جیسے **اِنَّ اللّٰهَ لاَ یَسۡتَحۡیٖ** اور **فَبُهِتَ الَّذِیۡ کَفَرَ وَاللّٰهُ** اور **اِنَّ اللّٰهَ لاَ**

یَھْدِیْ وغیرہ یہ وقف قبیح بلکہ اقبح ہیں۔ اور اس پر ٹھہرنا ہرگز جائز نہیں، اور اگر عمداً یا اعتقاداً ایسا وقف کرے تو خوفِ کفر ہے، اگر غفلت کی وجہ سے یا اضطرار نفس سے ایسا ہو تو فوراً اعادہ کرے۔

رؤس آیات پر تمام ائمہ کے نزدیک بلا تامل وقف جائز ہے۔ خواہ آیات کا مابعد سے تعلق لفظی ہو یا تعلق معنوی۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علامت آیت پر وقف فرماتے تھے۔ اور اسی بنا پر ائمہ نے آیات پر وقف سنت قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ معنوی اور لفظی تعلق کے پیش نظر آیات پر وقف ناجائز و قبیح کہتے ہیں وہ برسرِ صواب نہیں ہیں اور ایسی ہمت کرتے ہیں کہ سنت پر عامل نہیں۔ و العیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔

رمز ھایے اوقاف

قراءت میں اصل 'وصل ہے، اس لیے اِعراب و حرکات کا اظہار ہوتا ہے، جس سے معانیِ پیہم پر دلالت ہوتی ہے، اور عبارت بھی فصاحت آگیں ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقف عوارض میں سے ہے، جو بلاضرورت اور بے موقع معیوب اور ممنوع ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام زکریا مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قاری کی مثال مسافر کی سی ہے، اور اوقاف منازل کی مانند ہیں، پس جس طرح مسافر درمیان سفر میں بلاضرورت ٹھہرنا پسند نہیں کرتا اور اسے تضییع اوقات سے تعبیر کرتا ہے اسی طرح قاریِ قرآن کے لیے بھی ہر موقف پر بلاضرورت وقف ناپسندیدہ سمجھا گیا ہے، کیوں کہ تلاوت قرآن خواہ ایک لفظ اور ایک حرف کی ہی کیوں نہ ہو بلاضرورت وقف سے بہتر ہے، لیکن چوں کہ وقف ایک ناگزیر ضرورت ہے، جس سے مفر نہیں،

اس لیے بوقت ضرورت وقف ایسی جگہ کرنا چاہیے جہاں کسی قسم کا معنوی تغیر وفساد یا ایہام معنی غیر مراد لازم نہ آئے، نیز حسن تلاوت میں بھی فرق نہ آنے پائے۔جس طرح کہ مسافر اَثنائے سفر میں بغرض استراحت کسی ایسی جگہ ٹھہرتا ہے جو سرسبزو شاداب ہو، جہاں کنواں یا چشمہ ہواور سایہ دار درخت وغیرہ ہو یعنی آرام وسکون کا سامان میسر ہو، وہ کسی چٹیل میدان میں قیام پذیر نہیں ہوتا کہ یہ جگہ بجائے راحت کے اس کے لیے وبال جان بن جائے گی۔اس لیے موقع کی مناسبت کے پیش نظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قواعد عربیت اور معنوی تعلق کا خیال کر کے جو علائم وقوف وضع کیا ہے،اوران کے بعد کے علماے اعلام نے جو رموزِ اوقاف (گو ضعیف ہیں) مقرر کیے ہیں انھیں اجمال واختصار کے ساتھ بیان کر دیا جائے۔ان میں 'م'۔'ط'۔'ج'۔اوقافِ قویہ ہیں،اوران کے علاوہ بقیہ دیگر علاماتِ اوقاف' ضعیفہ ہیں۔

م : یہ علامت وقفِ لَازِمُ کی ہے اس جگہ کلام وقف ہی کو چاہتا ہے اس وجہ سے یہاں وقف کرنا لازم ہے۔

ط : یہ علامت وقفِ مُطْلَقُ کی ہے۔مطلب یہ ہے کہ وقف لازم کے بعد صحیح طور پر وقف کا اطلاق وقف مطلق پر ہی ہوتا ہے پس جہاں علامت [ط] ہو وہ انفصال کلام کو مقتضی ہے۔

ج : یہ وقفِ جَائِزُ کی علامت ہے یعنی وقف مطلق کے بعد [ج] پر وقف کرنے کی صلاحیت ہے اس لیے کہ اس جگہ لفظی تعلق ختم ہو جاتا ہے،اور لفظی تعلق کا نہ ہونا ہی وقف کے لیے اصل محل ہے۔یہ تینوں علامتیں قویہ ہیں۔

ز : یہ وقفِ مُجَوَّزُ کی علامت ہے یعنی وقف جائز کے بعد اس پر وقف کرنے کی صلاحیت ہے یہ علامت ضعیف ہے۔

ص : یہ وقفِ مُـرَخَّـصْ کی علامت ہے اس جگہ ضرورتِ تنفس کی وجہ سے وقف کرنے کی رخصت دی گئی ہے۔ یہ بھی علامت ضعیف ہے۔

ق : یہ قِیْـلَ عَلَیْهِ الْوَقْف کی علامت ہے اس پر وقف کرلیا گیا تو کوئی حرج نہیں لیکن وقف ضعیف ہے۔

ک : یہ علامت کَـذٰالِکَ کی ہے۔ اگر یہ علامتِ وقف کے بعد ہوتو وقف کے حکم میں ہے اور اگر علامتِ وصل کے بعد ہوتو وصل کے حکم میں ہے۔

قِفْ : یہ صیغۂ امر نہیں بلکہ قَـدْ یُوْقَفُ کا مخفف ہے۔ اس پر وقف اختیاری بہتر نہیں ہے۔ (بعض قرآن مجید کے آخر میں رموزِ اَوقاف کے تحت اسے " قِفْ " قاف کے زیر کے ساتھ صیغۂ امر بتلایا گیا ہے مگر یہ کسی بھی طور درست معلوم نہیں ہوتا!)

صَـلْ : یہ قَـدْ یُـوْصَـلُ کا مخفف ہے، یہ بھی صیغۂ امر نہیں ہے۔ اس پر بہ نسبت وقف کے وصل پسندیدہ ہے، اور قِفْ کا مقابل ہے۔ قف پر وقف راجح ہے اور صل پر وصل راجح ہے۔

صلے : یہ اَلْـوَصْلُ اَوْلیٰ کا مخفف ہے۔ لفظی تعلق کی وجہ سے یہاں وصل ہی کرنا چاہیے۔

لا : یہ لاَ وَقْفَ عَـلَـیْـہِ کا مخفف ہے اور وقف قبیح کی علامت ہے، اس جگہ باقتضاے اتصال کلامٔ وصل ضروری ہے، اس پر وقف ناجائز ہے۔

قلا : یہ قِیْلَ لاَ وَقْفَ عَـلَیْهِ کا مخفف ہے، اور وقف مختلف فیہ کی علامت ہے۔ یہاں وقف نہ کرنا بہتر ہے، مگر جن کے نزدیک وقف معتبر ہے، ان کے نزدیک اعادہ نہ ہوگا۔

ۤۙلا : اس کو آیت لا کہتے ہیں، اس پر آیت ہونے کی وجہ سے وقف جائز ہے، البتہ محل وقف نہ ہونے کی بنا پر وصل بہتر ہے، لیکن وقف کے بعد اعادہ نہ ہونا چاہیے۔

∴-∴ : یہ وقف معانقہ کی علامت ہے۔قرآن مجید کے حاشیہ پر معانقہ کا مخفف [مَع] لکھا رہتا ہے، اور آیت کے درمیان میں دو جگہ تین تین نقطہ بنا ہوتا ہے جیسے لَارَیۡبَ ∴ فِیۡهِ ∴ هُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ٥ وغیرہ۔اس کا حکم یہ ہے کہ نہ دونوں جگہ وقف کرنا چاہیے (ورنہ درمیان والا کلمہ بے ربط ہو جائے گا) اور نہ دونوں جگہ وصل (تا کہ تفہیم معنی میں تکلف نہ ہو) بلکہ وصل اول وقف ثانی، یا وقف اول وصل ثانی کرنا چاہیے۔

وَقۡفَه : یہ اَلۡوَقۡفُ مَعَ السَّکۡتُ کا مخفف ہے۔مطلب یہ ہے کہ جتنی تاخیر وقف میں ہوتی ہے، اتنی ہی تاخیر کے ساتھ سکتہ کیا جائے، حقیقۃً یہ وقف نہیں سکتۂ طویلہ ہے۔ یہ وہیں جائز ہے جہاں وقفہ لکھا ہوا ہو لیکن اصل سکتہ جائز نہیں، اس پر وقف بھی جائز ہے لیکن وقفہ بہتر ہے۔

وَقۡفُ النَّبِی ﷺ : یہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا رہتا ہے یہاں وقف مستحب ہے اس لیے کہ درمیانِ آیت میں بھی پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گیارہ جگہوں پر وقف ثابت ہے۔

وقف مُنَزَّلُ : اس کو وقف جبریل بھی کہتے ہیں، اس پر بھی وقف مستحب ہے۔ نزول قرآن کے وقت حضرت جبرئیل نے جس جگہ وقف کیا ہے وہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی وقف فرمایا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں وحی منقطع ہوئی ہے۔

وقف غُفۡرَان : یہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا رہتا ہے، یہاں وقف سے معنی کی وضاحت ہوتی ہے اور سامع پر بشاشت طاری ہوتی ہے، یہاں وصل سے وقف بہتر ہے۔

وقف کُفْرَان : یہ حاشیہ پر ایسی جگہ مرسوم ہوتا ہے جہاں وقف کرنے سے خاص قسم کی قباحت پیدا ہوتی ہے جسے عربی داں ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے، بلکہ سامع اگر ایسے معنی کا اعتقاد کرلے تو موجب کفر ہو جائے گا، لہٰذا ایسے موقع پر وقف نہ کرنا چاہیے۔

فائدہ : حرف 'لا' کی رمز کا مطلب ہے کہ **لا یوقف** لیکن اس علامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہاں وقف ہی نہ کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف ہو جائے تو ابتدا نہ ہوگی بلکہ اعادہ ہوگا۔ علامہ سجاوندی اور ان کے ہم خیال لوگوں نے عربیت اور معنویت کا خیال رکھا ہے، روایت ونقل کا چنداں لحاظ نہیں کیا کیوں کہ ایسی صورت میں بہت سے مقامات میں چند خرابیاں لازم آئیں گی مثلاً **صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** پر [لا] لکھا ہے حالانکہ اکثر ائمہ متقدمین کے نزدیک اس پر وقف کافی ہے۔ اسی طرح **هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ** پر [لا] لکھا ہے اس پر بھی وقف کافی ہے۔

اسی طرح علامہ سجاوندی نے **فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ، لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ، اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ** وغیرہ پر [لا] کی رمز متعین کرکے وقف کو منع کیا ہے۔ حالانکہ علامہ دانی کتاب "**الاهتداء فی الوقف والابتداء**" میں وقف تام اور وقف کافی لکھتے ہیں اور سب رؤس آیات ہیں جن پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقف فرمایا کرتے تھے۔ تفصیل کے لیے 'نشر' 'منح الفکریہ' وغیرہ دیکھیں۔

واضح رہے کہ لا کی علامت اگر درمیان آیت میں مرسوم ہو تو وہاں وقف قبیح ہوگا اس لیے ماقبل سے اعادہ کیا جائے گا۔ اور اگر یہ علامت آیت کے اوپر ہو تو آیت پر وقف کر سکتے ہیں اور ابتدا مابعد سے کی جائے گی، اور یہ وقف حسن ہوگا۔

فصل چہارم

سکتہ کی تعریف اور اس کے احکام

سکتہ : سکتہ[1] کے لغوی معنی رکنا، باز رہنا یا خاموش ہوجانا ہے۔اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ بغیر سانس لیے آواز کو تھوڑی دیر کے لیے بند کردینا۔

سکتہ کی غرض : جب کلام میں دو متضاد پہلو موجود ہوں تو ظاہر ہے کہ بیک وقت دونوں کا اجتماع مشکل ہوتا ہے اور ایک کی رعایت سے دوسرے کا اہمال لازم آتا ہے لیکن سکتہ ایک ایسی ذوجہتین کیفیت ادا ہے جس میں دونوں کی رعایت ہوجاتی ہے۔

مقدارِ سکتہ : گوسکتہ کے توقف کی مقدار وقف سے کم بتلائی جاتی ہے مگر یہ تقریب فہم کے لیے ہے ورنہ اس کا صحیح اندازہ تو سماع ہی پر موقوف ہے کہ اساتذہ سے جتنی تاخیر منقول و مسموع ہو اسی قدر تاخیر کا نام سکتہ ہے۔

سکتہ کی دو قسمیں ہیں : (۱) سکتۂ لفظی (۲) سکتۂ معنوی

---

(۱) لغتوں میں سکتہ ایک بیماری کا نام بھی بتایا گیا ہے جس میں انسان کی سانس جاری رہتی ہے لیکن دیگر اعضا کی حس وحرکت مرگ کی مانند معطل ہوجاتی ہے،صرف سانس کا جاری ہونا اس کے زندہ ہونے کا پتہ دیتا ہے چونکہ اصطلاحی سکتہ میں بھی آواز بند ہوجاتی ہے جس سے تلاوت بند ہوجانے کا توہم ہوتا ہے مگر سانس کے جاری رہنے سے تلاوت کا جاری رہنا معلوم ہوتا ہے یہی مناسبت ہے سکتہ کے لغوی و اصطلاحی معنی میں۔ ۱۲منہ-عفی عنہ-

سکتۂ لفظی : اس کو کہتے ہیں کہ حرف صحیح ساکن کے بعد ہمزۂ قطعی ہو۔خواہ ہمزہ ایک کلمہ میں ہو جیسے اَلْاِنْسَانُ، اَلْاَرْضُ وغیرہ یا دوسرے کلمہ میں ہو جیسے قَدْ اَفْلَحَ ، مَنْ آمَنَ وغیرہ۔

سکتۂ معنوی : جن جگہوں میں انفصال معنیٰ کی وجہ سے بین الکلمتین سکتہ کیا جائے اس کو سکتہ معنوی کہتے ہیں۔

فائدہ : سکتہ لفظی' تلفظ کی سہولت کی خاطر کیا جاتا ہے۔جب کہ سکتۂ معنوی کی غرض یہ ہوتی ہے کہ معنوی دشواری کو دور کیا جائے۔

سکتہ کا حکم : سکتہ لفظی تو روایت حفص علیہ الرحمہ میں بطریق شاطبی ہے ہی نہیں ، البتہ سکتات معنویہ ہیں جن کی باعتبار حکم دو قسمیں ہیں : (۱) سکتات معنویہ واجبہ (۲) سکتات معنویہ جائزہ۔

سکتات معنویہ واجبہ : یعنی وصلا جن کو ادا کرنا واجب ہو۔اور امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں بطریق شاطبی چار کلمات پر سکتے واجب ہیں۔وصلا ان کو نہ ادا کرنا ترک واجب اور کذب فی الروایۃ ہے۔اور بطریق جزری خلف ہے، یعنی سکتہ اور ترک سکتہ دونوں جائز ہے۔ (۱) سورۂ کہف میں عِوَجاً پر [1]

(۱) **سکتات واجبہ کی تفصیلی غرض**: علامہ جزری اپنی شہرۂ آفاق تصنیف 'النشر' جلد اول میں ان سکتات معنویہ کی غرض تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿عِوَجا﴾ پر سکتہ سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اس کے بعد کا لفظ ﴿قَیِّما﴾ اعراب و ترکیب میں اپنے ماقبل ﴿عِوَجا﴾ کے ساتھ متصل نہیں ہے یعنی ﴿عِوَجا﴾ کی صفت نہیں ہے بلکہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہے جس کی تقدیر ﴿انزلہ قیما﴾ ہے پس اب ﴿قیما﴾ اس 'ہ' سے حال ہے جو 'انزلہ' میں مقدر ہے۔گو ﴿عِوَجا﴾ و ﴿قَیِّما﴾ دونوں ﴿الکتٰب﴾ سے متعلق ہیں یہ دلیل وصل ہے مگر چونکہ ﴿عِوَجا﴾ و ﴿قَیِّما﴾ دونوں منصوب ہیں تو وصل سے شبہہ ہوسکتا ہے کہ ﴿قَیِّما﴾ ﴿عِوَجا﴾ کی صفت ہے۔وصل کا اشتباہ مقتضی ہے کہ دونوں میں وصل ہی نہ ہو بلکہ ان میں انفصال ہونا چاہیے اور انفصال دلیل وقف ہے، پس وصل ووقف کے دو متضاد تقاضوں کے جمع ہونے کی صورت میں سکتہ ہی ایک ایسی صورت ادا ہے جس میں وصل ووقف دونوں موجود ہیں اور جس سے اتصال وانفصال برقرار رہتے ہیں۔۱۲ منہ۔عفی عنہ۔

(۲) سورۂ یٰسٓ میں مِنْ مَّرْقَدِنَا پر[۱] (۳) سورۂ قیامہ میں قِیْلَ مَنْ پر (۴) سورۂ مطففین پر کَلَّا بَلْ پر[۲]۔

فائدہ : پہلی دونوں جگہوں [عوجا اور من مرقدنا] میں آیت ہونے کی وجہ سے سکتہ سے بہتر وقف ہے۔ اور چوں کہ سکتہ بحالت وصل ہے اس لیے وقف میں سکتہ نہ کرنے کی وجہ سے روایت حفص کا ترک لازم نہیں آئے گا۔ اور وقف اولیٰ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سکتہ سے مقصود اس التباس کو دور کرنا ہے جو وصل بلا سکتہ سے پیدا ہوتا ہے اور وقف میں چوں کہ یہ التباس بدرجۂ اتم دور ہو جاتا ہے اس لیے وقف سکتہ سے بہتر و اولیٰ ہے۔

---

(۱) ﴿من مرقدنا هٰذا﴾ یعنی اسی طرح یہ پوری آیت ﴿مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (مکالماتی انداز میں) یوم قیامت سے متعلق ہے۔ اس اعتبار سے ان میں اتصال ہے جو متقاضی وصل ہے مگر پھر بصورت وصل ﴿مَرْقَدِنَا﴾ کے ﴿هٰذا﴾ سے ملانے سے اندیشہ ہے کہ کوئی ﴿هٰذا﴾ کا مشارٌ الیہ ﴿مَرْقَدِنَا﴾ کو نہ سمجھ بیٹھے کیوں کہ یہ صریح مغالطہ اور مراد خداوندی کے خلاف ہے، گویا اس کو بھی کلام کفار کا ایک جز وقرار دے دیا حالانکہ یہ کلام یا تو فرشتوں کا ہے یا صالح مومنین کا۔ معلوم ہوا کہ دونوں کے قائل علاحدہ علاحدہ ہیں لہٰذا وقف ہونا چاہیے۔ الغرض یہاں بھی دو متضاد تقاضے جمع ہوئے جن کا حل سکتہ ہی ہے۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

(۲) ﴿مَنْ رَاق﴾ ﴿بَلْ رَان﴾ ظاہر ہے کہ اول میں 'من' اور ثانی میں 'بل' معنوی اعتبار سے اپنے مابعد سے متعلق ہے لہٰذا وصل ہونا چاہیے مگر وصل یعنی ادغام میں 'مـن' کے نون کا را میں اور اسی طرح 'بـل' کے لام کا را میں ادغام کرنا ہوگا جس کی وجہ سے ﴿مَـنْ رَاق﴾ 'مـرَّاق' ہوکر (فـعّـال کے وزن پر) 'مـارق' کے صیغۂ مبالغہ کے ساتھ التباس ہوگا، اور یوں ہی ﴿بل ران﴾ 'برَّان' ہوکر 'برّ' کے تثنیہ ہونے کا وہم ہوگا جو خلاف حقیقت ہے کہ دونوں الگ الگ لفظ ہیں، اس مغالطہ کا تقاضا ہے کہ فصل یعنی اظہار کیا جائے، اس طرح ان دو مواقع میں دو متضاد تقاضے جمع ہوئے لہٰذا اب سکتہ ہی ایک ایسی صورت ہے جس میں دونوں کی رعایت ہو جاتی ہے۔ نیز سکتہ سے یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ علت ادغام جہاں بھی موجود ہو ادغام ہی ہونا چاہیے، یہ ضروری نہیں ہے بلکہ یہ ادغام روایت پر موقوف ہے چنانچہ یہاں روایۃً ادغام نہ ہونے کی وجہ سے ادغام نہیں ہوا۔ ۱۲ منہ۔ عفی عنہ۔

سکتاتِ معنویہ جائزہ : رؤوس آیات (گول دائروں) پر کے سکتات ہیں جو ہر روایت میں جائز ہیں نیز وہ چار سکتے بھی جو ائمہ وقف سے منقول ہیں اور قرآن کریم میں مرسوم ہیں (جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے)

فائدہ : سورۂ انفال اور سورۂ براءت کے مابین تمام قراء کے لیے تین وجہیں ہیں: وصل، وقف، سکتہ۔ یہ تیسری وجہ سکتہ بھی سکتۂ معنوی ہے۔

سکتے کی ادا کا جواز یا وجوب سماع اور نقل کے ساتھ مقید ہے، لہٰذا یہ صرف اسی جگہ جائز ہوگا جہاں روایت سے ثابت ہو کیوں کہ سکتہ ایک مقصود بالذات طریق ادا ہے، جس کے لیے روایت سے ثبوت ضروری ہے ورنہ ادا معتبر نہ ہوگی۔

فائدہ : درمیان آیت میں جو سکتے مرسوم ہیں یہ علامہ سجاوندی کے نزدیک ہیں ان کا حکم تمام قراء کے لیے یکساں ہے۔ اور وہ چار ہیں: سورۂ اعراف میں دو جگہ:

ایک ظَلَمۡنَا اَنۡفُسَنَا پر۔

دوسرے اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا پر۔

تیسرے سورۂ یوسف میں اَعۡرِضۡ عَنۡ ھٰذَا پر۔

اور چوتھے سورۂ قصص میں یُصۡدِرَ الرِّعَآءُ پر۔

یہ سکتے بھی معنوی ہیں مگر یہ سکتہ اصطلاحی نہیں ان کو روایۃً نہیں کرنا چاہیے تاکہ کذب فی الروایت نہ لازم آئے یہاں متقدمین کے نزدیک سکتہ بمعنی وقف ہے۔ آیات پر سکتہ لغرض الاعلان جائز ہے لہٰذا ان کو روایۃً کرنا یا کسی آیت پر کرنا اور کسی پر نہ کرنا جائز نہیں۔

فائدہ : سکتۂ معنوی کا حکم یہ ہے کہ جس کلمہ پر سکتہ کیا جائے تو یہ وقف کے حکم میں ہوگا لہٰذا سکتہ معنوی کے بعد صفاتِ عارضہ جو کسی حرف کے ملنے سے پیدا ہوں گی

وہ مثل وقف کے ادا نہ ہوں گی جیسے مد، اخفا، اورادغام وغیرہ۔ اسی طرح سکتۂ لفظی وصل کے حکم میں ہے جیسے امام حفص کے طریق جزری کے لیے حرفِ صحیح ساکن پر سکتہ کیا جائے مثلاً مریضاً اَوْ میں تو تنوین کو الف سے نہ بدلا جائے۔

فائدہ : سکتہ میں دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول کیفیت سکتہ۔ دوم محل سکتہ۔ کیفیت سکتہ: یعنی سکتہ کرتے وقت متحرک کو ساکن کرنا چاہیے اور دو زبر ہوں تو الف سے بدل دینا چاہیے، گویا کیفیت سکتہ کیفیت وقف کے حکم میں ہے۔ محل سکتہ: یعنی سکتہ کرنے کی جگہ' یہ چار ہیں جو بطریق شاطبی ہیں ان کا بیان اوپر مذکور ہوا۔

فصل پنجم

سکوت کی تعریف اور اس کے احکام

سکوت : سکوت کے لغوی معنی چپ رہنا، خاموش ہونا ہے اور اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ دورانِ تلاوت قرآن سے متعلق کسی ضرورت سے ٹھہرنا، اگرچہ توقف کچھ زیادہ ہی کیوں نہ ہو جائے، خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری، شرط یہ ہے کہ قراءت جاری رکھنے کا ارادہ ہو۔

اس میں دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے اول کیفیت سکوت یعنی سکوت کس طرح کرنا چاہیے، یہ کیفیت وقف کے مثل ہے۔ دوم محل سکوت یہ ہمیشہ آیت پر اور محل

وقف یعنی اوقاف قویہ پر ہونا چاہیے اور درمیانِ آیت میں یا وقف قبیح پر جائز نہیں۔ البتہ تعلیم و تعلّم کی غرض سے جائز ہے۔

سکوت ہر اعتبار سے وقف کے حکم میں ہے یہی وجہ ہے کہ سکوت کے بعد تَعَوُّذ کی ضرورت نہیں۔ سکوت میں وقف سے زیادہ دیری ہوتی ہے اس لیے اس کی تاخیر کی حد متعین کرنا مشکل ہے لیکن طویل سکوت مناسب نہیں۔ سکوت سے قراءت افضل ہے۔

سکوت کے لیے یہ شرط ہے کہ ابتدا اور ارادۂ قراءت ہو یعنی ذہن قرآن سے ہٹ کر کسی اور طرف نہ لگ جائے ورنہ سکوت نہ ہوگا کیوں کہ سکوت کے بعد ابتدا نہ کی گئی، یا ارادۂ قراءت منقطع ہوگیا تو یہ قطع ہو جائے گا۔ سکوت کے بعد ابتدا کرتے وقت استعاذہ کی حاجت نہیں رہتی۔

سکوت کی شکلیں: کھانسی وغیرہ کی وجہ سے توقف کا زیادہ ہونا۔ اس انداز میں معانی یا تفسیر بیان کرنا کہ جس میں وعظ کی صورت نہ ہو۔ قراءت سے متعلق مسئلہ بیان کرنا یا پوچھنا۔ مشق کرنے میں توقف کا ہونا۔ اور تعلیمی غرض سے حلقہ کی شکل میں پڑھنے کے لیے باری کا انتظار کرنا وغیرہ۔

فائدہ : سکوت کی حالت میں انتشارِ ذہنی ہو یا منافی قراءت لازم آئے۔ مثلاً سجدۂ تلاوت یا کلام اجنبی ہو تو ان سب صورتوں میں سکوت کا حکم ساقط ہو جائے گا لہٰذا اب ابتدا کرتے وقت استعاذہ ضروری ہے۔

فصل ششم

قطع کی تعریف اور اس کے احکام

قطع : قطع کے لغوی معنی ہیں کاٹنا، توڑنا، جدا کرنا اور اصطلاحاً یہ معنی ہیں کہ قراءت کو ختم کرنے کے ارادہ سے ٹھہرنا۔ پس اگر ٹھہرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ ہو تب تو یہ ٹھہرنا وقف کہلاتا ہے، اور اگر ٹھہرنے کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ نہیں تو اس کو قطع کہیں گے۔ مثلاً قراءت شروع کی، چلتے چلتے جہاں قراءت ختم ہوئی وہ تو ہے قطع، اور اس سے پہلے جہاں جہاں ٹھہرنا ہوا وہ ہے وقف، اور چونکہ قطع بھی وقف کی ایک قسم ہے اس لیے یہ بھی جملہ احکام میں وقف کی مانند ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:
(۱) قطع حقیقی (۲) قطع اتفاقی۔

قطع حقیقی : یعنی جس قدر تلاوت کا قصد کر لیا گیا، اس کے پورا کر لینے پر پھر نہ پڑھنا اس کو قطع حقیقی کہتے ہیں۔

قطع اتفاقی : اثنائے قراءت میں قطع ہو تو اس کو قطع اتفاقی کہتے ہیں۔

قطع حقیقی کے محل جزوِ کامل ہیں۔ مثلاً ختم رکوع یا ختم سورہ یا ختم پارہ ہوا اور قطع اتفاقی کے محل آیات اور رکوع ہیں۔ درمیان آیت یا علامت وقف پر قطع حقیقی اور اتفاقی دونوں ناجائز ہیں۔

فائدہ : قطع قراءت کے لیے قطع ارادہ ضروری ہے لیکن وقف کے بعد اگر پڑھا نہ گیا تو یہ قطع ہوگا، اسی طرح ختم قرآن پر قطع نہ ہوگا تاوقتیکہ قطع نہ ہو، اسی طرح سکوت کی حالت میں پڑھنے کا خیال جاتا رہا تو قطع ہوگا۔

فائدہ : قطع کرتے وقت صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وغیرہ کے الفاظ کہنا بہتر ہے تاکہ بندے اور معبود کے کلام میں امتیاز ہو جائے اور سامع کو قراءت کا انتظار بھی نہ ہو۔

فصل ہفتم

ابتداء کے بیان میں

ابتـــــداء : یعنی شروع کرنا اور اصطلاح قراءت میں موقوف علیہ کے مابعد سے پڑھنے کو ابتداء کہتے ہیں اس میں بھی وقف کی طرح دو باتوں کا جاننا ضروری ہے۔اول کیفیت ابتداء ، دوم محل ابتدا۔

کیفیت ابتداء : یعنی ابتداء کس طرح کی جائے،اس کی صرف ایک صورت ہے ابتداء بالحرکت،جس کلمہ سے ابتداء کی جائے وہ متحرک ہے تو ابتداء اسی حرکت سے ہوگی اور اگر مبدأ ساکن ہے تو اس کے تین قاعدے ہیں : (۱) اگر ہمزہ کسی اسم کا ہے اور وہ اسم غیر معرف باللام ہے تو ابتداء ہمزۂ مکسور کے ساتھ ہوگی جیسے اِبْـن ، اِخْوَۃ وغیرہ۔ (۲) اگر اسم معرف باللام ہے تو ابتداء ہمزۂ مفتوحہ کے ساتھ ہوگی جیسے اَلْقَمر، اَلرَّحْمٰن وغیرہ۔ (۳) اور اگر ہمزہ کسی فعل کا ہے تو ابتداء ہمزۂ مضمومہ کے ساتھ ہوگی بشرطیکہ فعل کا تیسرا حرف مضموم بضمۂ اصلیہ ہو جیسے اُقْتُــلُــوا وغیرہ۔ورنہ ہمزۂ مکسور سے ابتداء ہوگی جیسے اِضْرِبْ اور اِمْشُوا وغیرہ[1]۔

(۱) یہاں یہ شبہہ ہوسکتا ہے کہ جب فعل کے تیسرے حرف کا اعتبار کرتے ہوئے ہمزہ کو حرکت دی جاتی ہے تو جس طرح تیسرے حرف پر پیش ہونے کی صورت میں ہمزہ کو پیش اور اور زیر ہونے کی صورت میں ہمزہ کو زیر دیا جاتا ہے تو اسی طرح زبر کی صورت میں ہمزہ پر زبر دینا چاہیے؟۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر تیسرے حرف پر زبر کا اعتبار کرتے ہوئے ہمزہ پر بھی زبر دے دیا جائے تو فعل مضارع کا فعل امر سے التباس لازم آئے گا۔مثلاً اِسْـمَـعْ صیغۂ امر ہے،اور ہمزۂ وصلی کو مفتوح پڑھیں اور وقف کریں تو اَسْـمَـعْ ہوگا،اور مضارع کا صیغۂ متکلم بھی وقف میں اَسْمَعْ ہی ہوتا ہے۔ ۱۲منہ

محل ابتداء : یعنی ابتداء کہاں سے ہو اس کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) ابتدائے اتم (۲) ابتدائے تام (۳) ابتدائے کافی (۴) ابتدائے حسن (۵) ابتدائے قبیح۔

ابتدائے اَتم : یہ وقف لازم کے بعد سے ہوتی ہے، کیوں کہ جس طرح وقف لازم کے مواقع پر وقف نہ کرنے سے فاسد اور غیر مرادی معنی کا خیال گزرتا ہے اسی طرح وقف لازم کے بعد سے ابتدا کی بجائے ماقبل سے اعادہ کرنے کی صورت میں معنوی خرابی پیدا ہوگی۔ اس کو ابتدائے لازم اور ابتدائے بیان بھی کہتے ہیں۔

ابتدائے تام : یہ وقف تام کے ان مواقع کے بعد سے ہوتی ہے جہاں وقف لازم تو نہ ہو لیکن وصل کرنے سے کسی معنوی خرابی کا احتمال بھی نہ ہوتا ہو کہ وقف تام رؤس آیات پر ہو جیسے **یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ اَلْمُفْلِحُوْنَ ۝ عَذَابٌ عَظِیْمٌ** وغیرہ۔ یا آیتوں کے درمیان میں ہو جس کی علامت (ط) ہے جیسے **لِیُنْذِرَكُمْ** ط (اعراف:ع۹) **مِنْ سُلْطَانٍ** ط (ایضا) وغیرہ اس کو ابتدائے مطلق بھی کہتے ہیں، یعنی ماقبل سے کسی طرح کا تعلّق نہ ہو۔

ابتدائے کافی : یہ وقف کافی کے بعد سے ہوتی ہے۔ عام ہے کہ رؤس آیت پر ہو یا آیتوں کے درمیان میں، جس کی علامت (ج) ہے۔ جیسے **وَ اِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ** ج اور **مِنْكُمْ خَاصَّةً** ج (انفال:ع۳) وغیرہ۔ پس ایسی مثالوں میں بھی جو ابتداء ہوگی اس کو ابتدائے کافی کہیں گے۔

ابتدائے حسن : یہ صرف ان رؤس آیات پر وقف کرنے کے بعد سے ہوتی ہے، جن پر وقف حسن ہے۔ جیسے معوذتین کی درمیانی آیتیں۔ علامہ سجاوندی ایسی آیتوں پر (لا) کی علامت وضع کر گئے ہیں۔

ابتـــدائے قبیـح : یہ وقف قبیح کے بعد سے ہوگی جس کی تفصیل وقف قبیح میں گزر چکی ہے۔

تنبیہ : جس طرح وقف کلمہ کے درمیان میں اور ایسے ہی کلمہ موصولہ کے آخر پر جائز نہیں، اسی طرح ابتدا اور اعادہ بھی کلمہ کے درمیان سے اور کلمہ موصولہ کے شروع سے جائز نہیں۔ مثلا **رب الــعــالـمیـن** میں اَلْ مستقل کلمہ ہے جو مابعد کے ساتھ مل کر لکھا جاتا ہے، اس لیے جس طرح اَلْ پر وقف جائز نہیں اسی طرح ال کے بغیر بعد والے کلمہ سے ابتدا اور اعادہ جائز نہیں۔

ابتداء کی چار صورتیں ہیں : (۱) ابتدائے حقیقی (۲) ابتدائے حکمی (۳) ابتدائے تقدیری (۴) ابتدائے اصطلاحی ۔

ابتدائے حقیقی : یعنی قراءت کی ابتداء اس میں استعاذہ ضروری ہے۔

ابتـدائے حـکـمی : ختم کلام اللہ کے بعد پھر کلام اللہ شروع کرنا جب کہ قطع نہ کیا ہو اس میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے گی۔

ابتـدائے تقدیری : کسی سورہ کو ختم کر کے دوسری سورہ یا پھر وہی سورہ شروع کرنا، اس ابتداء میں بھی صرف تسمیہ پڑھی جائے گی۔

ابتدائے اصطلاحی : وقف کے بعد ابتداء کرنا جب کہ کسی سورہ سے نہ ہو تو اس ابتداء میں نہ استعاذہ ہے نہ بسملہ۔

فـــائـدہ : باعتبار تلاوت ابتداء دو طرح پر واقع ہوگی۔ (۱) اختیاری (۲) اختباری۔

جو ابتداء محل مستقل اور مقصود بالذات ہو وہ اختیاری ہے اور جو طلبا و تلامذہ کی آزمائش و امتحان کی غرض سے کرائی جائے وہ اختباری ہے۔

فصل ہشتم

اعادہ کے بیان میں

اعــــادہ : یعنی غیر علامت وقف پر وقف ہو تو موقوف علیہ یا اس کے ماقبل سے شروع کرنے کو اعادہ کہتے ہیں۔ اس میں بھی دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ اول کیفیت اعادہ ، دوم محل اعادہ۔

کیـفیـت اعـادہ : کیفیت ابتداء کے حکم میں ہے اعادہ اور ابتداء میں بعدیت اور قبلیت کا فرق ہے، کیوں کہ صورۃً یہ بھی ابتداء ہی ہے۔

محل اعادہ : یہ محل ابتداء کے تابع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ موقوف علیہ کے ماقبل جس کلمہ سے یا جس جگہ سے ابتداء ہو سکتی ہے، وہیں سے اعادہ کرے۔

اعادہ کی دو قسمیں ہیں : (۱) اعادۂ حسن (۲) اعادۂ قبیح۔

اعـادۂ حسـن : وقف حسن غیر آیت پر ہو یا وقف قبیح پر وقف ہو جائے یا فاعل پر وقف تو فعل سے یا مضاف الیہ پر وقف تو مضاف سے یا صفت پر وقف تو موصوف سے یا حرفِ جر پر وقف ہو تو متعلق سے اعادہ کرنا یا معطوف پر وقف تو معطوف علیہ مفرد سے اور اس کے مثل سے اعادہ کرنا حسن ہے۔

اعادۂ قبیح : اعادۂ حسن کے خلاف اعادہ کرنا، یہ قبیح اور اَقبح ہے۔

فائدہ : اعادہ کا فائدہ ربط کلام ہے لہٰذا جہاں سے اعادہ حسن ہو تو وہیں سے اعادہ کرنا چاہیے، تا کہ کلام مربوط ہو جائے۔

فصل نہم

وصل کے بیان میں

وصل : وصل کے لغوی معنی ملانا۔اور اصطلاح میں حتی الامکان سانس اور آواز کو جاری رکھتے ہوئے پڑھنا وصل کہلاتا ہے۔ یہ وقف کی ضد ہے۔اس کی دو صورتیں ہیں:
(۱) وصل حقیقی (۲) وصل اصطلاحی۔

وصل حقیقی : یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے ملا کر پڑھنا۔ یہ وصل مطلقاً ہر قراءت میں اصل ہے خواہ ترتیل قراءت ہو یا تحدیر قراءت یا تدویر قراءت ؛ کیوں کہ بغیر وصل حقیقی کے قراءت ممکن نہیں اسی وجہ سے قراءِ کرام نے جا بجا یہ صراحت کردی ہے کہ قراءت میں کلمات کی تقطیع اور غیر ضروری سکتات سے احتراز کرنا چاہیے، ورنہ وصل حقیقی نہ ہوگا۔

وصل اصطلاحی: یعنی ایک موقف کا دوسرے موقف سے وصل کرنا یہ وصل قراءت کی مناسبت سے حدر میں اصل ہے لیکن مفہوم مخالف یہ نہیں کہ حدر میں مطلقاً وقف ناجائز ہو جائے بلکہ عندالضرورت جب بھی حدر میں وقف کرے تو کسی قوی محل وقف پر، اور اوقاف ضعیفہ کا وصل کرتا جائے۔

فائدہ : جس طرح وقف میں کیفیت وقف اور محل وقف کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح وصل میں بھی کیفیت وصل اور محل وصل کا جاننا ضروری ہے۔

اول کیفیت وصل: یعنی یہ جاننا کہ وصل کس طرح کیا جائے۔اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) وصل بہ نیت وصل (۲) وصل بہ نیت وقف۔

وصل بہ نیت وصل: یعنی ایک موقف کا دوسرے موقف سے وصل کرنا ہو تو سکون وحرکات کے اعتبار سے موقف اول کے آخر حرف اور موقف ثانی کے اول حرف کی چار صورتیں پیدا ہوں گی :

اول : دونوں متحرک ہوں جیسے وَتَبَّ o مَا اَغْنیٰ وغیرہ۔

دوم : دونوں ساکن ہوں جیسے اَلَّا تَعْدِلُوا ط اعْدِلُوْا وغیرہ۔

سوم : اول متحرک ثانی ساکن ہو جیسے نَسْتَعِیْنُ o اِهْدِنَا الصِّرَاطَ وغیرہ۔

چہارم : اول ساکن ثانی متحرک ہو جیسے فَانْصَبْ o وَاِلیٰ رَبِّکَ فَارْغَبْ وغیرہ۔

اول دونوں متحرک ہوں تو دونوں حروف کے حرکات خوب ظاہر کرے کیوں کہ بحالت وصل حرکات کا ظاہر کرنا ضروری ہے ورنہ لحن جلی ہو جائے گا۔دوم دونوں ساکن ہوں تو اس صورت میں دو صورتیں پیدا ہوں گی: (۱) حذفِ حرف (۲) اور حرکت حرف۔

حَذْفِ حَرْف : یہ اس وقت ہوگا جب کہ پہلا ساکن مدہ ہو اس وقت پہلا حرفِ مدہ حذف ہوگا جیسے اَخِی o اشْدُدْ وغیرہ۔

حَرْکَتِ حَرْف : جب کہ پہلا ساکن مدہ نہ ہو تو پہلے حرف کو قاعدے کے موافق حرکت دی جائے گی جیسے اَحَدُنِ اللّٰهُ الصَّمَدُ وغیرہ۔

فائدہ : حرکت دینے کی صورت میں اکثر جگہ کسرہ اور بعض جگہ فتحہ جیسے اَلٓمَّ اللّٰہُ[1] کا وصل کیا جائے یا مِنْ جارہ کے بعد ساکن حرف آئے تو فتحہ کی حرکت دی جائے گی، جیسے مِنَ اللّٰہِ وغیرہ۔اور بعض صورتوں میں ضمہ دیا جائے گا جیسے عَلَیْکُمُ الصِّیَام وغیرہ۔

سوم پہلا متحرک دوسرا ساکن ہوتو پہلے حرف کی حرکت دوسرے حرف کے سکون سے ملا کر پڑھتا جائے جیسے نَسْتَعِیْنُ اِھْدِنَا وغیرہ۔اس صورت میں ہمزۂ وصلی حذف ہوجائے گا۔ چہارم پہلا ساکن دوسرا متحرک ہوتو اس وقت سکون وحرکت خوب صاف ادا ہونے چاہیے، جیسے فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ وغیرہ۔ ورنہ لحن جلی لازم آئے گا۔

وصل بہ نیت وقف : یعنی حسب عادت سانس اور آواز کو منقطع کیے بغیر پڑھتے ہوئے گزر جانا۔مطلب یہ کہ وصل کی حالت میں وقف والے احکام جاری کرنا، اس کو وصل بہ نیت وقف کہتے ہیں۔یعنی نیت تو ہے وقف کی مگر وقف کیا نہیں۔اور یہ پورے قرآن میں صرف ہائے سکتہ والے سات کلمات میں ہوگا۔

---

(۱) قاعدہ کے خلاف بجائے میم کو مکسور پڑھنے کے مفتوح پڑھنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کسرہ دینے سے توالی کسرات لازم آئے گا کیوں کہ اس سے قبل یائے مدہ ہے جو دو کسروں کے قائم مقام ہے، اور اس سے پہلے بھی کسرہ ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ کسرہ دینے کی صورت میں لام اِسم الجلالہ مفخّم نہ ہوسکے گا۔تیسری وجہ یہ ہے کہ میم حروف مقطعات میں سے ہے اور اس کا سکون لازمی اور بنائی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو باقی رکھا جائے بوجہ مجبوری اس کو باقی نہیں رکھ سکتے تو سکونِ بنائی سے عدول کرنے کے لیے ایسی حرکت کو منتخب کیا جو اخف الحرکات ہے اور وہ فتحہ ہے۔واللہ اعلم ۱۲ منہ۔عفی عنہ۔

ایک سورۂ بقرہ میں لفظ لَمْ یَتَسَنَّهْ ۔دوسرے سورۂ انعام میں لفظ اِقْتَدِهْ ۔تیسرے کِتَابِیَهْ ۔چوتھے حِسَابِیَهْ دونوں دو دو جگہ۔پانچویں مَالِیَهْ ۔چھٹے سورہ حاقہ میں سُلْطَانِیَهْ ۔ساتویں سورۂ القارعہ میں لفظ مَاهِیَهْ ان کلماتِ مذکورہ کے علاوہ وصل بہ نیت وقف جائز نہیں۔

دوم محل وصل: یعنی کہاں وصل کرنا چاہیے۔جس جگہ وقف کرنے سے ایہام لازم آئے یا معنوی فساد پیدا ہو یا تعلق لفظی پایا جائے تو اس جگہ وصل ہی کرنا ضروری ہے، اس کو محل وصل کہتے ہیں۔اس کی دو علامتیں ہیں۔ایک 'لا' دوسرے 'صلے' جب کہ رؤوس آیت پر واقع نہ ہوں۔پس قرآن کریم کو معرفت وقف وابتداء ومعرفت اعادہ ووصل کے ساتھ مثل تجوید کی رعایت سے پڑھنا نہایت ضروری ہے۔

﴿ مَعْرِفَۃُ الرُّسُوْم ﴾

تیسرا باب ...... فصل اوّل

قرآنی رسم الخط یعنی رسمِ عثمانی کے بیان میں

خلیفۂ سوئم حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اِجماع سے قرآن مجید کے جو متعدد نسخے لکھوا کر بڑے بڑے اِسلامی شہروں میں بھیجے تھے، وہ مصاحف قرآن جس طریقے پر لکھے گئے تھے اس کو علمائے عظام اور قرائے کرام کی اصطلاح میں قرآن کا رسم الخط؛ نیز رسم عثمانی بھی کہا جاتا ہے۔ اس باب میں رسم الخط سے یہی مراد ہے۔

یہاں میں اس بات کی وضاحت بھی کرتا چلوں کہ رسمِ عثمانی کی جو نسبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف کی گئی ہے وہ بنیادی طور پر مجازاً ہے؛ ورنہ در حقیقت قرآنِ مجید کا رسمٗ جسے صحتِ قراءت کے لیے ایک لازمی شرط قرار دیا گیا ہے، یہ بنیادی طور پر وہ طریقۂ کتابت ہے جو معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کو خود اِملا کروایا تھا۔ اس کے بعد وہ صحابہ کے پاس متعدد صورتوں میں موجود رہا۔

یہی وجہ ہے کہ علم الرسم کی جمیع کتب میں رسم عثمانی کی تعریف میں ماہرین فن نے بالاتفاق وضاحت کی ہے کہ عثمانی رسم الخط کے معنی یہ ہیں کہ قرآنی کلمات کو حذف وزیادت اور وصل وقطع کی پابندی کے ساتھ اس شکل پر لکھنا جس پر دورِ عثمانی میں صحابۂ کرام کا اِجماع ہو چکا ہے اور جو تواتر کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سانحہ ارتحال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کتابت اور رسم الخط کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مشورے سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں ایک جگہ اکٹھا کردیا اور حکومتی حفاظت میں لے لیا؛ تاکہ وہ طرزِ کتابت جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے زمانے میں لکھوا کر محفوظ کروا چکے تھے، غیر محفوظ ہوکر ضائع نہ ہوجائے۔

پھر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآنِ مجید کے حوالے سے اِختلافات ظہور پذیر ہوئے تو ان اختلافات کو حل کرنے کے لیے حضرت عثمان نے اُمت کے اندر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لکھوائے ہوئے اس رسم کو - جسے حضرت ابوبکر نے یکجا کرلیا تھا - حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے منگوایا اور ایک تحقیقی کمیٹی بناکر دوبارہ نظرِ ثانی کروا کر لوگوں کے لیے ایک 'معیار' کے طور پر بطورِ قانون نافذ کردیا؛ تاکہ آج کے بعد قرآن کے حوالے سے جو بھی اختلاف رونما ہو اس کو اس 'معیاری رسم الخط' پر پیش کرکے دیکھ لیا جائے، اگر یہ رسم اس کو قبول کرے تو اس کو بطورِ قرآن قبول کرلیا جائے؛ ورنہ رد کردیا جائے۔

کتابت و رسم ایک فن ہے اور اس کے قواعد واُصول مرتب ہیں۔ جس طرح ہمارے ملک میں ہماری اپنی زبان کے قواعد واصول ہیں جیسے کہ لفظ خود اور خویش کے اندر واؤ مرسوم ہے، ان الفاظ میں واؤ خلاف عقل وتلفظ ہے مگر واؤ کے ساتھ لکھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی مذکورہ الفاظ کو اس طرح لکھے جیسے خد، خیش، تو معنوی اعتبار سے بھی یہ لفظ بگڑ جائیں گے بلکہ لکھنے والا بھی قواعد سے ناواقف سمجھا جائے گا۔ اسی طرح کلام اللہ کے رسم کے سلسلے میں متعدد تصانیف کے اندر اس کے اصول وقواعد کو بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً شیخ اَبوحاتم ابوبکر بن ابي داؤد، ابن مہران، علامہ دانی، ابن نجاح، علامہ شاطبی اور حافظ ابوالعلا ہمدانی وغیرہم ائمہ کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ اور تصنیف و تالیف کا یہ مبارک سلسلہ دوسری صدی ہجری کے

اوائل ہی سے شروع ہو چکا تھا، اور بحمد اللہ تا حال جاری ہے۔

تو جس طرح اپنی زبان میں رسم کی پابندی ضروری ہے اسی طرح کلام اللہ کے رسم خط کی پابندی بھی ضروری ہے مثلاً موسیٰ اور یحییٰ کے الفاظ کی رسم یا کے ساتھ ہے، ان کو اسی طرح لکھنا اور جن کلمات میں رسم خلاف تلفظ ہے، ان میں بھی رسم کی پابندی بے حد ضروری ہے اس کے خلاف لکھنا تحریف ہے جو کہ حرام ہے۔ قراء وقف میں رسم خط کا اتباع کرتے ہیں۔ محقق ابن جزری علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ وقف میں اتباعِ رسم' اَئمہ سے نصاً مروی ہے، اور اہل اَدا کا اس پر اجماع ہے، اس کے خلاف کوئی قول نہیں پایا جاتا، یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ مع اپنے رسم کے بالکل اسی طرح محفوظ ہے، جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم اور املا سے ثابت اور منقول ہے۔

رسم خط قرآن اَسرارِ الٰہیہ میں کا ایک سِر ہے کہ اس کی صحیح مراد کا علم تو اللہ یا اس کے بتائے سے اُس کے رسول کو ہے۔ یہ رسم قرآنی ایسی عجیب چیز ہے کہ عقل انسانی اس کے غوامض و نکات سے حیران ہے۔ عربی کا مشہور مقولہ ہے: **خطان لا یقاسان خط القوافی و خط القراٰن** . نیز یہ اسی رسم قرآنی ہی کا کمال ہے کہ جملہ قراءتیں اسی کے ذریعہ پڑھی جاتی ہیں۔ اسی رسم قرآنی کو رسم عثمانی بھی کہتے ہیں؛ کیوں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں جمع قرآن کے سلسلے میں قرآن کریم کے رسم الخط کا بڑا ہی اہتمام فرمایا تھا۔

علم رسم کے لیے بنیادی طور پر خط اور رسم الخط کے مابین فرق سمجھنا ضروری ہے۔ چنانچہ ''خط'' کہتے ہیں: کسی کلمہ کو حروف ہجا کی ترکیب سے بہ رعایت وقف وابتدا' مطابق تلفظ کے لکھنا۔ جب کہ ''رسم'' کلمہ کو حروف ہجا کی ترکیب سے رسم عثمانی کے موافق لکھنے کو کہتے ہیں۔

حضور معلم کائنات ﷺ کا یہ کھلا معجزہ ہے کہ آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں

مگر اس کے باوجود جس طرح آپ نے صحابہ کرام کو قرآن کا پڑھنا سکھایا اسی طرح اس کے لکھنے کے طریقے بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں :

حضور اقدس ﷺ نے کاتب وحی حضرت معاویہ سے فرمایا کہ دوات کھلا رکھو تاکہ بوجہ تنگی دقت نہ ہو اور قلم پر تر چھا خط لگاؤ، اور بسم اللہ کی 'با' کو خوب بڑی لکھو، سین کے دندانوں کو بھی واضح کرو، میم کی آنکھ کو خراب نہ کرو، اللہ کو خوبصورت لکھو، اور رحمٰن کو یعنی اس کے نون کو دراز نہ کرو، اور الرحیم کو بھی عمدگی سے لکھو۔

آگے فرماتے ہیں :

و ضع قلمک علی أذنک الیسریٰ فانه أذکر لک .

یعنی قلم کو بائیں کان پر رکھو کیوں کہ اس میں یادداشت زیادہ ہے۔

(تفسیر درمنثور:۲۸......مناہل العرفان:۲۶۰......کنزالعمال:۵۳۹/۱۰حدیث:۲۹۵۶۶......الکامل ابن عدی:۲۹۴/۴)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسم الخط کی باریکیاں کس تفصیل سے معلوم تھیں اور آپ نے قرآن کی حسن کتابت میں کس قدر اہتمام فرمایا؛ چنانچہ رسم الخط کے ساتھ خط کے متعلق بھی آپ نے حکم صادر فرمایا ہے :

من کتب بسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم مجودۃ غفر اللّٰه له .

یعنی جو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو خوب عمدہ اور سنوار کر لکھے گا اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے گا۔ (درمنثور:۲۷، الاتقان:۴۳۲، طبقات المحدثین:۳۸۵/۳حدیث:۹۳۹)

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ رسم الخط کے ساتھ خوش خطی بھی سرکار کے پیش نظر تھی۔

خط اور رسم الخط کی تعریف سے معلوم ہوگیا کہ رسم خط میں مصحف سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع اصل ہے۔ اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی کتابت میں اس کا اہتمام بلیغ فرمایا ہے کہ کلام اللہ کا جو کلمہ سرکار دو عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق جیسا لکھا گیا ہے اس کو ویسا ہی لکھا جائے کیوں کہ لوحِ محفوظ سے بہ واسطۂ جبرئیل امین اسی انداز پر لکھنا آپ ﷺ تک پہنچا تھا، اس میں کسی کے اجتہاد و عقل کو کوئی دخل نہیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ ائمہ امت نے رسم عثمانی کے خلاف قرآن کریم لکھنے کو ناجائز قرار دے دیا ہے۔

شیخ مکی نے اپنی کتاب ''نہایۃ القول المفید'' میں ایک قول نقل فرمایا ہے :

قال الامام احمد بن حنبل رحمه اللّٰه تعالیٰ تحرم مخالفة خط العثمانی فی واؤ أو یا أو الف أو غیر ذالک و فی شرح ابن غازی وقد نقل الجعبری وغیره اجماع الائمة الاربعة علی وجوب اتباع مرسوم المصحف العثمانی . (۲۳۸)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واؤ، یا اور الف وغیرہ کی کتابت میں رسم عثمانی کی مخالفت حرام ہے۔ اور شرح ابن غازی میں حضرت جعبری وغیرہ سے منقول ہے کہ رسم عثمانی کا اتباع واجب ہونے کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کا اجماع و اتفاق ہے۔

فائدہ: جس طرح حروف مقطعات و آیات متشابہات کی صحیح مراد کے نامعلوم ہونے کے باوصف ہم اُسے تسلیم کرتے، پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اور اس میں کسی طرح کے تغیر و تبدل کو جائز نہیں رکھتے بلکہ تا حد امکان اس کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں، اسی طرح یہ رسم خطِ قرآن بھی اسرار الٰہیہ میں کا ایک سِر ہے، اس کی باریکیاں عقل کی کسوٹی پر نہ اُترنے کے باوجود بھی اسے بلا چون و چرا تسلیم کر لینا چاہیے، اور اس کے درست ہونے پر ایمان رکھنا چاہیے۔ قرآن مجید کا یہ رسم الخط توقیفی اور سماعی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مسموع، آپ کے امر و املا سے ثابت و منقول اور لوحِ محفوظ کی ہیئت کتابت اور رسم الخط کے مطابق منزل من اللہ ہے، اس کے اندر کسی قیاس اور کسی کے رائے کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔

موضوع : نقوشِ قرآنی۔

غرض وغایت : صحت رسم وقراءت۔

رسمِ قرآنی کی دو قسمیں ہیں : (۱) رسمِ قیاسی (۲) رسمِ غیر قیاسی

رسم قیاسی : یعنی لفظ کا رسم تلفظ کے مطابق ہو جیسے مَلِکِ النَّاسِ وغیرہ۔

رسم غیر قیاسی : یعنی مرسوم مطابق تلفظ کے نہ ہو یا خلاف اصل ہو۔

خلافِ اصل کی بھی دو صورتیں ہیں: پہلا خلاف عقل مرسوم ہو جیسے اَفَائِنْ مَّاتَ وغیرہ کہ ایک یا زائد ہے۔ دوسرے خلاف قاعدہ مرسوم ہو جیسے بِئْسَمَا پھر خلافِ مقرو کی بھی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ مرسوم حرف پڑھنے میں نہ آئے جیسے لَا اَنْتُمْ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ حرف مرسوم نہ ہو مگر پڑھا جائے جیسے دَاوٗد وغیرہ۔

رسمِ غیر قیاسی کی دو قسمیں ہیں : (۱) رسمِ اِصطلاحی (۲) رسمِ اِحتمالی

رسم اصطلاحی : یعنی جس کلمہ میں دوسری قراءت نہ پائی جا سکے جیسے لَاْاَذْبَحَنَّهٗ وغیرہ کہ اس کلمہ میں لام کے بعد الف بالاتفاق نہیں پڑھا جائے گا۔

رسم احتمالی : یعنی جس کلمہ میں دوسری قراءت کے پائے جانے کا احتمال ہو جیسے کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ وغیرہ۔

رسمِ قیاسی کی دو قسمیں ہیں: (۱) قیاسی مطلق (۲) قیاسی مقید۔

قیاسی مطلق : یعنی مرسوم بالاتفاق مقرو کے مطابق یا اصل کے موافق ہو جیسے مَلِکِ النَّاس وغیرہ۔

قیاسی مقید : یعنی مرسوم کسی خاص قراءت میں ملفوظ کے موافق ہو جیسے مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ وغیرہ بحذف الف۔

فائدہ : رسمِ غیر قیاسی کی واقع ہونے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں: (۱) وصل (۲) ابدال (۳) حذف (۴) اثبات۔

وصل : یعنی دوکلموں کوملا کرلکھنا جیسے بِئْسَمَا وغیرہ۔اوراگردو کلمے الگ الگ ہوں تو اس کومقطوع کہیں گے جیسے اِنَّ مَـــا وغیرہ۔پس جن دوکلموں کوملا کر لکھا جائے تو ان میں پہلے کلمہ پر وقف ہرگز جائز نہیں بلکہ عندالضرورت دوسرے کلمہ پر وقف کیا جائے گا،اس کووقف علی الوصل کہتے ہیں۔

ابدال : یعنی ملفوظ حرف کی جگہ دوسرا حرف مرسوم ہو جیسے اَلــرِّبَـوٰی ، فَسَوّٰی وغیرہ ایسے کلمات پر وقف ہوتو اس کو وقف علی الابدال کہیں گے،اس صورت میں وقف مخالف رسم ہوگا۔

حذف : یعنی کسی حرفِ مقروکونہ لکھنا جیسے سَــلٰـم وغیرہ۔یہ تین طرح پر واقع ہوگا۔اول یہ کہ الف حذف ہو جیسے بَلٰغ وغیرہ۔دوم یہ کہ واؤ حذف ہو جیسے تَلْوٗ وغیرہ۔سوم یہ کہ یا حذف ہو جیسے یَسْتَحْیٖ وغیرہ۔

اثبــات : یعنی کسی حرف غیر مقرو کولکھنا اس کی دوصورتیں ہیں:اول یہ کہ اثبات الف ہو جیسے لٰکِـنَّـا ، اَلـظُّنُوْنَـا ، اَلـرَّسُوْلاَ، اَلسَّبِیْلاَ، سَلاَسِلاَ، قَـوَارِیْرَا، ان کلمات مذکورہ پر وقف موافق رسم اوراثبات الف کے ساتھ ہوگا اس کووقف بالاثبات کہیں گے۔دوم اثبات یا جیسے بِلِقَاۤئِ رَبِّهِمْ وغیرہ۔

ثَـمُـوْدَاْ، نَبْلُوَاْ، نَدْعُوَاْ وغیرہ کے مثل جوالف کہ قراءۃً ثابت نہ ہوں،اسی طرح تِـلْقَایِ اوربِـلِـقَایِ رَبِّهِمْ وغیرہ کے کلمات کہ الف ویا کسی بھی صورت میں ثابت نہیں،لہٰذا ان مذکورہ جگہوں پر وقف بالحذف ہوگا اورمخالف رسم ہوگا۔

ھایے ضمیر کا بیان

(۱) جب ہائے ضمیر سے پہلے زیر یا یائے ساکنہ ہوتو ہائے ضمیر کو زیر دیا جائے گا جیسے بِهٖ، اِلَیْهِ وغیرہ۔

یہ ایک قاعدہ ہوا لیکن قرآن پاک میں چار کلمات اس قاعدہ کے خلاف آئے ہیں: ''وَمَا اَنْسَانِیْهُ (۱) '' . '' عَـلَیْـهُ اللّٰه'' . ''اَرْجِهْ'' . ''فَاَلْقِهْ'' (۲) پہلی دو مثالوں میں ضمیر پر پیش ہے۔اور آخر کی دو مثالوں میں ہائے ضمیر ساکن ہے۔

(۲) جب ہائے ضمیر کے ماقبل نہ کسرہ ہو نہ یا ساکنہ تو ہائے ضمیر مضموم ہوگی۔جیسے لَهٗ، رَسُـوْلُـهٗ ، مِنْـهُ ، اَخَـاهُ وغیرہ۔مگر قرآن پاک میں ایک جگہ اس کے خلاف آیا ہے۔مثلاً وَ یَتَّقْهِ فَاُولٰئِکَ۔اس مثال میں ہا مکسور ہے۔

(۱) اُصولاً تو مکسور ہونا چاہیے تھا مگر خلافِ اصول یہ دونوں مضموم ہوں گے۔وجہ یہ ہے کہ ضمہ دینا ہا کی اصل حرکت (ضمہ) کی رعایت کی وجہ سے ہے تا کہ ہا میں اصل ضمہ ہونے کی طرف اشارہ ہو جائے اور کسرہ تو ماقبل کے کسرہ اور یا ساکنہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔دوسری وجہ یہ کہ توالیِ کسرات کی وجہ سے زیر نہیں دیا گیا،اور ہا ضمیر کے لیے ضمہ اصل ہونے کی وجہ سے ضمہ دیا گیا۔رہا عـلیـهُ اللّٰه تو اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ اصل میں ''عَلٰهُ اللّٰه'' ہے اور الف کے بعد ہا ضمیر مضموم ہی ہوتی ہے۔۱۲ منہ-عُفی عنہ-

☆ جب کہ عرفا نے لطائف قرآنیہ کے تحت اس کی بڑی نفیس شرح فرمائی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ عربی قواعد کی رو سے تو لفظ 'علیہ' کی ہ کو مکسور ہونا چاہیے کہ یہ مفرد غائب کی ضمیر ہے اور اس سے پہلے علٰی حرف جار ہے؛ مگر یہاں پر ہ کا کسرہ 'ضمہ کے ساتھ ایک خاص وجہ سے بدل دیا گیا؟۔دراصل صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ o (سورۂ فتح:۴۸/۱۸)

اور پھر تاجدارِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی پندرہ سو صحابہ کرام کی جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا :

انتم الیَوم خیرُ اهْلِ الارضِ . تم آج روئے زمین کے سب سے بہتر لوگ ہو۔(صحیح مسلم)

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صحابہ کرام کو یہ شرف بخشا اور فرمایا:یَدُ اللّٰهِ فَوقَ اَیْدِیْهِمْ o (اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے)۔تو بس اِس شرف وفضیلت اور منزلت ورفعت نے ہ کے کسرہ کو ضمہ سے تبدیل کر دیا؛ چونکہ کسرہ 'رفعت کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔اسی بنا پر اس کا نام 'ہاء الرفعۃ' رکھا گیا ہے۔

(۲) صاحب علم الصیغہ نے ان کے سکون کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ اور فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ میں ہائے ضمیر کو جب بعد والے کلمہ سے وصل کر کے پڑھا جائے تو فِعِل کا وزن پیدا ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ فِعِل کا وزن اصلی ہو یا صوری' عین کلمہ کو ساکن کرنا جائز ہے، پس قاعدہ کے مطابق یہاں ہائے ضمیر کو ساکن کیا گیا ہے۔ ۱۲ منہ-عُفی عنہ-

(۳) جب ہاضمیر کے ماقبل اور مابعد دونوں طرف حرکت ہو، تو ہاضمیر میں صلہ ہوگا۔ یعنی ضمیر پر اگر پیش ہو تو واؤ یعنی اُلٹا پیش زائد کر کے پڑھیں گے۔ اور اگر ضمیر پر زیر ہو تو یا یعنی کھڑی زیر زائد کر کے پڑھیں گے۔ پیش کی مثال: رَسُوْلُهٗ اَحَقُّ ، جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ کسرہ کی مثال: مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وغیرہ۔ مگر ایک جگہ قرآن پاک میں اس کے خلاف آیا ہے۔ اور وہ یہ ہے: وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ اس میں صلہ نہ ہوگا یعنی الٹا پیش زائد کر کے نہ پڑھیں گے۔

(۴) اگر ہائے ضمیر کے ماقبل کوئی ساکن ہو، تو ہائے ضمیر کی حرکت میں اشباع نہ ہوگا۔ جیسے مِنْهُ ، عَنْهُ وغیرہ؛ مگر ایک جگہ سورۂ فرقان میں لفظ فِيْهٖ مُهَانًا [۱] میں اشباع ہوگا۔ (صلہ و اِشباع کی تعریف شروع کتاب میں ملاحظہ فرمائیں)

(۱) علمائے تجوید و قراءات اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت میں فیہ کے لفظ میں ہ کے نیچے کسرہ (یعنی کھڑی زیر) پڑھا جائے گی۔ عام دستور کے مطابق اگر ہ کے نیچے کسرہ ہو اور مابعد لفظ متحرک ہو تو ہ کو حرکتین کے مطابق لمبا کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر ہ کے بعد ہمزہ ہو تو ایسی صورت میں حرکتین سے بھی زیادہ لمبا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا صورت میں تو ہ کے بعد م ہے پھر بھی ہا کو حرکتین سے زیادہ لمبا کر کے پڑھنے کی آخر کیا وجہ ہے؟۔

تو مفسرین کرام نے اس نکتہ کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اگر اس آیت کے سیاق پر غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عبادُ الرحمٰن کی صفات بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ وہ شرک نہیں کرتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے، اور بدکاری میں ملوث نہیں ہوتے۔ پھر اس کے بعد یہ بتایا کہ جو شخص ان کبائر کا مرتکب ہوگا اسے شدید عذاب دیا جائے گا اور وہ جہنم کی آگ میں ذلیل و خوار کر کے ڈالا جائے گا۔ یہاں اعجازِ قرآن کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایسے ظالموں کو جہنم میں گرانے کا تذکرہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے 'فیہٖ' کے لفظ میں ہ کو مدہ پڑھنے کا حکم دے دیا۔ اس سے صوتی اَثرات بھی یوں محسوس ہوتے ہیں کہ جیسے کسی کو نہایت گہری جگہ پر ڈالا جا رہا ہے اور اس سے اسفل سافلین کے درجے تک پہنچایا جا رہا ہے۔ اس مناسبت سے اس ہ کا نام 'ہاءِ الخفض' رکھ دیا گیا۔ پوری آیت پاک یوں ہے :

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا، يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ٥ (فرقان:۶۹)

ھمزۂ وصلی کا بیان

ہمزۂ وصلی اور ہمزۂ قطعی کی پہچان میں لوگ عموماً خطا کر جاتے ہیں؛ اس لیے بغرض سہولت وآسانی یہاں اس کے محل وقوع کو ضبط تحریر میں لایا جارہا ہے۔

ہمزۂ وصلی قرآن کریم میں حسب ذیل اَسماواَفعال میں آیا ہے :

(۱) ثلاثی مجرد کے اَمر میں جیسے: اسمع ، امشو وغیرہ۔

(۲) ثلاثی مزید فیہ کے اَمر حاضر معروف میں جیسے: استنصر وغیرہ۔

(۳) ثلاثی مزید فیہ کے ماضی مجہول میں جیسے: اضطر، اجتثت وغیرہ۔

(۴) ثلاثی مزید فیہ کے ماضی معروف میں جیسے: استکبر وغیرہ۔

(۵) ثلاثی مزید فیہ کے اُن مصادر میں جن میں ہمزۂ وصلی کے بعد پانچ یا چھ حروف ہوں جیسے: استکبار، انفطار وغیرہ۔

(٦) اسماے سبعہ: ابن ، ابنة ، امرء ، اثنین ، امرأة ، اسم ، اثنتین ، اور لام تعریف کا ہمزہ۔

فصل دوم

مُتفرِّق قواعد کے بیان میں

فائدہ : قرآن پاک کے اندر چار لفظ ایسے ہیں کہ لکھے تو جاتے ہیں صاد سے اور اس کے اوپر چھوٹی سی سین بھی لکھی ہوتی ہے، مگر اس کے پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے سورۂ بقرہ میں لفظ **يَبْصُطُ**، سورۂ اعراف میں لفظ **بَصْطَةً** ان دونوں جگہوں میں بجائے صاد کے سین ہی پڑھنا چاہیے۔ تیسرا سورۂ طور میں، **اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ** اس میں اختیار ہے چاہے سین سے پڑھے یا صاد سے۔ چوتھا سورۂ غاشیہ میں **بِمُصَيْطِرٍ** اس میں صاد ہی پڑھنا چاہیے۔ گو کہ اس کے اوپر سین مرسوم ہوتی ہے۔

فائدہ : سورۂ رُوم میں آیۂ کریمہ : **اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفاً** میں تینوں جگہ لفظ **ضعف** کے ضادِ مضموم کو بروایت حفص زبر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے۔ لیکن کہیں زبر کہیں پیش، یہ جائز نہیں۔ البتہ لفظ **ضعف** کو زبر ہی کے ساتھ پڑھنا مختار ہے، کیوں کہ امام حفص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ضمہ والی روایت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے براہِ راست نہیں پہنچی بلکہ یہ بالواسطہ ثابت ہے۔

فائدہ : قاعدہ ہے کہ نون ساکن کے بعد واوٗ آئے تو ادغام مع الغنہ ہوتا ہے لیکن **یٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ** اور **نٓ ۝ وَالْقَلَمِ** میں نون ساکن کے بعد اگرچہ واوٗ آیا ہے لیکن ان دونوں جگہوں میں روایۃً اظہار ہی ہوگا۔ ہاں! بطریق جزری یہاں ادغام بھی ثابت ہے۔

وہ بعض مقامات جہاں الف وصل کی حالت میں نہیں پڑھا جاتا اور وقف کی حالت میں پڑھا جاتا ہے، یہ ہیں :

لفظ اَنَا[۱] ضمیر مرفوع منفصل، جہاں کہیں بھی آئے ـــــ اور اسی طرح لٰکِنَّا[۲] هُوَ اللّٰهُ جو سورہ کہف کے پانچویں رکوع میں ہے ـــــ اور سورۂ احزاب میں اَلظُّنُوْنَا، اَلرَّسُوْلَا، اَلسَّبِيْلَا ـــــ اور سورۂ دہر میں لفظ سَلٰسِلَا اور اس کا پہلا قَوَارِيْرَا[۳]۔ ان تمام لفظوں میں بحالت وصل الف نہیں پڑھا جاتا، اور حالت وقف میں پڑھا جاتا ہے۔ لیکن خاص طور سے سَلٰسِلَا کو بحالت وقف، وصل کی

---

(۱) بصریین کے نزدیک اَنَـــا اصل میں اَنَ یعنی بغیر الف کے ہمزہ اور نون سے ہے، اور الف اس کو قوی کرنے کے لیے زیادہ کر دیا گیا ہے۔ یا وقفاً نون کی حرکت ظاہر کرنے اور اسے باقی رکھنے کے لیے ہے۔ اور وصلاً الف کا حذف اصل کی بنا پر ہے............ اور کوفیین کی رائے پر اَنَـــا ضمیر تینوں حروف کا مجموعہ ہے۔ یعنی ان کے نزدیک کلمہ کی بِنا اسی طرح ہے، پس ان کے نزدیک وقفاً الف کا اثبات اصل کی بنا پر ہے، اور وصل کی صورت میں الف کا حذف تخفیف کی غرض سے۔

(۲) لٰکِنَّا اصل میں لٰکِنْ عاطفہ اور اَنَا واحد متکلم کی ضمیر سے مرکب ہے، ہمزہ کی حرکت نقل کر کے پہلے نون کو دے دی، اور ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اب لٰـکِـنْ نَا میں مثلین جمع ہو گئے اس لیے اول کو ساکن کر کے ثانی میں ادغام کر دیا لٰـکِـنَّـا ہو گیا، پس وصل میں الف کا حذف اصل کی بنا پر ہے، جیسا کہ ابھی اَنَا کی لفظی تحقیق کے بارے میں گزرا۔

(۳) الظـنـونا، الرسولا، السبيلا ان تینوں کلمات کے شروع میں اَلْ تعریف کا ہے، اس لیے ان کے آخر میں تنوین نہیں آسکتی، اور ان کے آخر میں جو الف ہے وہ سابق مجاور اور لاحق مجاور یعنی پہلے اور بعد والے فواصل کی رعایت کی بنا پر عماد کا الف ہے۔

مانند بغیر الف پڑھنا بھی مروی ہے مثل سَلاسِلُ [1]۔

چند وہ مقامات جہاں الف وقفاً وصلاً کسی حالت میں نہیں پڑھا جاتا، یہ ہیں :
سورۂ بقرہ میں اَوْ یَعْفُوَا سورۂ مائدہ میں اَنْ تَبُوْٓأَا سورۂ رعد میں لِتَتْلُوَا ، سورۂ کہف میں لَنْ نَّدْعُوَا ، سورۂ روم میں لِیَرْبُوَا ، سورۂ محمد میں لِیَبْلُوَا، نَبْلُوَا، اور سورۂ ہود و فرقان و عنکبوت و نجم میں ثَمُوْدَا ، سورۂ دہر میں دوسرا قَوَارِیْرَا۔ ان الفاظ کے آخر کا الف کسی حال میں بھی نہیں پڑھا جائے گا۔

فائدہ : پانچ کلمات ایسے ہیں کہ جن میں لکھا ہوا تو لا ہے یعنی لام کے بعد الف ہے مگر پڑھنے میں الف نہیں آتا ان کی تفصیل یہ ہے : لَاْ اِلَی اللّٰہِ [آل عمران: ۱۵۸] لَاْ اَوْضَعُوْا [توبہ: ۴۷] اَوْ لَاْ اَذْبَحَنَّهٗ [نمل: ۲۱] لَاْ اِلَی الْجَحِیْمِ [صٰفّٰت: ۶۸] لَاْ اَنْتُمْ [حشر: ۲۳] پس ان کلمات میں اگر الف پڑھا جائے گا تو کلمہ بجائے مثبت کے منفی ہو جائے گا اور معنی بالکل بدل جائیں گے۔

(۱) سَلٰسِلاَ حذف الف کے ساتھ وقف کرنے کی توجیہ یہ ہے کہ جس منصرف اسم پر تنوین نہ ہو قیاس کی رُو سے اس پر وقف الف کے بغیر سکون ہی سے ہوتا ہے، اس قاعدہ کی رو سے سَلٰسِلا پر وقف الف کے بغیر ہوگا، اور تنوین کا ترک اور وقفاً الف کا اثبات لاحق مجاور کی رعایت یعنی بعد والے کلمات اَغْلاَلاً اور سَعِیْراً کی رعایت اور مناسبت سے ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ الف کے حذف و اثبات کی دونوں نوعوں کے جمع کرنے کے لیے ہے۔ یہ سب توجیہات ''نکات بعد الوقوع'' کے طور پر ہیں، اور ہر جگہ توجیہ میں اس مفہوم کو ذہن میں رکھنے سے کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔ اسی طرح پہلا قَوَارِیْرا فواصل میں سے ہے، اور اس سورہ کے تمام فواصل کے آخر میں الف ہے، اور روایت حفص میں یہ غیر منصرف ہے جیسا کہ ابھی گزرا، اس لیے اس پر حفص کے لیے تنوین کے ترک اور الف کے اثبات سے (رعایت سجع کا اعتبار کرتے ہوئے) وقف ہوگا، اور یہی عمدہ بھی ہے۔ (معلم الاداء فی الوقف والابتداء: ۸۴تا۸۶)

'الف' نہ پڑھے جانے والے مقامات کا جدول

أَفَائِنْ مَّات	سورۂ آلِ عمران	پ۴	ع۶
لَا اِلَی اللّٰہِ	//	//	ع۸
اَنْ تَبُوْءَ ا	سورۂ مائدہ	پ۶	ع۹
مِنْ نَّبَایءِ الْمُرْسَلِیْن	سورۂ انعام	پ۷	ع۱۳
لَا اَوْضَعُوْا	سورۂ توبہ	پ۱۰	ع۷
ثَمُوْدَا	سورۂ ہود، فرقان، عنکبوت، نجم		
لِتَتْلُوَا	سورۂ رعد	پ۱۳	ع۱۰
لَنْ نَّدْعُوَا	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۴
لِشَایءٍ	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۶
لٰکِنَّا	سورۂ کہف	پ۱۵	ع۱۷
لَااَذْبَحَنَّهٗ	سورۂ نمل	پ۱۹	ع۱۷
لَا اِلَی الْجَحِیْمِ	سورۂ صافات	پ۲۳	ع۶
وَ نَبْلُوَا	سورۂ محمد	پ۲۶	ع۸
لَا اَنْتُمْ	سورۂ حشر	پ۲۸	ع۵
سَلَاسِلَا	سورۂ دہر	پ۲۹	ع۱۹
قَوَارِیْرَا	سورۂ دہر	پ۲۹	ع۱۹
لِیَرْبُوَا	سورۂ روم	پ۲۱	ع۷
اَنَا	(ضمیر واحد متکلم منفصل) جہاں کہیں بھی آئے۔		

فائدہ : لفظ کَأَیِّن جو بظاہر نون ساکن ہے یہ اصل میں نون تنوین ہے جو مرسوم ہے، اوراس میں کاف تشبیہ کا ہے۔اس لفظ کے سوا مصحف عثمانی میں کہیں تنوین نہیں لکھی گئی، اور قاعدے سے یہاں وقف کی حالت میں تنوین حذف ہونی چاہیے۔ مگر چوں کہ وقف' رسم خط کے تابع ہوتا ہے، اور یہاں مرسوم ہے اس وجہ سے وقف میں تنوین ثابت رہے گی۔

فائدہ : نونِ خفیفہ کلام اللہ میں دوجگہ ہے ایک سورۂ یوسف میں وَ لِیَکُوۡناً مِّنَ الصّٰغِرِیۡنَ ،اوردوسرے سورۂ اِقراۡ میں لَنَسۡفَعاً بِالنَّاصِیَۃِ، یہ دونوں نون وقف کی حالت میں الف سے بدل جائیں گے، کیوں کہ وقف' رسم خط کے تابع ہوتا ہے۔

فائدہ : سورۂ یوسف کے دوسرے رکوع میں لفظ لَا تَاۡمَنَّا عَلٰی یُوۡسُفَ[1] آیا ہے۔اس کی اصل لَا تَاۡمَنُنَا تھی یعنی دو نون کے ساتھ، پہلا مضموم، دوسرا مفتوح اوراس میں لا نافیہ ہے۔اس کے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں۔(۱) محض ادغام (۲) محض اظہار (۳) ادغام مع الاشمام (۴) اظہار مع الروم۔اول ودوم جائز نہیں ہے، اور آخر کے دو یعنی ادغام مع الاشمام اوراظہار مع الروم جائز ہے۔اوراس میں بھی ادغام مع الاشمام اولیٰ ہے۔

فائدہ : حروفِ مقطعات پورے پورے اورا لگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔اور مقطعات کے معنی بھی یہی ہیں کہ کٹے کٹے یعنی الگ الگ پڑھے جانے والے حروف، اوراسی وجہ سے ان کو مقطعات کہتے ہیں۔پس سورۂ اعراف کے شروع میں الٓمٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: الف، لآم، میٓم ،صادٓ۔اورسورۂ مریم کے

(۱) لَا تَاۡمَنَّا میں لا نافیہ ہے کیوں کہ اگر لائے نہی ہو تو پھر پہلا نون چونکہ لام کلمہ ہے، اس لیے ساکن ہوجائے گا اور بقاعدۂ یرملون ادغام واجب ہوگا۔اسی لیے یہاں ادغام کے ساتھ اشمام کو لازم قرار دیا گیا ہے، تاکہ اصل کی طرف اشارہ ہو کہ اصل میں نون مضموم ہے ساکن نہیں ہے اور جب نون کو مضموم پڑھا تو لا کا نافیہ ہونا ظاہر ہوگیا کیوں کہ لائے نہی اپنے آخر کو جزم دیتا ہے، مگر لائے نافیہ نہیں۔ ۱۲ منہ

شروع میں کٓهٰیٰعٓصٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: کاف، ھا، یا، عینٓ، صادٓ۔ سورۂ شوریٰ کے شروع میں حٰمٓ عٓسٓقٓ کا تلفظ اس طرح ہوگا: حا، میمٓ، عینٓ، سینٓ، قآف ۔ اور باقی حروف مقطعات کو بھی یوں ہی الگ الگ کر کے پڑھا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان حرفوں کا تلفظ بالکل اسی طرح کرنا چاہیے جس طرح کہ قاعدہ میں حروف تہجی کا تلفظ کیا جاتا ہے پھر ان میں سے جن میں بیچ کا حرف مدہ یا لین ہے ان میں تین یا پانچ الفی طول بھی ہوتا ہے۔ اور ایسے ہی ان حروف میں جہاں جہاں ادغام یا اخفا کا قاعدہ پایا جاتا ہے وہاں ان قاعدوں کو ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے مثلا الٓمٓ میں ادغام کا، اور حٰمٓ عٓسٓقٓ میں اخفا کا قاعدہ پایا جاتا ہے۔

فائدہ : کٓهٰیٰعٓصٓ، حٰمٓ، عٓسٓقٓ کے عین اور سین کے نون ساکنہ ملفوظہ میں مدفرعی کے بعد اخفا ہوگا، اور طٰسٓمٓ کے سین کے نون کا میم میں ادغام ہوگا اور طٰسٓ ۚ تِلْکَ میں وصلا اخفا ہوگا اور بحالت اخفا و ادغام ایک الف کے برابر غنہ بھی ہوگا۔

تلاوت کے محاسن

نمبر شمار	نام	تعریف و توضیح
۱	تَرْتِیْل	قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر تمام قواعد تجوید کی رعایت کر کے پڑھنا۔
۲	تَجْوِیْد	حروف کو ان کے مخارج سے مع جمیع صفات ادا کرنا۔
۳	تَبْیِیْن	یعنی ہر حرف کو واضح اور صاف طور سے ادا کرنا۔
۴	تَرْسِیْل	ہر حرف کو ایسے ہی ادا کرنا جیسے اس کی ادائیگی کا حق ہے۔

۵	تَوْقِیْر	قرآن نہایت خشوع وخضوع اور پورے وقار کے ساتھ پڑھنا۔
۶	تَحْسِیْن	لحنِ عرب کے موافق تجوید کی پوری رعایت کر کے پڑھنا۔

تلاوت کے عیوب

نمبرشمار	نام	تعریف و توضیح	حکم
۱	تَخْلِیْط	حدر میں اس قدر جلدی کرنا کہ حروف سمجھ میں نہ آئیں	حرام
۲	تَطْنِیْن	گنگنی آواز سے پڑھنا اور ہر حرف کو ناک میں لے جانا	حرام
۳	تَھْمِیْز	ہر حرف میں ہمزہ ملا دینا	حرام
۴	تَعْوِیْق	کلمے کے درمیان میں وقف کر کے بعد سے ابتدا کرنا	حرام
۵	عَنْعَنَہ	ہمزہ یا کسی اور حرف کے ساتھ عین کی آواز ملا دینا	حرام
۶	ھَمْھَمَہ	کسی حرف مخفف کو مشدد پڑھنا	حرام
۷	زَمْزَمَہ	گانے کے طور پر پڑھنا	حرام
۸	تَرْقِیْص	آواز کو نچانا۔ اگر یہ تجوید کے مطابق ہے تو مکروہ۔ ورنہ	حرام
۹	تَمْطِیْط	یعنی ترتیل میں مدات وحرکات وغیرہ میں حد سے زیادہ دیر کرنا	مکروہ
۱۰	تَنْفِیْش	حرکات کو پورا نہ ادا کرنا	مکروہ
۱۱	تَمْضِیْغ	حرکات کو چبا چبا کر پڑھنا	مکروہ
۱۲	وَثْبَہ	پہلے حرف کو ناتمام چھوڑ کر دوسرے حرف کو شروع کر دینا	مکروہ

طریقۂ اجرا بروایت حفص

جب تجوید وقراءت کے مسائل خوب اچھی طرح ذہن نشین ہوجائیں، طلبہ کے اندر پختگی آجائے، اور وہ مدودواوقاف کی صحیح معرفت کرنے لگیں، تب اساتذۂ کرام کو قواعد کا اجرا کرانا چاہیے، تاکہ طلبہ پوری دلچسپی کے ساتھ اسے روبعمل لائیں۔

طالبانِ دین کو اولاً تو معروف ومجہول کا فرق بتایا جائے کہ یہ ایک ایسی بلاے بے درماں ہے جس سے خواص کا دامن بھی آلودہ نظر آتا ہے، عوام کو کون پوچھے؟۔ اجرا کراتے وقت ہر ہر لفظ کے اندر تمام قواعد جاری کیے جائیں کہ کہاں کس حرف کا اظہار، کہاں ادغام اور کہاں کون سا مد ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ نمونے کے طور پر سورۂ فاتحہ کے ساتھ سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیتیں مع اجرا لکھی جاتی ہیں۔ اسی پر قیاس کر کے تمام قرآن کا اجرا کرایا جائے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

دونوں کا پڑھنا اس لیے ضروری ہے کہ قراءت وسورہ دونوں کا آغاز ہورہا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ شروع قراءت شروع سورہ میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ دونوں پڑھے جائیں گے۔ ان کے پڑھنے کی چار صورتیں ہیں: وصل کل ، فصل کل ، وصل اول فصل ثانی ، فصل اول وصل ثانی۔ لیکن چوتھی صورت اولیٰ ہے۔ تفصیل شروع کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اَلْحَمْدُ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ لام تعریف کے بعد حروف قمریہ میں سے کوئی حرف آئے تو لام تعریف کا اظہار ہوگا۔ اسی طرح میم ساکن

کا بھی اظہار ہے۔ کیوں کہ قاعدہ ہے کہ میم ساکن کے بعد میم اور با کے علاوہ اور کوئی حرف آئے تو اظہار ہوگا۔

لِلّٰهِ : اس میں لامِ اللہ کی ترقیق ہوگی۔ اس لیے کہ لفظ اللہ سے پہلے زیر ہے، اور لام اسم جلالت کی تفخیم صرف زبر اور پیش کی صورت میں ہوتی ہے۔

رَبِّ : را کے اوپر فتحہ ہونے کی وجہ سے را کو پر پڑھا جائے گا۔

الْعَالَمِيْنَ : لام تعریف کا اظہار ہوگا۔ قاعدہ اوپر گزر چکا۔ اس پر اگر وقف کیا گیا تو صرف وقف بالاسکان ہوگا۔ اور وقف کی حالت میں مد وقفی ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد سکون عارض ہو تو اس کو مد وقفی کہتے ہیں۔ مد عارض میں تین وجہیں یعنی طول، توسط، اور قصر جائز ہیں۔ لیکن طول اولیٰ ہے۔

فـائده : جس طرح قراءت ترتیل کے موافق طول اور قراءت حدر کے مطابق قصر ہے، اسی طرح قراءت تدویر کی مناسبت سے توسط کرنا چاہیے۔

اَلـرَّحْـمٰنِ : میں لام تعریف کا را میں ادغام ہوگا۔ اور را مشدد پر پڑھی جائے گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ لام تعریف کے بعد حروف شمسیہ میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام ہوگا۔ یعنی لام پڑھنے میں نہیں آئے گا، بلکہ را کے اندر ضم ہو جائے گا۔

تنبیه : 'الرحمٰن' میں میم اور نون کے درمیان جو الف ہے بعض لوگ اس الف میں بھی غنہ کر دیتے ہیں، اس سے احتراز چاہیے۔

اَلـرَّحِيْـمِ : اس میں بھی ادغام ہے، اور بحالت وقف 'وقف بالاسکان کے ساتھ ساتھ وقف بالروم بھی جائز ہے۔

مٰلِكِ : اس کے الف میں مد طبعی ہے۔

يَوْمِ الدِّيْنِ : میں یوم کا واو حرف لین ہے، جس کی مقدار واوِ مدہ سے کم ہے، اور لام تعریف کا دال میں ادغام ہے۔ بصورت وقف' وقف بالاسکان اور روم بھی

ہوسکتا ہے۔

اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ : میں لفظ ایاک کی تشدید کامل نہ ادا ہونے سے لحن جلی ہوگا اسی طرح و ایاک کا ہمزہ بھی بالکل صاف ادا ہونا چاہیے۔ بوجہ تشدید اس کی یا غیر مدہ ہے۔

نَسۡتَعِیۡن : اس پر وقف تام ہے۔ نستعین کی سین میں صفت صفیر ہے۔ اور بحالت وقف اس میں وقف بالا سکان، اشمام اور روم تینوں صورتیں جائز ہیں۔ اس طرح یہاں پر کل سات وجہیں جمع ہو جاتی ہیں: طول، توسط، قصر مع الاسکان، طول، توسط، قصر مع الاشمام اور قصر مع الروم۔

اِھۡدِنَا : کا اگر نستعین سے وصل کیا جائے تو ہمزۂ وصلی ہونے کی وجہ سے حذف ہو جائے گا، مگر یہاں وصل کرنا خلاف اولیٰ ہے۔

الصِّرَاطَ : میں لام تعریف کا ادغام ہے۔ اور آخری چاروں حرف پُر پڑھے جائیں گے۔

اَلۡمُسۡتَقِیۡمَ : میں بوجہِ وصل ہمزۂ وصلی گر جائے گا۔ لام تعریف کا اظہار ہے۔ اور بحالت وقف صرف وقف بالا سکان ہوگا، روم و اشمام جائز نہیں۔ حرف سین چونکہ ساکن ہے اس لیے دیگر صفات کے علاوہ صفت صفیر بھی کامل ادا ہونی چاہیے۔

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ : میں ہمزۂ وصلی محذوف ہے۔ دونوں جگہ لفظ 'صراط' کے صاد اور طا میں تفخیم مستقل ہے، اور را و الف میں غیر مستقل۔

اَنۡعَمۡتَ : میں نون ساکن کا اظہار 'عین' حروف حلقی کی وجہ سے اور اسی طرح میم ساکن کا اظہار 'ت' کی وجہ سے ہے۔

عَلَیۡھِمۡ : میں میم ساکن کا اظہار ہے، اور یائے لین ہے۔

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ : میں غین حرف مستعلیہ ہے جو ہمیشہ پُر پڑھا جائے گا۔ یا،حرف لین ہے۔را کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھی جائے گی۔المغضوب میں لام تعریف کا اظہار ہوگا۔غین، ضاد ہمیشہ پر پڑھے جائیں گے۔اور ضاد کے بعد کا واؤ مدہ بھی پُر ہوگا۔

وَلاَ الضَّآلِّيْنَ : میں ولا کے وصل کی وجہ سے الف اور ہمزہ وصلی دونوں حذف ہوجائیں گے۔اور لام تعریف کا ضاد میں ادغام ہے۔لام باریک ہے۔اور الف میں مدلازم کلمی مثقّل ہے۔قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد تشدید اسی کلمہ میں ہو،تو اس کو مدلازم کلمی مثقل کہتے ہیں۔اس کی مقدار تین اور پانچ الف ہے۔مگر یہاں بوجہ تدویر اس کی مقدار کشش تین الف ہوگی۔نون پر بحالت وقف مدعارض ہوگا۔البتہ ختم سورہ کا وصل کیا گیا تو صرف قصر ہوگا جس کی مقدار ایک الف ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع سورہ ہونے کی وجہ سے یہاں بسم اللہ ضروری ہے۔

قاعدہ یہ ہے کہ وسط قراءت شروع سورہ میں بسملہ کی جائز صورتیں تین ہیں: وصل کل ، فصل کل ، فصل اول وصل ثانی چوتھی صورت وصل اول فصل ثانی جائز نہیں۔تفصیل آغازِ کتاب میں مذکور ہوچکی۔

الٓـمّٓ : ایسے ہی حرفوں کا نام 'حروف مقطعات' ہے، جو بعض سورتوں کے شروع میں ہیں،اور الگ الگ پڑھے جاتے ہیں۔اس جگہ لام کے الف میں مدلازم حرفی مثقل اور میم کی یا میں مدلازم حرفی مخفف ہے۔اور میم کا میم میں ادغام ہے۔ اس لیے بقدر ایک الف غنہ واجب ہے۔اس میں تین قاعدے ہیں۔مدلازم کا طول بقدر تین تین الف ہوگا۔

ذَالِکَ : میں مد اصلی ہے۔

اَلْکِتَابُ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔

لاَ رَیْبَ : میں بحالت وقف مد لین عارض ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے کہ حرف لین کے بعد وقف کی وجہ سے سکون عارض ہو تو اس کو مد لین عارض کہتے ہیں۔ اس میں بھی تینوں وجہیں طول، توسط، قصر جائز ہیں لیکن قصر اولیٰ ہے۔

فِیْہِ : اگر اس پر وقف کیا گیا تو مد عارض ہوگا۔ اور اس لفظ کے دونوں جانب جو تین تین نقطے ہیں (لا ریب ∴ فیہ ∴) ان ہی کو علامتِ وقفِ معانقہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسے موقع پر یا تو وصل اول وقف ثانی کیا جائے یا وقف اول وصل ثانی۔

ھُدیً لِّلْمُتَّقِیْنَ : میں تنوین کا حرف لام میں ادغام ہے۔ اور دوسرے لام یعنی لام تعریف کا حروف قمریہ میں سے میم آنے کی وجہ سے اظہار ہے۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ : 'یومنون' کا ہمزہ بشکلِ واؤ لکھا ہے، جس کی تحقیق ہوگی۔ اگر جھٹکا صاف نہ ادا کیا گیا تو ابدال حرف کی تقصیر لازم آئے گی۔

بِالْغَیْبِ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔ اور یائے لین ہے۔

وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ : میں لام تعریف کا صاد میں ادغام ہے۔ اور اگر الصلٰوۃ پر وقف کر دیا گیا تو تاے مدورہ ہاے ساکنہ سے بدل جائے گی، اسی کو وقف بالابدال کہتے ہیں۔ یہاں پر وقف کی صورت میں مد لازم ہوگا۔

وَ مِمَّا : میں نون ساکن کا میم میں ادغام ہے اس لیے یہاں بوجہ میم مشدد غنہ کرنا واجب ہے۔

یُنْفِقُوْنَ : میں نون ساکن کا اخفا ہے۔ قاعدہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد الف و با اور حروف حلقی و یرملون کے علاوہ کوئی حرف آئے تو اخفا ہوگا۔ اس کی

ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اردو میں لفظ پنکھا، بانس، منگل وغیرہ الفاظ ادا کرنے میں ناک سے آواز نکلتی ہے، اسی طرح نکلے۔اور واؤ مدہ کو پر پڑھا جائے گا۔

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ : میں دونوں جگہ نون ساکن کا اخفا، اور دونوں 'ما' پر مدِّ منفصل ہے۔مدِّ منفصل کا قاعدہ یہ ہے کہ حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں واقع ہو۔امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے طریق' امام جزری کے نزدیک مدِّ منفصل پر مد نہ کرنا بھی ثابت ہے۔

مِنْ قَبْلِکَ : میں اخفا اور قلقلہ کا خیال رکھیں۔

وَ بِالْآخِرَةِ : میں لام تعریف کا اظہار، اور ہمزہ کی تحقیق ہے، اور ہمزہ کو تحقیق سے نہ ادا کیا گیا تو لام مشدد ہو جائے گا یا صورت نقل ہو جائے گی۔ جو روایت حفص میں جائز نہیں۔اور خا حروف مستعلیہ میں سے ہونے کی وجہ سے پر ہو گی۔اور را کی تفخیم اس پر زبر ہونے کی وجہ سے ہے۔قاعدہ ہے کہ را پر زبر یا پیش ہو تو را پر پڑھی جائے گی۔

هُمْ یُوْقِنُوْنَ : هُمْ میں میم ساکن کا اظہار ہے، یُوْقنون کے یُو میں مد اصلی ہو گا۔

اُولٰئِکَ : میں مدِّ متصل ہے۔اس میں صرف توسط ہو گا۔اور واؤ نہ پڑھا جائے گا۔

عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ : اس میں تنوین کا میم میں اور نون ساکن کا را میں ادغام ہے۔تنوین کا میم میں ادغام مع الغنہ اور نون کا را میں ادغام بلا غنہ ہو گا۔ پہلے کو ادغام ناقص اور دوسرے کو ادغام تام کہتے ہیں۔

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ : میں لام تعریف کا اظہار ہے۔اور بحالت وقف مد عارض بھی کیا جائے گا۔ (علیٰ هذا القیاس سائر آیاتِ القرآن الکریم)

قرآن حکیم کی تلاوت کیسے کرنی چاہیے؟

۱) تلاوت سے پہلے وضو کر لینا چاہیے؛ اس لیے کہ بغیر وضو کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّهُ لَقُرْاٰنٌ كَرِيمٌ، فِي كِتٰبٍ مَّكْنُونٍ، لاَ يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ، تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ . (سورۂ واقعہ: ۵۶/۷۷ تا ۸۰)

۲) تعوذ یعنی أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم پڑھنا چاہیے۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيْمِ . (سورۂ نحل: ۱۶/۹۸)
اگر کسی مجبوری سے بات کرنی پڑے تو قرآن پاک کو بند کر کے کی جائے اور اس کے بعد دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے بھی اعوذ باللہ پڑھ لینا چاہیے۔

۳) تعوذ کے بعد بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہیے کیوں کہ سورۃ العلق میں قرآن مجید کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ . (سورۂ علق: ۹۶/۱)
ہر نیک کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم حدیث میں بھی آیا ہے۔

۴) ترتیل ــــــ قرآن مجید کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً . (سورۂ مزمل: ۷۳/۴)
حضور اقدس -صلی اللہ علیہ وسلم- کی قراءت ایسے ہوتی تھی کہ آپ کا ایک ایک لفظ واضح اور جدا ہوتا تھا۔ (سنن ترمذی)

۵) تلاوت کرتے وقت مؤدب ہو کر بیٹھنا چاہیے، اور مسواک کے التزام کے ساتھ دل لگا کر تلاوت کرنی چاہیے، نیز قبلہ رُخ ہو کر اور اپنے آپ پر خشوع و خضوع کی کیفیت طاری کر کے پڑھنا چاہیے۔ ہاں! چہرے کا زاویہ وغیرہ نہ بدلنے پائے۔

۶) تدبر وتفکر کے ساتھ تلاوت کی جائے۔قرآن پاک میں ہے: أَ فَلاَ یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ . (سورۂ نساء:۸۲/۴) یہ بھی فرمایا : کِتٰبٌ أَنْزَلْنٰهُ إِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِیَدَّبَّرُوا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرُوا أُولُوا الأَلْبَابِ . (سورۂ ص:۳۸/۲۹)

۷) قرآن مجید کی تلاوت نہایت غور و فکر اور توجہ سے کی جائے ، اس میں نہ کسی طرف دھیان کیا جائے ، نہ بات کی جائے ، سننے والے کان لگا کر سنیں ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَ أَنْصِتُوا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُونَ . (سورۂ اعراف:۷/۲۰۴)

۸) نماز میں قرآن مجید اُسی ترتیب سے پڑھا جائے جس ترتیب سے اَب موجود ہے۔

۹) قرآن مجید کو اَچھی آواز کے ساتھ عمدگی سے پڑھنا چاہیے۔

حضرت ابو ہریرہ -رضی اللہ عنہ- کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے سنا۔آپ ﷺ فرماتے تھے: اللہ کو اپنے نبی کی زبان سے جس قدر حسن صوت اور عمدہ آواز سے قرآن مجید سننا پسند ہے، اور کوئی چیز اتنی پسند نہیں ۔(مشکوٰۃ المصابیح)

۱۰) جو شخص تلاوت کررہا ہو، باہر سے آنے والا اس کو سلام نہ کہے تا کہ اس کی توجہ تلاوت سے نہ ہٹے؛ اور اگر کہہ بھی دے تو قاری کو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

۱۱) قرآن بھول جانے کی صورت میں یہ نہ کہے کہ میں بھول گیا ہوں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مجھے کچھ بھلا دیا گیا ہے۔مطلب یہ کہ نسیان کا ذریعہ شیطان کو قرار دے۔

۱۲) قرآن مجید ختم کرتے وقت و الناس کے بعد دوبارہ الم سے شروع کرکے المفلحون تک پڑھنا چاہیے اور اس موقع پر نہایت عاجزی سے دعا کرنی چاہیے۔

۱۳) تلاوت ختم کرتے وقت صدق اللّٰہ العظیم کہا جائے کہ اللہ نے سچ فرمایا۔

۱۴) تلاوت کرنے کے معنی اتباع اور عمل کرنے کے لیے پڑھنے کے ہیں، اور قراءت کے معنی پڑھنے کے ہیں، اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ تلاوت کے ساتھ ساتھ عمل بھی جاری رہے۔

۱۵) قرآن مجید کی تلاوت کے دوران دعاؤں والی آیات اپنے اوپر وہی کیفیت طاری کرکے پڑھنا چاہیے جس کا دُعا تقاضا کرتی ہے۔

۱۶) جب تک تلاوت میں دل لگا رہے تلاوت جاری رکھنی چاہیے، اور جب یہ کیفیت نہ رہے تو موقوف کردینی چاہیے۔

۱۷) تین راتوں سے کم مدت میں قرآن مجید ختم کرنے کو سرکار ﷺ نے پسند نہیں کیا۔ آپ ﷺ کا فرمان حضرت عبداللہ بن عمر -رضی اللہ تعالیٰ عنہما- سے مروی ہے۔'جس نے تین راتوں سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے قرآن کو نہیں سمجھا'۔(سنن ترمذی)

۱۸) کثرت کے ساتھ ہمیشہ تلاوت کرتے رہنا چاہیے۔ارشاد ربانی ہے: يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ آنَاءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُونَ . (سورۂ آل عمران:۱۱۳/۳)

فجر کے وقت تلاوت کی فضیلت میں ارشادِ ربانی ہے : إنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوداً . (سورۂ بنی اسرائیل:۷۸/۱۷)

۱۹) جن لوگوں کی آواز اچھی ہو اور وہ تجوید کے اُصولوں کے مطابق پڑھتے ہوں ان سے وقتاً فوقتاً تلاوت سنتے رہنا چاہیے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے رسولِ پاک ﷺ نے قرآن پاک سنانے کی فرمائش کی تھی: اقْرَأ عليَّ القراٰن . تو اُنھوں نے عرض کی کہ آپ کے سامنے کیسے پڑھوں جب کہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا دل چاہتا ہے کہ دوسروں سے قرآن سنوں۔عبداللہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے سورۃ النساء پڑھی یہاں تک کہ جب اس آیت فَكَيْفَ إذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أمَّةٍ بِشَهِيْدٍ (سورۂ نسا:۴۱) پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: رُک جاؤ۔تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے اشکوں کے موتی رواں تھے۔(صحیح بخاری)

اللہ تعالیٰ ہمیں آداب واُصول کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

ختم قرآن کا طریقہ

قاری کو ختم قرآن کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایک یہ کہ جب سورۃ و الضحیٰ پر پہنچے، تو وہاں سے سورۃ و الناس تک کی ہر سورہ کے آخر میں اَللّٰہُ اَکْبَر کہے، اس کو ''تکبیر'' کہتے ہیں۔ یہ اگرچہ ضروری تو نہیں' تاہم ایک پسندیدہ اور اچھا عمل ہے پھر خواہ ختم ہونے والی سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے۔ تکبیر کو بسم اللّٰہ سے۔ اور بسم اللّٰہ کو اگلی سورہ سے ملا کر پڑھے یا ان سب پر وقف کر کے پڑھے یا کسی پر وقف کر کے اور کسی کو ملا کر پڑھے سب صورتیں جائز ہیں۔ جس طرح چاہے پڑھے۔ البتہ یہ ایک صورت جائز نہیں کہ سورہ کے آخری لفظ کو تکبیر سے اور تکبیر کو بسم اللّٰہ سے تو ملا کر پڑھا جائے اور الرحیم پر وقف کیا جائے کیوں کہ اگر پہلی دو چیزوں کو ملا دیا ہے تو اب الرحیم پر وقف کرنا جائز نہیں بلکہ اس کو اگلی سورہ سے ملا کر پڑھنا ہی ضروری ہے۔

بعض حضرات اَللّٰہُ اَکْبَر کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اور بعض ان دونوں کے ساتھ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ بھی پڑھتے ہیں، یہ اضافہ بھی جائز ہے مگر اس کا خیال رہے کہ اگر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھا ہے تب تو وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ تو نہ پڑھا جائے اور وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھ دیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ صرف اَللّٰہُ اَکْبَر، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَر۔ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ یہ تین صورتیں جائز ہیں لیکن صرف اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ جائز نہیں۔

اور دوسری بات یہ کہ سورۂ والناس کے آخر پر تلاوت ختم نہیں کر دینی چاہیے بلکہ اسی وقت اور اسی مجلس میں دوسرا قرآن مجید بھی شروع کر دینا چاہیے۔اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی چند ابتدائی آیات یعنی المفلحون تک پڑھ کر قراءت ختم کرنی چاہیے۔اس عمل کو حدیث پاک میں اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ سے تعبیر کیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں ایسا اُترنے والا جو اُترتے ہی پھر آغازِ سفر کر دے۔یعنی یہ شخص قرآن مجید کا ایسا ختم کرنے والا ہے کہ اس نے ختم کرتے ہی دوسرے قرآن کا آغاز کر دیا ہے، اور تلاوت قرآن سے اُکتایا نہیں۔

اَلْحَالُّ الْمُرْتَحِلُ والے عمل کو حدیث میں افضل الاعمال بتایا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تلاوت قرآن کو ہمارے لیے ذریعۂ نجات اور اپنے قرب کا سبب بنائے۔آمین۔

ختم قرآن کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔اور اپنی دنیوی واُخروی حاجتیں اس سے مانگنی چاہیے، اور قرآن کریم کی تلاوت میں عمداً وسہواً جو قصور وکوتاہیاں ہوئی ہوں ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے، اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔اللہ تعالیٰ بڑا غفورٌ رحیم اور بے حد مہربان ہے۔

دعاءہاے ماثورہ

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **لیس شئ أكرم على اللّٰه منَ الدُّعَاء.** اللہ کے نزدیک دعا سے بزرگ تر کوئی چیز نہیں۔ [ذیل المدعا:ص۵]

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: **عليكم عباد اللّٰه بالدُّعاء .** اے اللہ کے بندو! تم دعائیں کیا کرو۔ [فتاویٰ رضویہ:۳/۲۸۵]

ختم قرآن کے وقت دعاؤں کی قبولیت یقینی ہوتی ہے۔اس موقع پر سرور کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کا دعا مانگنا ثابت ہے اور بزرگانِ دین نے بھی بوقت ختم قرآن دارین کی سعادتوں کے لیے دعائیں مانگی ہیں،اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ سعادت ونجابت اور قبولیت واجابت کے اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں،اورحسب توفیق دین ودنیا کی ڈھیر ساری بھلائیاں مبدءِ فیاض پروردگار کی بارگاہ سے طلب کرلیں۔حدیث پاک میں آیا کہ ختم قرآن کے وقت پڑھنے والے کو ایک مقبول دعا عطا کی جاتی ہے،خواہ اس کا ثمرہ اسے دنیا میں مل جائے یا پھر اُسے آخرت میں نصیب ہو۔اسی طرح دارمی نے اپنی مسند میں حضرت حمید بن اعرج سے روایت کیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت کی جانے والی دعاؤں پر چار ہزار فرشتے 'آمین' کہتے ہیں۔ اور حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ ختم قرآن کے وقت متواتر رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ ختم قرآن کے وقت دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ (نهاية القول المفيد : ٢٩٩)

ذیل کی مندرجہ دعاؤں میں اکثر دعائیں معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تواتراً ثابت ہیں ، اور کچھ دعائیں وہ ہیں جنھیں بزرگانِ دین نے اپنے وظائف ومعمولات میں شامل فرمایا ہے۔اب لیجیے وہ دعائیں پڑھیے،کیف و سرمستی میں جھومتے جائیے،اوردنیا سے دل پاک کرکے خدا کی بارگاہ میں اس کی قبولیت کی امید رکھیے۔

اللّٰهم انفعنا و ارفعنا بِالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ وَ بَارِكْ لَنَا بِالآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ وَ تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۞ اَللّٰهُمَّ اجْعَلِ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قُلُوْبِنَا وَ نُوْرَ اَبْصَارِنَا وَ شِفَاءَ صُدُوْرِنَا وَذِهَابَ هُمُوْمِنَا وَ غُمُوْمِنَا وَمَغْفِرَةً لِّذُنُوْبِنَا وَقَضَاءً لِّحَوَائِجِنَا وَ سَائِقِنَا وَقَائِدِنَا اِلَيْكَ وَ اِلٰى جَنَّاتِكَ النَّعِيْمِ ۞ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ اللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا اِمَامًا وَّهُدىً وَّشِفَاءً وَّ رَحْمَةً ۞ اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنَا مِنْهُ مَا نَسِيْنَا وَعَلِّمْنَا مِنْهُ مَا جَهِلْنَا وَ ارْزُقْنَا تِلاوَتَهُ عَلَى النَّحْوِ الَّذِیْ يُرْضِيْكَ

عَـنَّا آنَاءَ الَّيْلِ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ حُجَّةً لَّنَا لاَ عَلَيْنَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ☆ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِى الاُمُوْرِ كُلِّهَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْىِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الآخِرَةِ ☆ اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَّتِكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِن الْيَقِيْنِ مَا تَهُوْنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا وَمَتِّعْنَا بِاَسْمَاعِنَا وَ اَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا اَحْيَيْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا وَاجْعَلْ ثَأرَنَا عَلٰى ظُلُمِنَا وَ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا وَلاَ تَجْعَلْ مُصِيْبَنَا فِى دِيْنِنَا وَلاَ تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرُ هَمِّنَا وَلاَ مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَ لاَ تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالسَّلاَمَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ وَّالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالْفَوْزَ بِالْجَنَّةِ وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْئَلُكَ فَوَاتِحَ الْخَيْرِ وَخَوَاتِمَهٗ وَجَوَامِعَهٗ وَ اَوَّلَهٗ وَآخِرَهٗ وَبَاطِنَهٗ وَظَاهِرَهٗ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى مِنَ الْجَنَّةِ ☆ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ وَارْحَمْنِىْ وَعَافِنِىْ وَارْزُقْنِىْ يَا حَىُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ وَمِنْ عَذَابِكَ اَسْتَجِيْرُ اَصْلِحْ لِىْ شَأنِى كُلَّهٗ وَلاَ تُكِلْنِىْ اِلٰى نَفْسِىْ طُرْفَةَ عَيْنٍ ☆ اَللّٰهُمَّ اَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَاهْدِنَا سَبِيْلَ الرَّشَادِ وَنَجِّنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ وَ جَنِّبْنَا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَبَارِكْ لَنَا فِىْ اَسْمَاعِنَا وَابْصَارِنَا وَقُلُوبِنَا وَاَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ . (تیجان القاری وسراج المبتدی للقاری حسن بن احمد الملیباری —ص : ۹۹، ۱۰۰)

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْزَلْتَهٗ شِفَاءً لِّاُوْلِيَائِكَ وَ شِقَاءً عَلٰى اَعْدَائِكَ وَغَمًّا عَلٰى اَهْلِ مَعْصِيَتِكَ فَاجْعَلْهُ لَنَا دَلِيْلاً عَلٰى عِبَادَتِكَ وَعَوْناً عَلٰى طَاعَتِكَ وَاجْعَلْهُ لَنَا حِصْنًا حَصِيْنًا مِّنْ عَذَابِكَ وَحِرْزًا مَّنِيْعًا مِّنْ سَخَطِكَ وَ نُوْرًا يَّوْمَ لِقَائِكَ نَسْتَضِىْٓءُ بِهٖ فِىْ خَلْقِكَ وَنَجُوْزُ بِهٖ عَلٰى صِرَاطِكَ وَنَهْتَدِىْ بِهٖ

اِلیٰ جَنَّتِکَ ☆ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِمَا صَرَّفْتَ فِیْهِ مِنَ الآیَاتِ وَذَکِّرْنَا بِمَا ضَرَبْتَ فِیْهِ مِنَ الْمَثُلاَتِ وَکَفِّرْ بِتِلاوَتِهٖ عَنَّا السَّیِّئَاتِ اِنَّکَ مُجِیْبُ الدَّعوَاتِ ☆ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْهُ اَنِیْسَنَا فِی الْوَحْشَةِ وَ مُصَاحِبَنَا فِی الْوَحْدَةِ وَمِصْبَاحَنَا فِی الظُّلْمَةِ وَ دَلِیْلَنَا فِی الْحَیْرَةِ وَ مُنْقِذَنَا فِی الْفِتْنَةِ وَ اعْصِمْنَا بِهٖ مِنَ الزَّیْغِ وَالاَھْوَاءِ وَکَیْدَ الظَّالِمِیْنَ وَمُعْضَلاَتَ الْفِتَنِ ☆ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا وَاھْدِنَا وَ عَافِنَا وَارْزُقْنَا وَ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصَّالِحِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ☆ اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ لِیْ دِیْنِیَ الَّذِیْ هُوَ عِصْمَةُ اَمْرِیْ وَ اَصْلِحْ لِیْ دُنْیَایَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَاشِیْ وَاَصْلِحْ لِیْ آخِرَتِیَ الَّتِیْ فِیْھَا مَعَادِیْ وَاجْعَلِ الْحَیَاةَ زِیَادَةً لِّیْ فِیْ کُلِّ خَیْرٍ اجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّی مِنْ کُلِّ شَرٍّ ☆ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ خَیْرَ عُمْرِیْ آخِرَهٗ وَ خَیْرَ عَمَلِیْ وَخَوَاتِمَهٗ وَخَیْرَ اَیَّامِیْ یَوْمَ اَلْقَاکَ فِیْهِ ☆ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ ارْضِ عَنَّا وَتَقَبَّلْ مِنَّا وَادْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَنَجِّنَا مِنَ النَّارِ وَاَصْلِحْ لَنَا شَأْنَنَا کُلَّهٗ ☆ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ خَیْرَ الْمَسْأَلَةِ وَ خَیْرَ الدُّعَاءِ وَخَیْرَ النَّجَاحِ وَخَیْرَ الْعَمَلِ وَخَیْرَ الثَّوَابِ وَخَیْرَ الْحَیَاةِ وَ خَیْرَ الْمَمَاتِ وَثَبِّتْنِیْ وَثَقِّلْ مَوَازِیْنِیْ وَحَقِّقْ اِیْمَانِیْ وَ ارْفَعْ دَرَجَاتِیْ وَ تَقَبَّلْ صَلاتِیْ وَاغْفِرْ خَطِیْئَتِیْ وَ اَسْئَلُکَ الدَّرَجَاتَ الْعُلیٰ مِنَ الْجَنَّةِ ☆ اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الاُمُوْرِ کُلِّھَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَ عَذَابِ الآخِرَةِ ☆ اَللّٰھُمَّ امْلأْ قَلْبِی بِنُوْرِکَ وَ أَنْوَارِ مُشَاهَدَتِکَ وَ جَمَالِکَ وَ کَمَالِکَ وَ مَحَبَّتِکَ وَ عِصْمَتِکَ وَ قُدْرَتِکَ وَ عِلْمِکَ یآ أَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنْ. (غیث النفع فی القراء ات السبع : للصفاقسی : ۳۳۶ تا۳۳۹)

اَللّٰھُمَّ اَخْرِجْنَا مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَھْمِ وَ اَکْرِمْنَا بِنُوْرِ الْفَھْمِ وَ افْتَحْ عَلَیْنَا بِمَعْرِفَةِ الْعِلْمِ وَ حَسِّنْ اَخْلاَقَنَا بِالْعِلْمِ وَ سَھِّلْ لَنَا اَبْوَابَ فَضْلِکَ وَانْشُرْ عَلَیْنَا خَزَائِنَ رَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنْ ☆ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ قَدِ

اسْتَوْدَعْتُکَ مَا عَلَّمْتَنِیْهِ فَارْدُدْهُ اِلَیَّ عِنْدَ حَاجَتِیْ اِلَیْهِ وَلاَ تُنْسَنِیْهِ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ☼ اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ عِلْماً اَفْقَهُ بِهٖ اَوَامِرَکَ وَ نَوَاهِیَکَ وَ ارْزُقْنِیْ فَهْمًا اَعْلَمُ بِهٖ کَیْفَ اُنَاجِیْکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ فَهْمَ النَّبِیِّیْنَ وَحِفْظَ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِلْهَامَ الْمَلاَئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ سَدِّدْنِیْ بِنُوْرِ الْفَهْمِ وَ اَخْرِجْنِیْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْوَهْمِ وَ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ وَ انْشُرْ عَلَیَّ حِکْمَتَکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ☼ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْعِلْمَ عِنْدَکَ وَ هُوَ عَنَّا مَحْجُوْبٌ وَّلاَ نَعْلَمُ أمْرًا نَّخْتَارُهٗ لأنْفُسِنَا وَ قَدْ فَوَّضنَا اِلَیْکَ أمُوْرنَا وَ رَفَعْنَا اِلَیْکَ حَاجَاتنَا وَ رَجَوْناکَ لِفَاقَاتِنَا وَ فَقْرِنَا فَأرْشِدْنَا یَا اللّٰهُ وَ ثَبِّتْنَا وَ وَفِّقْنَا اِلیٰ أحَبِّ الأمُوْرِ اِلَیْکَ وَ أحْمَدِهَا لَدَیْکَ فإنَّکَ تَحْکُمُ بِمَا تَشَاءُ وَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ وَ اَنْتَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَ لاَ حَوْلَ وَ لاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمْ .

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِالْخَیْرِ، وَاخْتِمْ لَنَا بِالْخَیْرِ، وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ أمُورِنَا بِالْخَیْرِ، بِیَدِکَ الْخَیْرُ وَالْعَافِیَةُ، إنَّکَ عَلیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ☼ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْنَا مَا یَنْفَعُنَا وَانْفَعْنَا بِمَا عَلَّمْتَنَا وَزِدْنَا عِلْمًا ☼ اَللّٰهُمَّ لاَ تَجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ فِیْ رِزْقِنَا اَحَداً سِوَاکَ وَاجْعَلْنَا اَغْنیٰ خَلْقِکَ بِکَ وَافْقَرَ عِبَادِکَ اِلَیْکَ وَهَبْ لَنَا غِنیً لَّا یُطْغِیْنَا وَصِحَّةً لَّا تُلْهِیْنَا وَ اَغْنِنَا عَمَّنْ اَغْنَیْتَهٗ عَنَّا وَاجْعَلْ آخِرَ کَلاَمِنَا شَهَادَةَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتَوَفَّنَا وَاَنْتَ رَاضٍ عَنَّا غَیْرَ غَضْبَانَ وَاجْعَلْنَا فِیْ مَوْقِفِ الْقِیَامَةِ مِنَ الَّذِیْنَ لاَ خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلاَ هُمْ یَحْزَنُوْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَ صَلِّ اللّٰهُم عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَنَبِیِّکَ وَ رَسُوْلِکَ النَّبِیِّ الاُمِّیِّ وَعَلیٰ آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا بِقَدْرِ عَظْمَةِ ذَاتِکَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَّحِیْنٍ اِلیٰ یَوْمِ الدِّیْنِ، آمین . (نهایة القول المفید فی علم التجوید للشیخ محمد بن ابی طالب الاندلسی مکی : ۳۰۲)

جمع وتدوین قرآن

قرآن ایک نوشتۂ ربانی ہے، جو اَمین وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اَطہر پر نزول پذیر ہوا۔ یہ ہر قسم کی تحریف وتغیر سے پاک ہے؛ کہ اِنَّـا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ. فرما کر اس کی حفاظت وصیانت کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمۂ کرم پر رکھ چھوڑا ہے۔ اس لیے قرآن اپنے تمام تر تحفظات کے ساتھ جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میمون میں پایا جاتا تھا، ویسے ہی آج بھی موجود ہے اور کل بھی رہے گا۔ ہمارے اس دعوے کے ثبوت میں بے شمار آیات واَحادیث اور اَقوال وآثار شاہد عدل ہیں۔ اس لیے قرآن کے جمع وتدوین کے سلسلہ میں تشکیک آفرینی یا ضعیف الاعتقادی؛ کامل الایمان مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔

قارئین کرام! قرآن کے جمع وترتیب کی تاریخ ایک طویل ترین بحث پر مشتمل ہے، جسے ہم ''تدوین قرآن'' مصنفہ: علامہ محمد احمد مصباحی- پرنسپل الجامعۃ الاشرفیہ -مبارک پور- سے ملخص ومختصر کر کے پیش کررہے ہیں؛ اس اُمید پر کہ شاید یہ آپ کی معلومات میں اِضافے کا سبب بنے۔

نـزول قرآن : جمہور مفسرین اور تمام اَربابِ تحقیق اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ قرآن کریم ماہِ رمضان اور شب قدر میں یک بارگی لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا، قرآن مجید اور صریح وصحیح احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن خود بیان فرماتا ہے :

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ ؁ (البقرہ:۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اُترا۔ (کنزالایمان)

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ؁ (القدر:۱)

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔ (کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی کہ شب قدر میں قرآن کریم یک بارگی آسمانِ دنیا کی طرف اُتارا گیا............ پھر اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا نازل فرماتا رہا۔(المستدرک:۲/۲۲۲)

حکمتِ تَنۡزِیۡل : مذکورہ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن لوح محفوظ سے یکبارگی، رمضان کے مہینے، اور قدر کی رات میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا قریباً تیئیس سال کی غیر معمولی مدت تک حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ اس طریقہ تنزیل کی حکمت خود قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے :

وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَةً وَّاحِدَةً کَذٰلِکَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰهُ تَرۡتِیۡلًا ؁ وَ لَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ؁ (الفرقان:۳۲،۳۳)

اور کافر بولے قرآن ان پر ایک ساتھ کیوں نہ اتار دیا، ہم نے یوں ہی بتدریج اسے اتارا ہے کہ اس سے تمہارا دل مضبوط کریں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا اور وہ کوئی کہاوت تمہارے پاس نہ لائیں گے مگر ہم حق اور اس سے بہتر بیان لے آئیں گے۔ (کنزالایمان)

دوسری آیت میں ہے :

وَ قُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ وَّ نَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ؁

(بنی اسرائیل:۱۰۶)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو، اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔ (کنزالایمان)

المرشد الوجیز فیما یتعلق بالقراٰن العزیز میں ابوشامہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں :

السر في إنزاله جملة إلى السماء تفخيم أمره و أمر من نزل عليه و ذٰلک بإعلام سكان السمٰوات السبع أن هٰذا آخر الكتب المنزلة على خاتم الرسل لأشرف الأمم ، قد قربناه إليهم لننزله عليهم . و لو لا أن الحكمة الإلٰهية اقتضت رسوله إليهم منجما بحسب الوقائع لهبط به إلى الارض جملة كسائر الكتب المنزلة قبله ، ولكن اللّٰه باين بينه وبينها، فجعل له الأمرين إنزاله جملة ثم أنزله مفرقا ، تشريفا للمنزل عليه . (الاتقان:۱/۴۰)

اُسے یک بارگی آسمان کی طرف نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے کہ قرآن اوراس ذات کی عظمت کا اظہار ہو جس پر قرآن نازل ہوا، وہ اس طرح کہ ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کو پہلے ہی خبردار کر دیا جائے کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر پر سب سے بہتر امت کے لیے نازل ہونے والی ہے، ہم نے اسے ان کے قریب کر دیا ہے تا کہ ان پر اسے بتدریج نازل فرمائیں۔ اور اگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہ ہوتا کہ بلحاظ واقعات وحوادث تھوڑی تھوڑی ان تک پہنچے تو اس سے پہلے نازل شدہ دیگر کتابوں کی طرح یہ بھی یکبارگی اُتاری جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس

آخری کتاب اور دوسری آسمانی کتابوں کا معاملہ جدا رکھا۔اسے دونوں طرز بخشے، یکبارگی نزول ، پھر جدا جدا نزول۔تا کہ اس ذات کا شرف ظاہر ہو جس پر اس کا نزول ہوا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل فرمانے میں چند حکمتیں تھیں:

(۱) مہبط وحی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی تسکین وتقویت کا سبب ہو اور کفار ومشرکین کی اذیتوں کے مقابلہ میں لطف کریم سے تسلی ملتی رہے،اور انھیں ہر اذیت پر خدا کی طرف سے صبر کی تلقین ہوتی رہے۔

(۲) بارِ نزول سے خدا کے اعزاز اور عنایات کا ظہور ہوتا رہے۔وصول آیات اور فرشتۂ یزدانی کی ملاقات سے بے پایاں مسرتیں حاصل ہوتی رہیں۔

(۳) مشرکین کے اعتراضات کا جواب دیا جاتا رہے۔

(۴) واقعات وحوادث کے مطابق نزول اور اُن پر تنبیہ ہوتی رہے۔

(۵) احکام شرعیہ کا نفاذ بتدریج ہو،تاکہ امت پر گراں نہ ہوں۔

(٦) قرآن کا حفظ،قرآن کا فہم واخذ امت پر سہل ہو۔

(۷) اس بات کی رہنمائی بار بار ہوتی رہے کہ قرآن کا کوئی نازل فرمانے والا ہے جس کی طرف سے تنزیل ہوا کرتی ہے۔

حفاظت قرآن : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات اترتیں انھیں بڑے اہتمام سے خود یاد کرتے ، پھر صحابہ کو سناتے ، حفظ کی کوشش یہاں تک تھی کہ درمیانِ نزول' قراءت جبرئیل کے ساتھ خود بھی تلاوت کرتے جاتے کہ کہیں یاد ہونے سے رہ نہ جائیں،نزول قرآن کا باریوں ہی بے پناہ گراں: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ٥ (الحشر:۲۱) (اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ

کے خوف سے۔) اس پر یہ مشقت اور ہی گراں۔اس کریم ورحیم پروردگار کو جسے محبوب کے احوال کا بڑا ہی لحاظ تھا، یہ مشقت مزید گوارا نہ ہوئی، فرمایا :

لاَ تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ o اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ o (القیامۃ:۱۶،۱۷)

تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو، بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ (کنزالایمان)

مگر یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس جمع ربانی کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظت قرآن کا وہ بے مثال انتظام فرمایا کہ عہد رسالت ہی میں قرآن کریم کے ضیاع اور تحریف وتبدیل کا خوف جاتا رہا۔ایک طرف تو صحابۂ کرام کو حفظ قرآن کی ترغیب دی، دوسری طرف عرب کی بے نظیر قوت حافظہ کے باوجود کتابت قرآن کا انتظام فرمایا، حالاں کہ عرب کا حافظہ مشہور ہے۔ ہزار ہا اشعار، قصائد، اُرجوزے اور روایات ان کو زبانی یاد ہوتیں، شعری مقابلوں میں اپنی قوت حافظہ پر فخر کرتے، کسی چیز کو لکھ کر یاد کرنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے، مگر ان سب کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کا معاملہ صرف حفظ تک محدود نہ رکھا بلکہ اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، جتنا قرآن نازل ہوتا بحکم رسول ﷺ اس کی کتابت بھی ہو جاتی۔اس طرح زمانۂ رسالت ہی میں نزولِ قرآن مکمل ہونے کے ساتھ، کتابت قرآن بھی مکمل ہوگئی، اور یہی وہ تدوین وکتابت ہے جو زمانۂ مابعد میں قرآنی خدمت کی اَساس اور بنیاد قرار پائی۔

ظہور اسلام کے وقت قریش کے قریباً سترہ آدمی کتابت سے واقف تھے، ان میں حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ، ابوسفیان اور معاویہ بھی شامل ہیں............رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کے فروغ پر خصوصی توجہ فرمائی۔غزوۂ بدر میں جب

قریش کے کچھ ایسے افراد بھی گرفتار ہوئے جو کتابت سے آشنا تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کا یہ فدیہ قبول فرمایا کہ وہ دس مسلمان لڑکوں کو لکھنا سکھا دے۔ اس طریق کار سے لکھنے والوں کی ایک خاصی جماعت پیدا ہوگئی، اور عرب میں کتابت کو عام فروغ حاصل ہوا۔ بہرحال! یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ عرب اور خصوصاً مسلمانوں میں کتابت سے آشنا افراد ضرور موجود تھے، جن کے ذریعہ عہد رسالت میں قرآن کی کتابت ہوتی رہی۔

قرآن حسب ضرورت و مصلحت نازل ہوتا رہا، کبھی پانچ آیات، کبھی دس، کبھی کم و بیش۔ قصہ افک میں یک بارگی دس آیات کا نزول، اسی طرح سورۂ مومنون کی ابتدائی دس آیات کا ایک ساتھ نزول' صحیح روایات میں مذکور ہے۔ یوں ہی تنہا 'غَیْرُ أُولِی الضَّرَرِ' کا نزول روایت صحیحہ سے ثابت ہے۔ اور یہ جزو آیت ہے۔ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ کا نزول بھی اول آیت کے نزول کے بعد ہوا، یہ بھی جزو آیت ہے۔ (الاتقان: ۱/۴۲، ۴۳) بہرحال جتنا بھی قرآن نازل ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی کتابت کرا لیتے۔

نـوٹ : جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ''جاہلیت'' کے زمانہ میں آشنائے کتابت کون تھا کہ ابتدائے نزول ہی سے کتابت بھی ہونے لگی' وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، ایک تو تاریخ سے بے خبری، دوسری 'جاہلیت' کے صحیح مفہوم سے ناآشنائی ـــــ 'جاہلیت' ایک خاص مفہوم رکھتا ہے، جس سے ایک دور اور اس کے کردار و احوال کی تعبیر کی جاتی ہے، یہ معنی نہیں کہ اس زمانے میں علم و فن سے کوئی آشنا ہی نہ تھا، اس وقت بھی عرب میں کئی علوم رائج تھے، مگر وہ علم صحیح کی قدریں پامال کر رہے تھے، ان کا ماحول' اخلاق و کردار کے اعتبار سے متعفن تھا، وہ بے حیائی و بدکرداری پر فخر کیا کرتے، ان ہی حالات کی بنا پر اس دور کو دورِ جاہلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے ـــــ کچھ ویسے ہی بلکہ اس سے بھی بدتر حالات، آج یورپ میں پیدا ہو چکے ہیں، اس خاص اصطلاح کے پیش نظر مغرب کو اس کی تمام تر ایجادات، علم و فن اور دنیاوی ترقیوں کے باوجود نمونۂ 'جاہلیت' کہا جا سکتا ہے۔ ۱۲ منہ

عارف باللہ حضرت حارث محاسبی [م ۲۴۳ھ] فرماتے ہیں :

کتابة القرآن لیست بمحدثة فانه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یأمر بکتابته ولکنه کان مفرقا في الرقاع والأکتاف والعسب .

یعنی قرآن کی کتابت، زمانۂ رسول کے بعد کی پیدا شدہ چیز نہیں، بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی کتابت کراتے تھے، لیکن اس وقت قرآن چرمی پارچوں (اونٹ کے مونڈھوں کی) ہڈیوں اور کھجور کی شاخوں میں لکھا ہوا منتشر تھا۔

ان بیانات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جتنا قرآن نازل ہوتا وہ قیدِ تحریر میں آ جاتا۔ اس طرح سرکار کے زمانہ ہی میں پورا قرآن لکھا جا چکا تھا مگر ترتیب آیات وسور کے ساتھ یکجا نہ تھا۔

عہد رسالت میں قرآن علاحدہ علاحدہ اوراق میں تھا، عہد صدیقی میں علاحدہ علاحدہ صحیفوں میں الگ الگ سورتیں لکھی گئیں، اور عہد عثمانی میں ایک مصحف کے اندر تمام آیات وسُوَر مرتب ہوئیں، مگر اس سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ زمانۂ نبوی میں اگر کتابۃً اوراق میں قرآن مرتب نہ تھا تو حفظاً سینوں میں بھی مرتب نہ تھا۔

آگے معلوم ہوگا کہ قرآن کی آیتوں اور سورتوں کے درمیان جو ترتیب عہد صدیقی اور عہد عثمانی میں صحف ومصاحف کے اندر قائم ہوئی، یہ وہی ترتیب ہے جو بعہد رسالت سینۂ حفاظ میں تھی، اور جسے صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتوقیف سے حاصل کیا تھا۔

عہد صدیقی میں قرآن کی تدوین ثانی

ماسبق میں آپ یہ پڑھ آئے ہیں کہ عہد رسالت میں پورے قرآن مجید کی کتابت ہو چکی تھی، مگر اس وقت تک آیات قرآنیہ چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر اور غیر مرتب تھیں، مرتب اور یکجا اگر تھیں تو حفاظ کے سینوں میں۔ مگر مسلمان ایک ایسے معرکے سے دوچار ہوئے کہ قرآن کی یک جا کتابت ناگزیر ہو گئی۔

تاریخ شناسوں پر مخفی نہ ہوگا کہ مسیلمہ کذاب' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں دعویٔ نبوت کر چکا تھا، وفاتِ سید عالم ﷺ کے بعد جب بہت سے قبائل عرب' اسلام سے منحرف ہوئے تو مسیلمہ بھی زور پکڑ گیا، اس کے شر و فتنہ کی مدافعت کے لیے ۱۱ھ میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں کثیر جماعت صحابہ پر مشتمل ایک فوج بھیجی، جس نے مسیلمہ اور اس کے حامیوں سے سخت معرکہ آرائی کی اور ان کے پرخچے اُڑا دیے، مسیلمہ خائب و خاسر ہوا اور قتل کیا گیا۔ تاریخ میں یہ واقعہ ''جنگ یمامہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں قریباً بارہ سو صحابہ کرام شہید ہوئے۔ عینی و مرقات میں ہے کہ صرف حفاظ شہدا کی تعداد سات سو (۷۰۰) تک تھی .... یہ ایک ایسا دل دوز واقعہ بن گیا جس نے صحابہ کے اربابِ حل و عقد کو چونکا دیا، قرآن کی یکجا کتابت لازمی سمجھی گئی، اور اس طرح خلافت اِسلامیہ کی نگرانی میں قرآن کی تدوین ثانی کا کام شروع ہوا۔

امام احمد وغیرہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے تدوین ثانی کی تفصیل یوں روایت کی ہے، فرماتے ہیں :

> ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے بعد میرے پاس آدمی بھیج کر مجھ کو طلب فرمایا، میں ان کے یہاں حاضر ہوا، تو حضرت عمر بھی

وہاں موجود تھے۔حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا: عمر نے مجھ سے آ کر کہا کہ جنگ یمامہ میں حفاظ قرآن کی بڑی شدید خوں ریزی ہوئی ہے، مختلف معرکوں میں حفاظ کی شہادت کا یہی نقشہ رہا تو مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سارا قرآن (ان کے ساتھ ہی) چلا جائے۔میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ''جمع قرآن'' کا حکم دیں۔اس پر میں نے عمر سے کہا: ہم کوئی ایسا کام کیسے کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔عمر نے کہا: هُـوَ وَالـلّٰـهِ خَيْرٌ. بخدا! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔عمر مجھ سے اس معاملہ میں گفت وشنید کرتے رہے، یہاں تک کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا، اور میری رائے بھی وہی ہوگئی جو عمر کی تھی۔

حضرت زید بن ثابت کہتے ہیں کہ صدیق اکبر نے مجھ سے کہا: تم عقل مند جوان ہو، تم پر ہماری کوئی تہمت بھی نہیں ہے، تم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے، تم تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے قرآن جمع کرو۔حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

فـو الـلّٰـه لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل مما أمرني به من جمع القرآن .

خدا کی قسم! اگر مجھے پہاڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر ''جمع قرآن'' کی اہم ذمہ داری سے زیادہ گراں نہ ہوتا۔

میں نے عرض کیا آپ حضرات ایک ایسا کام کیسے کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا۔صدیق اکبر نے جواب دیا : **هو و اللّٰه خير** . بخدا! یہ کام تو بہتر ہی ہے۔

فـلـم يـزل يـراجعني أبوبكر حتى شرح اللّٰه صدري للذي شرح له صدر أبي بكر و عمر .

اس پر ان سے میری گفت وشنید جاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا سینہ کھول دیا تھا۔

فتتبعت القراٰن أجمعه من العسب اللخاف وصدور الرجال .

تو تلاش وتتبع اور چھان بین کر کے میں درخت خرما کی شاخوں، سنگی تختیوں اور آدمیوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنے لگا۔

یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ **لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ** سے آخر سورہ تک (کل دو آیتیں) میں نے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے پاس پایا، ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہ پایا۔ اس تدوین سے صحیفے تیار ہو گئے (ہر سورہ ایک الگ صحیفے میں تھی، اس طرح سورہ کی تمام آیات یکجا ہو گئیں) یہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی میں ان ہی کے پاس رہے، ان کے بعد حضرت عمر کے پاس آئے، ان کی شہادت کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ بنت فاروق کے پاس رہے۔ (بخاری:۲/۷۴۷-کنز العمال:۱/۲۷۹)

تدوین ثانی کے خصائص : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن کی تدوین اور آیات قرآن کی تحقیق وتفتیش اور تلاش وتتبع میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا :

(۱) عہد رسالت کا کتابت شدہ قرآن' جو چرمی پارچوں، سنگی تختیوں اور دوسری چیزوں میں منتشر تھا، یکجا کر کے پیش نظر رکھا، یہ وہ اصل تھی جسے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے املا کرایا تھا، اور حسب روایت حضرت زید سے بعد املا پڑھوا کر سنا تھا، جہاں کہیں اصلاح کی ضرورت تھی، اصلاح بھی فرمادی تھی۔

(۲) لوگوں کے پاس، صحیفوں، تختیوں یا دوسری چیزوں میں جو مختلف نسخے اور اجزا تھے سب حتی الامکان جمع کر کے پیش نظر رکھے۔

(۳) ہر آیت کی تصدیق کم از کم دو حافظوں سے کرتے جاتے، مزید برآں خود بھی حافظ تھے۔

اس عظیم اہتمام اور تفتیش و تحقیق کے ذکر میں حدیث مذکور کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے قدرے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تدوین ثانی کتنی مشقت اور جاں فشانی کے ساتھ سرانجام دی گئی۔ مثلاً

> ہشام بن عروہ سے مروی کہ جب قراء کی شدید خوں ریزی ہوئی۔ حضرت ابوبکر کو قرآن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوا۔ حضرت عمر بن خطاب اور زید بن ثابت سے فرمایا: دروازۂ مسجد پر بیٹھو، تمہارے پاس جو شخص کتاب اللہ کے کسی حصے پر دو گواہ لائے تو اسے لکھ لو۔ (کنز العمال: ۲۸۰/۱)

تدوین ثانی کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن کا ایک نسخہ مجتمع شکل میں تیار ہو جائے اور وقت ضرورت وہ مرجع و معتمد بن سکے۔ اس کے لیے منتشر اجزا کو یکجا کر کے ترتیب سے لکھ لینا کافی تھا، اور دو شاہدوں کی تلاش، تفتیش و تحقیق، دوسرے نوشتوں کی چھان بین، محض اطمینان کلی، احتیاط مزید اور تنقیح کامل کے لیے تھی۔

بہرحال! 'جمع قرآن' صدیق اکبر کا بہت زبردست کارنامہ اور امت مسلمہ پر ان کا احسان عظیم ہے، جو رہتی دنیا تک ان کے فضائل و محاسن میں شمار کیا جائے گا۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے تدوین قرآن کے سلسلے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت و کرامت کا برملا اعتراف کیا :

> أعظم الناس في المصاحف أجرا أبوبكر -رحمة اللّٰه على أبي بكر هو أول من جمع كتاب اللّٰه .

> مصاحف میں سب سے زیادہ عظیم اَجر حضرت ابوبکر کا ہے۔ ابوبکر پر اللہ کی رحمت ہو، یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے کتاب اللہ کی تدوین فرمائی۔

(کنز العمال: ۲۷۹/۱ - فتح الباری: ۹/۹)

عہدِ عثمانی میں قرآن کی تدوینِ ثالث

اختلافِ لُغات : جیسے اردو کے بعض محاورات والفاظ میں خود فصحاے اہل زبان کا اختلاف ہے اسی طرح مختلف قبائل عرب کا عربی زبان میں بہت کچھ اختلاف تھا۔ مثلاً بنی ہُذَیل حَتّٰی کو عَتّٰی کہتے۔ اہل مدینہ کے یہاں تابوت کا تلفظ تابُوَہ تھا۔ بنی قیس کافِ تانیث کے بعد ش بولتے ضربَکِ کی بجائے ضربَکِش کہتے۔ اس طریق تلفظ کو کشکشۂ قیس سے تعبیر کیا جاتا۔ بنی تمیم 'اَنْ' ناصبہ کو 'عن' کہتے۔ اس طرح کے بہت سے اختلاف تھے۔ یوں ہی طرزِ ادا مثلاً تفخیم وترقیق (پر اور باریک پڑھنا) ادغام، اظہار، امالہ، تحقیق ہمزہ، تخفیف ہمزہ وغیرہ میں خاصا اختلاف تھا۔

قرآن مجید پہلے ایک زبان' زبانِ قریش میں نازل ہوا۔ مگر چوں کہ ابتداءً جب کہ مختلف قبائل عرب اسلام میں نئے نئے داخل ہو رہے تھے، اور ان میں بوڑھے، بچے، جوان، مرد، عورت، خواندہ، ناخواندہ سبھی تھے، تو ایسی حالت میں سب کے لیے زبانِ قریش کی پابندی، اپنے قبیلے کی زبان اور طریق ادا کا ترک بہت دشوار تھا، اگر سب کے لیے یہ پابندی لگادی جاتی تو بہت کم لوگ قرآن سیکھ پاتے، حالاں کہ احکام دین کی اشاعت کے پیش نظر قرآن کی بھی تعلیم واشاعت ضروری تھی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خداوند کریم سے دعاے تسہیل کی۔ فرماتے ہیں :

أرسل إلي أن أقرأ القراٰن علیٰ حرف، فرددت إلیه أن هوّن علـی أمتي ، فرُدّ إلی الثانیة ، أقرأه علیٰ حرفین فرددت إلیه أن هـوّن عـلـی أمتي فرد إلی الثالثة أقرأه علی سبعة أحرف ،

ولک بکل رَدّة رددتکها مسئلة تسألنیها ، فقلت اللھم اغفر لأمتي ، اللھم اغفر لأمتي ، وأخرت الثالثة لیوم یرغب إلی الخلق کلھم حتیٰ إبراھیم –علیه السلام– .

باری تعالیٰ کی طرف سے مجھے پیغام ملا کہ ایک حرف (زبان) پر قرآن پڑھوں، میں نے بارگاہِ ایزدی میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما، دوسری بار جواب ملا، دو زبانوں پر پڑھو۔ میں نے پھر اس کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ میری امت پر آسانی فرما۔ تیسری بار جواب آیا، سات زبانوں پر پڑھو اور ہر بار کی مراجعت و جواب کے بدلے تمھیں مجھ سے ایک دعا کرنے کا حق دیا جاتا ہے (جو قبول ہوگی تو تین بار کے بدلے تین دعا اور اس کی مقبولیت حضور کو دی گئی) میں نے عرض کیا: خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ خداوندا! میری امت کی مغفرت فرما۔ اور تیسری دعا میں نے اس دن کے لیے اُٹھا رکھی جس دن ساری مخلوق میری مشتاق (اور میری شفاعت کی طالب) ہوگی، یہاں تک کہ (ذوالعزم پیغمبر) حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی (جو بعد سرور کائنات تمام انبیا و رسل سے افضل ہیں علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **أنزل القراٰن علیٰ سبعة أحرف.** قرآن سات حرفوں (زبانوں) پر نازل فرمایا گیا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :

اکثر حضرات کا قول یہ ہے کہ سات حرفوں سے مراد وہ سات زبانیں ہیں جو عرب میں مشہور تھیں، اور جن کے فصیح ہونے کی شہادت موجود ہے ۔ وہ قریش، طی، ہوازن، اہل یمن، ثقیف، ہذیل اور بنی تمیم کی زبانیں ہیں۔

واضح رہے کہ زبانوں کے اختلاف سے اصل معانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی، سب کا معنی ایک تھا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابن شہاب زہری سے مروی ہے :

بلغني أن تلك السبعة الأحرف إنما هي في الأمر تكون واحدا لا تختلف في حلال و حرام .

مجھے خبر ملی ہے کہ یہ ساتوں زبانیں دین کے معاملہ وحکم میں ایک ہوتیں، ان میں کسی حلال وحرام کا اختلاف نہ تھا۔

تدوین ثالث کے اسباب ومحرکات : اس ضروری تمہید کے بعد 'تدوین ثالث' کے اسباب ومحرکات کا سمجھنا آسان ہوگیا۔

عمارہ بن غزیہ کی روایت میں ہے :

حضرت حذیفہ ایک جنگ سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے حضرت عثمان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے امیر المومنین! لوگوں کو تھامیے ۔فرمایا: کیا بات ہے؟ کہا میں سرحد ارمینیہ کی لڑائی میں شریک ہوا تو دیکھا کہ شام والے ابی بن کعب کی قراءت پر قرآن پڑھتے ہیں، جسے اہل عراق نے نہیں سنا۔ اور عراق والے ابن مسعود کی قراءت پر پڑھتے ہیں جسے اہل شام نے نہیں سنا تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری للعینی: ۲۰/۱۸-ارشادالساری: ۷/۳۵۸)

خود حضرت عثمان کے یہاں بھی اس طرح کا اختلافی مقدمہ پہنچا۔ ابن اشتہ نے ابوقلابہ سے بطریق ایوب روایت کی ہے، انھوں نے فرمایا: بنی عامر کے انس بن مالک نامی ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عثمان کے زمانے میں لوگوں نے قرآن کے بارے میں اختلاف کیا، یہاں تک کہ لڑکے اور معلّمین ایک دوسرے سے جنگ کر بیٹھے۔ معاملہ عثمان تک پہنچا تو انھوں نے فرمایا :

عـنـدي تـكـذبون به و تلحنون فيه فمن نأى عني كان أشد تكذيبا و أكثر لحنا . (الاتقان : ۱/ ٦۱)

میرے یہاں تم اس میں جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ تو تم سے بھی زیادہ تکذیب اور غلطی میں مبتلا ہوں گے۔

یہ ایک فتنے کی ابتدا تھی جس کا انجام بڑا ہی خطرناک اور اندوہ ناک ہوسکتا تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کے دِفاع کے لیے ممتاز صحابہ کرام کو جمع کرکے مشورہ کیا، اور اپنی رائے پیش کی جس پر تمام حضرات نے فیصلہ کر دیا کہ اب ضروری ہوگیا ہے کہ تمام قبائل عرب بلکہ ساری دنیا کو ایک لغت پر جمع کر دیا جائے، اور زبان نزول کے مطابق قرآن کے متعدد نسخے تیار کرا کے مختلف دیار و امصار میں بھیج دیے جائیں اور سب کے لیے اسی کی پابندی ضروری قرار دی جائے۔

جمع و تدوین عثمانی کا ایک انوکھا رُخ : عہد عثمانی میں تمام صحابہ و اَہل بیت اور حفاظِ کرام کے مکمل اِتفاق سے سرکاری طور پر ایک نسخہ تیار کیا گیا جو 'مصحف عثمانی' کے نام سے معروف ہوا۔ قرآن کی جمع و تدوین کا یہ کام جو سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچا، دراصل خود اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور حفاظت میں ہوا؛ کیوں کہ ارشادِ ربانی ہے :

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَ قُرْآنَهُ ٥ (سورۂ قیامہ:۷۵/۱۷)

بے شک اسے جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارا ذمہ ہے۔

اس پہلو کا جائزہ لینا بیعتِ رضوان کے حوالے سے نہایت ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے قرآن کی جمع و تدوین کا آخری کام متعدد صحابہ کرام اور خلفا کے باوجود حضرت عثمان ہی سے کیوں لیا؟۔ اس کی وضاحت صلح حدیبیہ

کے واقعہ سے ہوتی ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہ کے ہمراہ بمقام حدیبیہ پڑاؤ کیا اور سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجا۔ اس اثنا میں اطلاع ملی کہ کفار و مشرکین مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ اندریں صورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام سے جہاد پر آمادگی کی بیعت لی جسے 'بیعت رضوان' کہا جاتا ہے، اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آتا ہے :

إِنَّ الَّـذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوقَ اَيْدِيهِمْ ۝

(سورۂ فتح: ۴۸/۱۰)

(اے حبیب!) بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر (آپ کے ہاتھ کی صورت میں) اللہ کا ہاتھ ہے۔

تو یہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ اور آپ سے بیعت کو اپنی بیعت قرار دیا۔ پھر جب تمام صحابہ کرام کی بیعت ہو چکی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا :

إن عثـمـان فـي حـاجة الـلّٰه تعالیٰ و حاجة رسوله، فضرب بأحدى يديه على الأخرى، فكانت يد رسول اللّٰه لعثمان من أيديهم لأنفسهم . (سنن ترمذی: ۵/۶۳۶ حدیث: ۳۷۰۲)

یعنی عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں مصروف ہے؛ پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور اپنے ہی ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے ان کی طرف سے بیعت لی۔ تو حضرت عثمانِ غنی کے لیے حضور علیہ السلام کا دست مبارک دیگر صحابہ کرام کے لیے ان کے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔

یہ پہلو قابل غور ہے کہ اِدھر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا جب کہ دوسری طرف ﴿ یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیْدِیْھِمْ ۝ (گویا) اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے ﴾ کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا گویا بالواسطہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت قرار دیا؛ لہٰذا اس ہاتھ سے جمع وتدوین قرآن کے کام کا انجام پانا وعدۂ الٰہی ﴿ إِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ بے شک اسے جمع کرنا اور اسے پڑھانا ہمارا ذمہ ہے۔ ﴾ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ کے دست قدرت سے ہی انجام پانا ہے۔

تدوین ثالث کی کیفیت : تدوین اول کی کیفیت بس یہ تھی کہ پورا قرآن لکھ لیا گیا تھا، تمام سورتوں ، اور تمام سورتوں کی جملہ آیات کے درمیان ترتیب نہ تھی، تدوین ثانی میں ہر سورہ کی تمام آیات ترتیب سے لکھی گئیں، اور الگ الگ سورتوں پر مشتمل صحیفے تیار ہو گئے، مگر خود سورتوں کے درمیان باہمی ترتیب قیدِ تحریر میں نہ آسکی۔ اس لیے عہد عثمانی میں قرآن کے متعدد نسخے تیار کرانے کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا گیا کہ قرآن کی ایک "تیسری تدوین" ہو جائے، جس میں سورتوں کی باہمی ترتیب بھی ہو، اور جو قرآن الگ الگ سورتوں پر مشتمل 'صحیفوں' کی شکل میں ہے۔ اسے ایک 'مصحف' کی شکل دے کر پورے قرآن کی یکجا شیرازہ بندی کر دی جائے۔

الغرض! جب مصاحف میں صحیفوں کی نقل ہو گئی، تو حضرت عثمان نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو وہ صحیفے واپس کر دیے اور تدوین شدہ مصاحف میں سے ایک ایک مصحف ہر اہم اسلامی شہر میں بھیج دیا۔ اور اسی پر اجماع واتفاق ہو گیا۔

قرآن پر نقطے اور اعراب

خطِ عربی میں پہلے حرکات، سکون، تشدید اور نقطوں کا وجود نہ تھا۔ اس لیے قرآن میں بھی اعراب اور نقطے نہ تھے۔ تعلمون ، یعلمون ، فتح، فتّح، سمُر ، شمّر سب کی شکلیں یکساں ہوتیں؛ مگر یہ عرب کی قدرتِ زبان اور ان کے فہمِ کلام کا کرشمہ تھا کہ وہ ان سب کے بغیر، اصلی حرف و حرکت کی تعیین کر لیتے، اور صحیح پڑھتے۔

مصحفِ عثمانی کی تدوین کے بعد بھی قریباً پچاس سال تک لوگ اسی طرح پڑھتے رہے، جب مملکت اسلامیہ کے حدود وسیع ہوئے، اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو اکثر عجم اور بعض عرب سے بھی قراءت میں بہت سی غلطیاں ہونے لگیں، جس کے پیشِ نظر حجاج بن یوسف نے حکم دیا کہ ہم شکل حروف میں امتیاز کرنے کے لیے علامات مقرر کی جائیں، چنانچہ حضرت نصر بن عاصم لیثی رضی اللہ عنہ نے نقطے ایجاد کیے، جس سے ہم شکل حروف میں اشتباہ جاتا رہا۔ اور یہ کام ۷۶ھ میں سرانجام دیا گیا۔

سب سے پہلے با اور تا پر نقطے لگائے گئے جسے دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوئے اور کہا اس میں کوئی حرج نہیں، یہ نقطے تو حروف کے لیے نور اور رونق ہیں۔

اِعراب کی سب سے پہلے ایجاد کرنے والے أبو الأسود دؤلی تابعی بصری رضی اللہ عنہ (م ۶۹ھ) ہیں، جنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقۂ آغاز پر

علم نحو کی ایجاد و تکمیل کی۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حروف پر نقاط لگانے کا کام تو ۶۹ھ سے پہلے ہی مکمل ہوگیا تھا؛ البتہ اعراب لگانے کا کام حجاج بن یوسف نے ۷۶ھ میں انجام دیا تھا۔

اعراب لگانے کا داعیہ یہ واقعہ بنا کہ انھوں نے ایک شخص کو اِنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ رَسُوْلِهٖ (بکسر لام) پڑھتے سنا (جس کا معنی یہ ہوجاتا ہے کہ بیشک اللہ مشرکوں سے بری ہے اور اپنے رسول سے) یہ غلطی کوئی معمولی نہیں، بہت بڑی تھی، انھوں نے فرمایا: معاذ وجه الله من أن يبرئ من رسولهٖ (خدا کی پناہ اس سے کہ وہ اپنے رسول سے بری ہو) انھیں اعراب کی ضرورت کا شدت سے احساس ہوا، جس کے بعد انھوں نے اعراب وضع کیا۔

پھر خلیل بن احمد فراہیدی رضی اللہ عنہ نے تشدید، مد، ہمزہ، جزم، وصل اور حرکات کی علامتیں ایجاد کیں، اور کسرہ، فتحہ، ضمہ (زیر، زبر، پیش) کی وہ صورتیں وضع کیں جو آج ہیں۔

قرآن میں منازل کے نشانات حجاج بن یوسف کی تحریک پر حسن اور یحییٰ بن یعمر عدوانی رضی اللہ عنہما نے لگائے۔ دس آیت کے اختتام پر ایک علامت [ے] کی ایجاد مامون عباسی کے زمانے میں ہوئی۔ رکوع کی علامت بھی اسی زمانے میں مقرر ہوئی اس طرح کہ نماز میں تراویح میں جتنی مقدار پڑھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رکوع کیا کرتے، اس کے اختتام پر کنارے یہ علامت [ع] لگادی گئی۔

(تفسیر روح البیان: ۹/ ۹۹۔ تفسیر نعیمی: مقدمہ بحوالہ تدوین قرآن: ص ۹ تا ۱۲۹)

قرآن ! ایک نظر میں

قرآنی معلومات عامہ کے حوالے سے ذیل میں ایک اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں جس سے قرآن کے کلمات وحروف وغیرہ کی تعداد پر آگاہی بآسانی ہوجائے گی، مگر یہ کوئی حتمی اَعداد وشمار نہیں۔ درحقیقت ان کا حقیقی علم تو قادرِ مطلق پروردگار ہی کو ہے۔

پہلی وحی :

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ o (سورہ علق: آیت ۱تا۵)

آخری وحی :

وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ o (البقرہ : ۲۸۱)

اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الاِسْلَامَ دِیْناً o (المائدۃ : ۳)

کاتبانِ وحی :

کم وبیش ۴۰ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

قرآن کی مدت نزول :

تقریباً ۲۲ سال، ۵ ماہ، ۱۴ دن

عمومی تقسیم :

پارے	۳۰	منزلیں	۷
سورتیں	۱۱۴	رکوعات	۵۵۸
آیات	۶۲۳۶		
سجدہائے تلاوت	متفق علیہ ۱۴ - مختلف فیہ ۱		
کلمات	۸۶۴۳۰	حروف	۳۲۳۶۷۱

منازل کی تقسیم :

سورہ فاتحہ	تا	سورۂ نساء
سورۂ مائدہ	تا	سورۂ توبہ
سورۂ یونس	تا	سورۂ نحل
سورۂ بنی اسرائیل	تا	سورۂ فرقان
سورۂ شعراء	تا	سورۂ یٰس
سورۂ والصّٰفّٰت	تا	سورۂ حجرات
سورۂ قٓ	تا	سورۂ والناس

مضامین :

علم عقائد — علم احکام

تذکیر باللہ — تذکیر بایام اللہ

تذکیر بالموت و مابعد الموت

اقسام آیات :

آیات وعدہ : ۱۰۰۰	آیات وعید : ۱۰۰۰
آیات نہی : ۱۰۰۰	آیات امر : ۱۰۰۰
آیات مثال: ۱۰۰۰	آیات قصص: ۱۰۰۰
آیات تحلیل: ۲۵۰	آیات تحریم : ۲۵۰
آیات تسبیح : ۱۰۰	آیات متفرقہ: ٦٦

تفصیل حرکات (اعراب) :

ضمات (پیش)	۸۸۰۴	فتحات (زبر)	۵۳۲۲۳
کسرات (زیر)	۳۹۵۸۲	مدات (ــٓ)	۱۷۷۱
تشدید (شدّ)	۱۲۷۴	نقاط (نقطے)	۱۰۵۶۸۴

تفصیل حروف تہجی :

ا	۴۸۸۷۲	ب	۱۱۴۲۸
ت	۱۱۹۹	ث	۱۲۷۶
ج	۳۲۷۳	ح	۹۷۳
خ	۲۴۱۶	د	۵۶۰۲
ذ	۴۶۷۷	ر	۱۱۷۹۳
ز	۱۵۹۰	س	۵۹۹۱
ش	۲۱۱۵	ص	۲۰۱۲
ض	۱۳۰۷	ط	۱۲۷۷
ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹
ق	۶۸۱۳	ک	۹۵۰۰
ل	۳۴۳۲	م	۳۶۵۳۵
ن	۴۰۱۹۰	و	۲۵۵۳۶
ہ	۱۹۰۷۰	لا	۳۷۲۰
ی	۴۵۹۱۹		

[ماخوذ از: المعجم المفہرس لألفاظ القراٰن الکریم: ۷۸۳]

''برکات الترتیل'' جب تکمیل کی راہ طے کر چکی، تو احباب و تلامذہ کا پُرشوق اصرار ہوا کہ جن کی قراءت، جن کی روایت، اور جن کا طریق ہم پڑھتے ہیں ضمیمہ کے طور پر اُن جلیل القدر رِجال کے کوائف و احوال بھی شامل کتاب کر دیے جائیں۔ ان کے پیہم اصرار کے باعث میں نے اثبات میں تو سر ہلا دیا، مگر جب اس موضوع پر تحقیق و تجسس اور متداول و غیر متداول کتابوں کی ورق گردانی شروع کی، تو سعی لاحاصل کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا۔ کچھ اوراق پر اُن کے احوال بکھرے ملے بھی تو ایسے مختصر کہ دو چند سطروں میں سمیٹ دیے گئے تھے۔ الغرض! اپنے محدود مطالعہ کے دوران مجھے عربی و فارسی اور اُردو کے ذخیرہ میں کوئی ایسی کتاب نظر نہ آئی، جس میں ان بزرگوں یا کم از کم کسی ایک کے متعلق ہی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ جس طرح لوگوں نے فن تجوید و قراءت کے سلسلے میں بے اعتنائی برتی اور اس کے ساتھ سوتیلا برتاؤ کیا، کچھ یہی معاملہ اُس کے رجال و شیوخ کی سیرت و سوانح کے سلسلہ میں بھی روا رکھا گیا؛ اور آج حال یہ ہے کہ اُن کے حالات سے آگاہی کے لیے تفتیش بسیار کے باوجود تسبیح نامرادی کے دانے گننے پڑ رہے ہیں۔ کوئی چودہ سو سال کا غیر معمولی عرصہ بیت جانے کے بعد بھی امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ ولادت کے سلسلہ میں تمام مؤرخوں کے قلم مہر بہ لب ہیں۔ ماضی قریب کے کچھ تذکرہ نویسوں نے قیاساً و تخمیناً آپ کی پیدائش کا سال- ۴۵ھ- تجویز کیا ہے۔

ذیل کی سطروں میں ''ذکر اِمام عاصم کوفی'' - ''تذکرۂ اِمام حفص کوفی'' - اور ''احوالِ امام شاطبی'' کے عنوان سے تینوں اَئمہ کرام کے اَحوال بہ توفیق الٰہی بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب ورق الٹیے اور تاریخ قاریانِ عظام کے مطالعہ سے دیدہ و دل کی سیرابی کا سامان کیجیے۔ وَ مَا توفیقی إلا باللّٰه و هو نعم الوکیل .

ذکر امام عاصم کوفی رحمہ اللہ

کوفہ کی سرزمین اپنے گونا گوں اوصاف اور بوقلموں خصوصیات نیز فقہ وادب، حدیث ولغت اور قراءت میں اپنی مرکزیت اور علمی امتیاز کے باعث ہمیشہ سے ارباب دانش وبینش کی توجہ کا مرکز رہی ہے۔اس عظیم ترین خدمت کا تقاضا یہ ہے کہ چمنستان کوفہ کے لالہ وگل کی خوشبوؤں سے مشتاقانِ علم اور شیفتگانِ حقیقت کے مشام جاں معطر کیے جائیں۔

فقہ وحدیث اور نحو ولغت کی اشاعت میں کوفہ کے علما وفضلا کا امتیازی مقام اپنی جگہ مگر علم قرآن وفن قراءت کی توسیع کے حوالے سے قرائے کوفہ کی بے لوث خدمات اپنی مثال آپ ہیں۔قراءت عشرہ کے ایک امام خلف بزار بھی کوفی ہی ہیں ۔ بڑی بات یہ ہے کہ ائمہ سبعہ فی القراآت میں سے تین جلیل القدر ائمہ اسی مردم خیز خطہ سے اُٹھے ہیں۔یعنی حضرت امام عاصم کوفی، امام حمزہ زیات کوفی اور امام کسائی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

علامہ شاطبی نے انھیں تینوں اماموں کا ذکر ''قصیدۂ لامیہ'' میں یوں کیا ہے :

و بالکوفة الغراء عنهم ثلاثة ☆ أذاعوا فقد ضاعت شذا و قرنفلاً

یعنی (علم وادب کے درخشندہ شہر) کوفہ میں (قرائے سبعہ میں سے) تین قراء ایسے ہوئے ہیں،جنھوں نے (کوفہ میں) علم کو پھیلایا،تو (اس کی برکت سے) خطہ کوفہ عود اور قرنفل (لونگ) کی خوشبو کی مانند مہک اٹھا۔

سرِدست ہم یہاں فنِ قراءت میں اپنے امام یعنی گلستانِ کوفہ کے ایک مہکتے شگوفہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ذکر مختصراً کرنا چاہیں گے، جن کی قراءت شرق وغرب خصوصاً عراق وشام، ترکی وافغانستان، ہندستان وپاکستان، چین وجاپان، برطانیہ وبنگلہ دیش وغیرہ اور زیادہ تر بلادِ مصریہ میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔

آپ کا نام عاصم بن ابی النجود (ابن بہدلہ) اور کنیت ابوبکر ہے، مولداً وموطنا آپ اسدی وکوفی اور جلیل القدر تابعی ہیں۔علی القیاس آپ کی تاریخ پیدائش ۴۵ھ بتائی جاتی ہے۔آپ صحابی رسول حضرت حارث بن حسان کی صحبت سے فیض یاب ہوئے جب کہ بنی بکر کے وفد کا قاصد بن کر حضرت حارث کے پاس جانا ہوا تھا۔ آپ نے کبارِ تابعین میں شیخ القراء ابوعبد الرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی، حضرت ابومریم زِرّ بن حُبَیش اسدی اور حضرت سعد بن الیاس شیبانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے قرآن حکیم پڑھا۔(یہ تینوں حضرات کوفی اور پائے کے تابعی ہیں)۔ان تینوں نے حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضٰی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے-- اوران نفوسِ قدسیہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرف قراءت حاصل کیا۔ نیز حضرت امام عاصم کوسیدنا علی مرتضٰی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت سے بھی قرآن کریم پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔اس طرح آپ کی قراءت ایک ہی واسطہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے۔

حضرت ابوبکر بن مجاہد نے امام عاصم کو ائمہ قراے سبعہ کی ترتیب میں پانچویں نمبر پر رکھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ چوتھے قاری حضرت امام ابن عامر شامی کی طرح آپ کبارِ تابعین میں سے ہیں۔آپ کی سند چونکہ عالی اور بلند ہے اور بہ لحاظ شیوخ وطبقات ابن عامر شامی کے بعد آپ سب سے مقدم ہیں۔اس لیے چھٹے اور ساتویں قاری امام حمزہ زیات کوفی اور امام ابوالحسن کسائی سے پہلے بیان کی جاتی ہے۔

حضرت امام عاصم کوفی رحمۃ اللہ علیہ بڑے فصیح و بلیغ، زبردست تجوید داں، ضبط واتقان کے جامع اور زہد وورع میں یگانۂ روزگار تھے۔ طریقۂ ادا اور لحن ولہجہ عجیب تھا اور خوش الحانی میں تو اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ قرآن وحدیث، فقہ ولغت اور صرف ونحو میں بلا کا درک رکھتے تھے۔ قرآن اس عمدگی اور خوش آوازی سے پڑھتے کہ سننے والے پر کیف ووجد کا سماں بندھ جاتا اور وہ کلام الٰہی کے معانی کی بے کراں وسعتوں میں کھوسا جاتا۔ عبادت وریاضت آپ کی زندگی کا خصوصی وظیفہ تھا۔ نمازیں بکثرت پڑھتے اور جمعہ کے دن نماز عصر تک جامع مسجد ہی میں قیام پذیر رہتے تھے۔ علم وحکمت کے شہر کوفہ میں آپ مسلسل پچاس برس تک مسند تدریس پر فائز ومتمکن رہے۔

ارباب دانش کی نظر میں :

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام عاصم صاحب قراءت ہیں اور میں ان کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

حضرت صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام عاصم کے متعلق اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے دریافت کیا تو فرمایا: **رجل صالح ثقة** (وہ ایک نیک اور معتمد شخص ہیں)۔ میں نے پھر پوچھا کہ آپ کے نزدیک سب سے بہتر قراءت کس کی ہے؟ فرمایا: **قراء ة اهل المدينة ، فان لم يكن فقراء ة عاصم** (مدنی قراءت ورنہ امام عاصم کی)۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: **اهل الكوفة يختارون قراء ته و انا اختارها.** (اہل کوفہ انھیں کی قراءت اختیار کرتے ہیں اور مجھے بھی وہی پسند ہے)

حضرت ملاعلی قاری 'شرح شاطبیہ' میں فرماتے ہیں: **فالامام ابوبکر عاصم بن ابی النجود کان اماما فی الکتاب والسنۃ لغویا، فقیھاً، تابعیا لحق الحارث بن حسان حین وافد بنی بکر وکانت لہ صحبۃ وکان عاصم عابدا کثیرا الصلوٰۃ، یلازم الجامع یوم الجمعۃ حتیٰ یصلی العصر وکان فی حسن الصوت غایۃ وفی الفصاحۃ نہایۃ** ۔امام ابوبکر عاصم بن ابوالنجود قرآن وسنت، نحو ولغت اور فقہ میں امام تھے، اور جلیل القدر تابعی بھی۔ آپ کو (صحابی رسول) حضرت حارث بن حسان کی صحبت حاصل ہے جب قبیلہ بنوبکر کے قاصد بن کر آپ کے پاس گئے تھے۔ آپ عابد وزاہد اور کثیر الصلوٰۃ تھے۔ جمعہ کے دن عصر کی نماز تک جامع مسجد میں بالالتزام ٹھہرتے۔ خوش آوازی اور فصاحت وبلاغت میں اپنی نظیر آپ تھے۔

حضرت علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام عاصم صاحب سنت وقراءت، ثقہ، اور رئیس القراء تھے۔

حضرت ابواسحاق ربیعی رحمۃ اللہ علیہ تو بار بار فرماتے تھے: میں نے عاصم سے بہتر قاری نہیں دیکھا، عاصم سے زیادہ قرآن کا عالم کوئی نہیں۔

حضرت حافظ ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ ''ابراز'' میں فرماتے ہیں: **ابوبکر عاصم بن ابی النجود احد السادۃ من ائمۃ القراءۃ والحدیث** ۔حضرت ابوبکر عاصم بن ابوالنجود بلند پایہ ائمہ قراءت وحدیث میں سے ایک ہیں۔

حضرت علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ 'معرفۃ القراء' میں فرماتے ہیں: **حدیثہ مخرج فی الکتب الستۃ**۔ ان کی حدیثیں صحاح ستہ میں تخریج کی گئی ہیں۔

حضرت یحیٰ بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ما رأیت افصح من عاصم** میں نے عاصم سے فصیح وبلیغ کسی کو نہ دیکھا۔

حضرت مسلمہ بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **کان عاصم ذا نسک وادب وفصاحۃ وصوت حسنٍ** ۔امام عاصم زہد وعبادت، فضل وکمال، فصاحت وبلاغت اور اچھی آواز کے مالک تھے۔

حضرت علامہ ہیثمی نے 'مجمع الزوائد' میں امام عاصم کو''حسن الحدیث'' لکھا ہے۔

آپ کے سن وفات کے سلسلے میں حضرت ملا علی قاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

مات بالکوفۃ او السماوۃ وھو موضع بالبادیۃ بین الشام والعراق من ناحیۃ الفرات سنۃ سبع و عشرین و مائۃ .

۱۲۷ھ میں (خلافت مروان کے اواخر عہد میں) شام وعراق کے درمیان فرات کے نواح کوفہ یا سماوت میں آپ نے وفات پائی۔

امام عاصم کے مشہور راوی ابوبکر شعبہ بن عیاش فرماتے ہیں: **دخلت علی عاصم و ھو فی الموت فاغمی علیہ فافاق فقرأ'' ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلاَھُمُ الْحَقّ..........''** ۔یعنی میں ایسے وقت امام عاصم کے پاس حاضر ہوا جب وہ موت وحیات کے درمیان معلق تھے، افاقہ ہوتے ہی اس آیت کی تلاوت شروع کردی''ثُمَّ رُدُّوْا اِلَی اللّٰہِ مَوْلاَھُمُ الْحَقّ ''جب وہ پڑھ رہے تھے ایسا محسوس ہورہا تھا جیسے محراب کے اندر سنا رہے ہیں۔

آپ کے بے شمار رُواۃ اور تلامذہ ہیں۔ مثلاً مفضل، حماد اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ۔لیکن ان کے راویوں میں غیر معمولی شہرت صرف دو اقبال مندوں کو نصیب ہوئی: (۱) امام ابوبکر شعبہ بن عیاش (۲) امام حفص بن سلیمان۔ان دونوں میں آفاقی مقبولیت موخر الذکر کو میسر ہوئی۔

تذکرۂ امام حفص کوفی رحمہ اللہ

امام عاصم تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خرمن علم سے اکتساب فیض ونور کرنے والے سعادت مندوں میں امام حفص علیہ الرحمہ کا نام سرفہرست ہے۔یہی وہ تلمیذ رشید ہے جس نے اپنے خلوص محکم اور سعی مسلسل کی بنیاد پر قراءتِ امام عاصم کو دنیا کے چپے چپے میں پہنچادیا،آج کاخ وایوان اور دشت وچمن قراءتِ عاصمی کی دھمک سے گونج گونج رہے ہیں۔

آپ ابوعمرو کنیت رکھتے تھے اور حفص بن سلیمان بن مغیرہ بزاز کوفی نام تھا۔کوفہ کی سرزمین پر ۹۰ھ میں تولد کے شرف ومجد سے ہمکنار ہوئے۔آپ نے امام عاصم کوفی سے متعدد بار قرآن مجید پڑھا۔ان کے تمام رُواۃ وتلامذہ میں سب سے زیادہ قوی الحافظہ تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو قوت حافظہ ایسا بلا کا عطا فرمایا تھا کہ جو کچھ اپنے استاذ سے پڑھ لیا نقش کالحجر ہوگیا،پھر بھولنے کی بات کہاں؟۔

آپ کی سند نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صرف تین واسطوں سے پہنچ جاتی تھی۔جسے ذیل کی تفصیل سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حفص نے امام عاصم بن ابی النجود کوفی تابعی سے' انھوں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب السلمی اور حضرت ابومریم زِر بن حبیش سے' پھر ان میں سے امام عبداللہ بن حبیب سلمی نے حضرت

عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم (ان پانچ صحابہ) اور امام زر بن حبیش نے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے اور ان سب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پڑھا۔ (التیسیر للدانی بحواله معلم التجوید:٤٥)

امام محقق ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس سے ذرا کچھ ہٹ کر ہے، آپ نے اس کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے :

امام عاصم کے تین شیوخ ہیں، اور تیسرے شیخ کا نام ابوعمر وسعد بن الیاس شیبانی ہے۔ (پھر فرمایا کہ) ان تینوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے اکتساب قراءت کیا ہے۔ پھر ان تین میں سے سلمی اور زر نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی پڑھا ہے۔ اور سلمی نے ان تین کے علاوہ حضرت ابی بن کعب اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما سے بھی پڑھا ہے۔ (النشر:١/١٥٥)

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سلمی نے تو حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت اُبی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور ان پانچ صحابہ سے اور حضرت زر بن حُبَیش نے حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود۔ ان تین سے اور حضرت ابوعمر وسعد بن الیاس شیبانی نے صرف عبداللہ بن مسعود سے پڑھا ہے۔ اور ان پانچوں صحابہ نے خود بارگاہِ رسالت سے خوشہ چینی کی ہے۔ واللّٰہ اعلم وعلمهٗ اتم و احکم ..

آپ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے ربیب تھے۔ آپ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ کپڑے کی تجارت بھی کی ہے۔

ارباب دانش کی نظر میں :

آپ کے فضائل ومحامد میں علماے اعلام کے بہت سارے اقوال نظر افروز ہوئے ہیں مگر ہم طوالت کے خوف سے ان میں سے چند کے بیان ہی پر اکتفا کریں گے۔

ابن معین فرماتے ہیں :

حفص وشعبہ، عاصم کی قراءت میں اعلم الناس تھے۔

پھر آگے فرماتے ہیں :

امام حفص، ابوبکر شعبہ سے زیادہ بحر قراءت کے شناور تھے۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں :

حفص، قراءت میں ثقہ ضابط تھے۔

فضل وکمال کا یہ نیر تاباں ۱۸۰ھ میں غروب ہوگیا۔

ان کی روایت بلادِ مغرب کے علاوہ تمام ممالک عرب وعجم میں خصوصیت کے ساتھ رائج ہے، اور برصغیر ہندو پاک کے مدارس ومعاہد تو اس کی برکت سے خوب خوب نہال ہیں اور ان میں بھی صرف یہی روایت پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اب ہم اسے خداداد قبولیت کے سوا اور کیا نام دیں کہ صدیاں گزر گئیں، مگر آج بھی مکاتب ومدارس اور علمی مراکز میں صرف امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت پڑھائی جاتی ہے۔ اور روے زمین پر ایک ہزار حفاظ میں سے تقریباً نوسو ننانوے کو صرف یہی روایت حفص یاد ہے۔ شاید ایسے لوگ خال خال نظر آئیں جنھوں نے یہ روایت نہ پڑھی ہو۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء .

احوالِ امام شاطبی رحمہ اللہ

اندلس کے ایک مردم خیز شہر 'شاطبہ' سے علم و فضل کے کئی آفتاب و ماہتاب چرخ عالم پر ضوفگن ہوئے، اور اپنے فضل و کمال کی تابشی کرنیں اور دودھیا چاندنی بکھیر کر جوارِ رحمت الٰہی میں روپوش ہوگئے۔ان ہی نابغہ روزگار ہستیوں میں ابوالقاسم القاسم بن فِیرُہ بن خلف بن احمد الشاطبی الرعینی الضریر کی محترم ذات بھی تھی۔آپ کی ولادت 'شاطبہ' کے اندر قریباً ۵۳۸ھ میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم گھر کے روحانی ماحول میں پائی، اور قراءت کے ابتدائی مراحل بھی اپنے شہر مالوف ہی میں حضرت عبداللہ محمد بن العاص نفری کے پاس طے کیے۔اور اس فن میں خوب ضبط واتقان حاصل کیا۔روز افزوں تشنگی کی سیرابی کا سامان کرنے کے لیے متعدد شہروں کے پُر درد سفر کو بہ ہزار خوشی قبول کیا۔ان اسفار میں شہر بلنسیہ کا قصد سفر خصوصیت کا حامل ہے کہ جہاں آپ نے وقت کی عظیم و جلیل شخصیت ابوالحسن علی بن ہذیل بلنسی کی خدمت میں اپنا کشکول شوق بڑھادیا، اور سیراب ہوکر اُٹھے۔یہاں کے دورانِ قیام آپ نے التیسیر حفظ کی، قراءت سنائی۔اور ساتھ ہی ابن ہذیل سے درس حدیث بھی لیا اور روایت بھی کی۔

حضرت امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صرف امام قراءات ہی نہیں تھے بلکہ باکمال مفسر، رمز شناس محدث اور ماہر نحو وصرف ولغت بھی تھے۔تقویٰ وطہارت کے دھنی تو تھے ہی، خاشع و متضرع بھی بہت تھے۔ولی اللہ کے لقب سے یاد کیے جاتے رہے۔آپ کے بارے میں ابن خلکان کا تاثر پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے :

کان عالما بکتاب اللّٰہ تعالیٰ قراءۃً و تفسیراً وبحدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم مبرزاً فیہ ، و کان اذا قرء علیہ البخاری ومسلم والموطأ تصحح النسخ من حفظہ ویملی النکت علی المواضع التی یحتاج الیھا وکان اوحد زمانہ فی علم النحو واللغۃ عارفاً بعلم الرؤیا ، حسن المقاصد فیما یقول و یفعل . (ابن خلکان:١/٤٢٢)

یعنی (علامہ شاطبی) قراءت میں مہارت وبراعت کے ساتھ ساتھ تفسیر قرآن میں بھی گہرادرک رکھتے تھے۔احادیث نبویہ کے علوم ومعارف میں امتیازی شان رکھتے تھے۔اور یہ امتیاز ایسا غیر معمولی تھا کہ جب بخاری ومسلم وموطاان کے پاس پڑھی جاتی تو اپنی خداداد قوت حافظہ سے نسخوں کی تصحیح کراتے ،اوراسی ذیل میں حسب ضرورت سند ومتن کے تعلق سے نکات بھی املا کراتے جاتے تھے۔علم نحو وصرف میں یکتاے روزگار تھے۔تعبیر خواب کا بھی علم رکھتے تھے،اور اپنے قول وفعل میں بہترین مقاصد (یعنی رضاے الٰہی واخلاص) پیش نگاہ رکھتے تھے۔

اس کے بعد آپ عازمِ حرمین طیبین ہوئے،اس سفر میں بھی طلب علم کے سچے تجسس نے آپ کو اسکندریہ میں حضرت ابوطاہر سلفی وغیرہ کی بارگاہ میں بغرض سماع پہنچایا۔وہاں سے مصر کا قصد فرمایا۔قاضی مصر آپ کی جلالت قدر اور عظمت شان پہلے ہی سن چکا تھا چنانچہ اس نے زبردست اکرام وتعظیم کا معاملہ کیا اور قاہرہ میں 'درب الموخیہ' کے مقام پر اپنے قائم کردہ مدرسہ میں سب سے اعلیٰ مقام پر آپ کو فائز کر دیا۔

مصر کی آب وہوا آپ کو لگ گئی،اور یہاں کا علمی وادبی ماحول آپ کو راس آ گیا چنانچہ اسی کو اپنا وطن سمجھ کر یہیں کے ہوکر رہ گئے۔اسی شہرستانِ علم وفضل میں اقامت پذیری کے زمانے میں آپ نے اپنے شہرۂ آفاق قصائد ''قصیدہ لامیہ''اور''قصیدہ رائیہ'' کو تکمیل کی منزل تک پہنچایا۔آپ کی تصانیف میں قصیدہ لامیہ غیر معمولی شہرت

کا حامل ہے، جس کی مجملاً ومفصلاً سیکڑوں سے زیادہ شرحیں تحریر کی جا چکی ہیں۔ قصیدہ رائیہ، قصیدۃ ناظمۃ الزھر، اور قصیدہ دالیہ وغیرہ آپ کی مقبول ومشہور تصانیف ہیں۔

جس وقت آپ نے علم وفضل کی بساط بچھائی اور تعلیم وتدریس کی مسند سجائی، تو آپ کی عبقریت وآفاقیت کا شہرہ سن کر گوشہ ہائے عالم سے علم کے متوالے جوق در جوق مانند پروانہ آپ پر ٹوٹ پڑے، اور شرف تلمذ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے سفر کی طوالت ومشقت کی بھی پرواہ نہ رہی۔ آپ سے اکتسابِ فیض کرنے والے سعادت مندوں کی ایک لمبی فہرست ہے، مگر طوالت کے سبب ہم اس کے بیان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

علامہ شاطبی کی رفعت شان اور آپ کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ محقق فن علامہ ابن جزری نے قصیدہ لامیہ کی شان میں جو وقیع الفاظ والہانہ وفراخ دلانہ انداز میں استعمال کیے ہیں شاید ہی کسی عالم اور مقری کے لیے کیے ہوں۔ لیجیے آپ بھی سنیے :

من وقف علی قصیدته(اللامیه و الرائیه) علم مقدار ما آتاه اللہ تعالیٰ فی ذالک خصوصاً اللامیه التی عجز البلغاء من بعده عن معارضتها فانه لا یعرف مقدارها الا من نظم علی منواله او قابل بینها وبین ما نظم علی طریقها و لقد رزق ھٰذا الکتاب من الشهرة والقبول مالا اعلمه للکتاب غیره فی ھٰذا الفن الخ

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے علامہ شاطبی کو اس فن میں جو مقام ومرتبہ بخشا ہے اس کا علم اسی کو ہوسکتا ہے جو ان کے دونوں قصائد (لامیہ ورائیہ) سے واقفیت رکھتا ہو، خصوصاً قصیدۂ لامیہ کہ آپ کے بعد اس قصیدہ کے مقابلے میں بڑے بڑے فصحا وبلغا نے برملا اپنے عجز کا اعتراف واظہار کیا ہے۔ یہ عدیم النظیر قصیدہ اپنے طرزِ بیان اور قدرت علی الکلام کے باعث بلندی کے اس مقام پر فائز ہے

کہ اسے ہرکس وناکس سمجھ نہیں سکتا۔اس کی حقیقت کا عرفان اسے ہی نصیب ہوگا جو ان کے طرز و انداز پر لکھنے کا ارادہ کرے اور پھر مقابلہ کرکے دیکھے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے جو شرف وشہرت اس قصیدہ کو عطا ہوئی میرے علم میں کسی اور کتاب وقصیدہ کو نہیں مل سکی، نہ صرف فن قراءت میں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اس کے علاوہ کسی اورفن کے قصیدے میں یہ مقام ومقبولیت حاصل نہیں ہوئی (تو بے جانہ ہوگا) میرے خیال میں کوئی بھی اسلامی شہر اس قصیدہ سے خالی نہ ہوگا بلکہ میرا وجدان تو یہ کہہ رہا ہے کہ کسی طالب علم کا گھر شاید ہی اس سے خالی ہو۔

امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا یہ قصیدہ ختم کرنے کے بعد بیت اللہ شریف کے بارہ ہزار طواف کیے اور جب جب اماکن دعا پر پہنچتے دورانِ طواف اس دعا کا خاص اہتمام والتزام فرماتے : **اللّٰھم فاطر السمٰوات الأرض عالم الغیب والشھادۃ رب ھٰذا البیت العظیم انفع کل من قرأھا۔**

نیز اس کے متعلق ایک یہ بھی روایت ملتی ہے کہ علامہ شاطبی نے سرکارِ دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور سامنے کھڑے ہوکر ادب کے ساتھ سلام کیا اور عرض کیا، اے میرے آقا! اس قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیے۔ یہ سن کر آپ نے اس قصیدہ کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لیا اور فرمایا کہ یہ قصیدۂ مبارک ہے جو اسے یاد کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔علامہ قرطبی نے اس میں یہ اضافہ فرمایا ہے: **بل من مات و ھی فی بیتہ دخل الجنۃ** .یعنی جو اس حال میں مرے کہ اس کے گھر میں یہ قصیدہ ہو تو وہ جنت میں داخل کیا جائے گا۔

آپ نے حیات مستعار کی باون بہاریں دیکھیں۔ اور ۲۸/جمادی الآخرہ ۵۹۰ھ میں قاہرہ میں واصل بحق ہوگئے۔'قرافہ صغریٰ' میں مرادوں کی برآری کے لیے آپ کی قبر مشہور ہے۔حضرت ابن جزری فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی قبر کے پاس قبولیت دعا کی برکت کھلے طور پر محسوس کی۔

کتابیات:

اِس کتاب کی ترتیب کے دوران بہتیری کتابیں زیرِ مطالعہ رہیں مگر جن کتابوں سے بطورِ خاص مدد لی گئی اور اِستفادہ کیا گیا، اُن کے اَسما یہ ہیں :

- قرآن کریم ۔ابتدائے نزول: ٦١٠ء-انتہائے نزول: ٩/ذی الحجہ١٠ھ/ ٦٣٢ء
- مسند الطيالسي : سلیمان بن داؤد طیالسی [٢٠٤ھ]
- مصنف عبد الرزاق : ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام صنعانی [٢١١ھ]
- فضائل القرآن : امام ابوعبید قاسم بن سلام [٢٢٤ھ]
- مسند ابن الجعد : ابوالحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی [٢٣٠ھ]
- مسند إمام أحمد بن حنبل : امام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی [٢٤١ھ]
- سنن دارمی : امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی [٢٥٥ھ]
- صحيح بخاري : امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [٢٥٦ھ]
- خلق أفعال العباد للبخاري : ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری [٢٥٦ھ]
- المعجم الأوسط : امام سلیمان بن احمد طبرانی [٢٦٠ھ]
- المعجم الكبير : امام سلیمان بن احمد طبرانی [٢٦٠ھ]
- مسند الشاميين : امام سلیمان بن احمد طبرانی [٢٦٠ھ]
- صحيح مسلم : امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج قشیری [٢٦١ھ]
- سنن ابن ماجه : امام عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی [٢٧٣ھ]

- سنن ابی داؤد : امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث [۲۷۵ھ]
- جامع ترمذی : امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی [۲۷۹ھ]
- البحر الزخار مسند البزار : حافظ ابوبکر احمد بن عمرو عتکی بزار [۲۹۳ھ]
- مختصر قيام الليل للمروزي : ابوعبداللہ محمد بن نصر مروزی [۲۹۴ھ]
- سنن نسائی : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- السنن الكبریٰ للنسائي : امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی [۳۰۳ھ]
- أخلاق حملة القرآن للآجري : ابوبکر محمد بن حسین آجری [۳۰۶ھ]
- مسند أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- معجم أبي يعلى الموصلي : احمد بن علی موصلی [۳۰۷ھ]
- مسند الروياني : محمد بن ہارون رویانی [۳۰۷ھ]
- صحيح ابن خزيمة : محمد بن اسحٰق بن خزیمہ [۳۱۱ھ]
- مستخرج أبي عوانة : یعقوب بن اسحاق اسفرائنی [۳۱۶ھ]
- الضعفاء الكبير : محمد بن عمرو بن موسیٰ بن حماد عقیلی [۳۲۲ھ]
- معجم ابن الأعرابي : ابوسعید احمد بن محمد بن اعرابی [۳۴۱ھ]
- صحيح ابن حبان : ابوالشیخ محمد بن حبان [۳۵۴ھ]
- المستدرک : امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری [۴۰۵ھ]
- فوائد العراقيين : ابوسعید محمد بن علی نقاش اصبہانی [۴۱۴ھ]
- فوائد تمام : تمام بن محمد بن عبداللہ حلبی [۴۱۴ھ]
- حلية الأولياء : ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی [۴۳۰ھ]
- معرفة السنن و الآثار للبيهقي : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]

- السنن الکبریٰ للبیھقی : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- السنن الصغریٰ للبیھقی : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- شعب الایمان : ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی [۴۵۸ھ]
- التمھید : یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر اندلسی [۴۶۳ھ]
- تفسیر معالم التنزیل : ابومحمد حسین بن مسعود بغوی شافعی [۵۱۶ھ]
- شرح السنة للبغوي : امام حسین بن منصور بغوی [۵۱۶ھ]
- تفسیر کشاف : ابوالقاسم محمد بن عمرو زمخشری [۵۳۸ھ]
- القصیدۃ الشاطبیة : ابوالقاسم بن فِیرُّہ الشاطبی الرعینی الضریر [۵۹۰ھ]
- تفسیر رازی : امام فخرالدین محمد بن عمر رازی [۶۰۶ھ]
- الترغیب والترھیب : امام زکی الدین عبدالعظیم منذری [۶۵۶ھ]
- تفسیر قرطبی : ابوعبداللہ محمد بن احمد ابی بکر قرطبی [۶۷۱ھ]
- تفسیر مدارک التنزیل : ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی [۷۱۰ھ]
- تفسیر خازن : امام علاء الدین علی بن محمد بغدادی معروف بہ خازن [۷۴۱ھ]
- مشکوٰۃ المصابیح : شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزی العراقی [۷۴۲ھ]
- الجوھر النقي : احمد بن عثمان بن ابراہیم تاج الدین ترکمانی حنفی [۷۵۰ھ]
- تفسیر ابن کثیر : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- البدایة والنھایة : حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل ابن کثیر [۷۷۴ھ]
- سراج القاری : ابوالقاسم علی بن عثمان معروف بابن القاصح بغدادی [۸۰۱ھ]
- طبقات المحدثین : عمر بن علی بن احمد شافعی معروف بہ ابن ملقن [۸۰۴ھ]
- مجمع الزوائد : امام نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمی [۸۰۷ھ]

- موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان : نورالدین ابوالحسن ہیثمی [۸۰۷ھ]
- المقدمة الجزرية : امام شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری [۸۳۳ھ]
- معجم ابن المقرىء : اسماعیل بن ابوبکر بن علی شرجی زبیدی [۸۳۷ھ]
- فتح الباري : ابوالفضل احمد بن علی معروف بہ ابن حجر عسقلانی [۸۵۲ھ]
- عمدة القاري : بدرالدین محمود بن احمد عینی [۸۵۵ھ]
- المقاصد الحسنة للسخاوي : شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی [۹۰۲ھ]
- تفسير درّ منثور : امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- الاتقان فى علوم القرآن : امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- جمع الجوامع للسيوطي : امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی [۹۱۱ھ]
- تخريج أحاديث الإحياء : حافظ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی مکی [۹۷۳ھ]
- كنز العمال : امام علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین ہندی برہانپوری [۹۷۵ھ]
- تفسير أبو السعود : احمد بن محی الدین بن محمد مصطفیٰ عمادی حنفی [۹۸۲ھ]
- المنح الفكريه : ملا علی قاری بن سلطان محمد ہروی [۱۰۱۴ھ]
- در المختار : امام علاء الدین محمد بن علی حصکفی [۱۰۸۸ھ]
- غيث النفع فى القراء ات السبع : ابوالحسن علی بن محمد نوری صفاقسی [۱۱۱۸ھ]
- تفسير روح البيان : ابوالفداء شیخ اسمٰعیل حقی بروسوی [۱۱۳۷ھ]
- اتحاف السادة المتقين : سید محمد بن محمد مرتضیٰ زبیدی [۱۲۰۵ھ]
- تفسير مظهرى : قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی [۱۲۲۵ھ]
- حاشيه كمالين بر جلالين : مولانا سلام اللہ رامپوری [۱۲۳۳ھ]
- تفسير روح المعانى : علامہ محمود آلوسی حنفی [۱۲۷۰ھ]

- أحسن الوعاء لآداب الدعاء : علامہ نقی علی خاں قادری بریلوی [۱۲۹۷ھ]
- فتاویٰ رضویه : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- ذيل المدعا لأحسن الوعاء : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- كنز الإيمان في ترجمة القراٰن : امام احمد رضا قادری محدث بریلوی [۱۳۴۰ھ]
- فوائد مكيه : مولانا قاری مقری محمد عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی [۱۳۴۹ھ]
- تفسير خزائن العرفان : صدرالافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی [۱۳۶۸ھ]
- خلاصة البيان : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
- ضياء القراء ت : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
- معرفة الوقوف : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
- جامع الوقف : مولانا قاری مقری ضیاء الدین احمد الہ آبادی [۱۳۷۱ھ]
- حيات أعليٰ حضرت : ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری [۱۳۸۲ھ]
- المعجم المفهرس لألفاظ القراٰن الكريم : محمد فواد عبدالباقی [۱۳۸۸ھ]
- تنوير المرأت : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
- معرفة الرسوم : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
- حواشي مرضيه : مولانا قاری مقری ابن ضیاء محبّ الدین الہ آبادی [۱۴۰۲ھ]
- البدور الزاهره : قاضی عبدالفتاح بن عبدالغنی [۱۴۰۳ھ]
- تفسير ضياء القراٰن : علامہ پیر کرم شاہ ازہری پاکستان [۱۹۹۸ء]
- ضياء الترتيل : علامہ مولانا قاری مقری احمد ضیاء ازہری [۲۰۰۱ء]
- جامع الأحاديث : مولانا محمد حنیف خاں رضوی۔ دامت برکاتہم القدسیہ، بریلی
- منار الهدیٰ فی بيان الوقف والابتداء : احمد بن محمد عبدالکریم اشمونی شافعی

- تیجـــان القـــاری و ســـراجُ الـمبتـــدی : قاری حسن بن احمد ملیباری
- مـعلِّم التجوید للمتعـلم المستفیـد :مولانا قاری مقری محمد شریف لاہور
- تدوینِ قرُآن : علامہ محمد احمد مصباحی ۔ شیخ الجامعہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ
- عـــلم التجـــــوید : مولانا قاری مقری محمد غلام رسول لاہور
- البیـــان فـي عـلــم التجـويد : الحاجہ نعیمہ الصباغ
- نهاية القول المفيد : شیخ محمد مکی نصر مصری
- لمعات شمسیه : مولانا قاری یوسف سیالوی
- نعیم الترتیل : مولانا قاری مقصود عالم النعیمی اشرفی
- معلم الأداء فی الوقف و الابتداء
- فتح الرحمن شرح خلاصة البيان
- عنایات رحمانی
- تعلیقات مالکیه

یقول محـمّـد افروز قادری جریاکوتی – منـح مـنـاه و أوتي – هٰذا ما وفقني اللّٰه تبارک و تعالیٰ و أعانني علیه من وضع هٰذا الکتاب الذي دأبتُ في ترتیبهٖ و تهذیبهٖ و مراجعتهٖ بکل ما في وسعي و طاقتي و ﴿ لاَ یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا مَا آتٰهَا ﴾ [طلاق : ۷] .

و إني أسئـل اللّٰه سبحانه و تعالیٰ أن یجعل عملي هٰذا و جهدي خالصا لوجهه الکریم و هـدية إلـیٰ جناب سیدي رسول اللّٰه العظیم أنجو به من نار الجحیم و ما توفیقي إلا باللّٰه الرحیم علـیه تـوکلت و إلیه أنیب . و کان الفراغ منه بفضل اللّٰه و منته و توفیقه و معونته في منتصف یوم الأربعاء ، الحادي عشر من جمادي الأول عام ۱٤۲٥ھ من الهجرة النبوية علیٰ صاحبها السلام و التحية ، الموافق شهـر یونیو ۲۰۰٤ء من میلاد المسیح علیه الصلوٰة و التسلیم .

رَبَّنَا لاَ تُؤَاخِـذْنَا إنْ نَسِیْنَا أو أخْطَأنَا

قلمی خدمات :

تصنیف و ترتیب

☆ چند لمحے اُم المومنین کی آغوش میں (م)
☆ بزم گاہِ آرزو (م)
☆ برکاتُ الترتیل Online (م)
☆ اے میرے عزیز! (م)
☆ مرنے کے بعد کیا بیتی؟ Online (م)
☆ بولوں سے حکمت پھوٹے (م)
☆ طوافِ خانہ کعبہ کے دوران (م)
☆ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی (م)
☆ بچوں کے لیے چالیس حدیثیں Online (م)
☆ جلوۂ صد رنگ (مجموعہ تقاریظ نعمانی) (غ)
☆ نو جوانوں کی حکایات کا انسائیکلو پیڈیا (م)
☆ 'وقت' ہزار نعمت Online (م)
☆ کلامِ الٰہی کی اَثر آفرینی (غ)
☆ قاموس المعاصرین (غ)

تحقیق و ترجمہ

☆ تسہیل و تحقیق انوارِ ساطعہ Online (م)
☆ تسہیل و تحقیق تحفہ رفاعیہ Online (م)
☆ تسہیل و تحقیق تزکِ مرتضوی Online (م)
☆ تسہیل و تحقیق اِثبات الشفاعۃ (م)
☆ فضائل شهر رجب لابن محمد خلال (م۴۳۹ھ)
- فضائل ماہِ رجب (غ)
☆ لفتة الكبد في نصيحة الولد لابن الجوزي (م۵۹۷ھ)
- امام ابن جوزی کی نصیحت اپنے لختِ جگر کے لیے Online (م)

☆ الزهر الفائح في ذكر من ...... لابن الجزري (م۸۳۳ھ)
- وہ لوگ اور تھے! جن کا اِحرامِ ہستی گناہوں سے آلودہ نہ ہوا۔ (غ)
☆ بشرى الكئيب بلقاء الحبيب للإمام السيوطي (م۹۱۱ھ)
- آزردہ خاطروں کے لیے ــــــ موت کیا ہے؟ Online (م)
☆ الأرج بعد الفرج للإمام السيوطي (م۹۱۱ھ)
- اور مشکل آسان ہوگئی (غ)
☆ يا رسول الله! لماذا أحبک وأصلي عليک؟ للباحبيشي
- یارسول اللہ! ہم آپ پر کیوں جان چھڑکتے ہیں؟ ـــ (غ)
☆ المراح في المزاح للإمام رضي الدين الغزي (م۹۸۴ھ)
- مذاق کا اِسلامی تصور (غ)
☆ كيفية الوصول لرؤيا سيدنا الرسول ﷺ للعلامة حسن شداد عمر
- آئیں دیدارِ مصطفےٰ کرلیں (غ)
☆ Evolution an historical lie By: Harun Yahya
- نظریہ اِرتقا ایک تاریخی فریب (از: ہارون یحیٰ، ترکی) Online (م)
☆ The Prophet Muhammad By: Harun Yahya
- محمد رسول اللہ Online (م)
☆ The importance of Ahlus Sunna By: Harun Yahya
- مقامِ اہلسنّت Online (م)
☆ Civilization of Virtue By: U. Noori Topbash
- نگارِستانِ سعادت Online (م)
☆ گیارہویں شریف کا ثبوت (از: پروفیسر فیاض کاوش) (م)
- Historical Importance of the 11th Date
☆ (پیاری نصیحتیں) Wonderful Counsels (غ)
☆ ما فعل الله بک ؟ (غ)
☆ موسوعة حكايات الشبّان (غ)
☆ حول كعبة الله المشرفة (غ)

مختلف علمی وفکری، اَدبی وتنقیدی اور فقہی وتحقیقی موضوعات پر
درجنوں مضامین ومقالات، تبصرے اور تجزیے.

وقت ہزار نعمت

اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

وقت' ایک عظیم نعمت اور خداوند قدوس کی عطا کردہ بیش قیمت دولت ہے۔ قوموں کے عروج و زوال میں 'وقت' نے بڑا اَہم کردار اَدا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں نے وقت کے ساتھ دوستی رچائی، اور اپنی زندگی کے شام وسحر کو وقت کا پابند کرلیا، وہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے میں کامیاب ہوگئیں، صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کردیا، اور زمانے کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھوں میں تھام لی؛ لیکن جو قومیں 'وقت' کو ایک بیکار چیز سمجھ کر یوں ہی گنواتی رہیں تو وقت نے انھیں ذلت ونکبت کی اَتھاہ گہرائیوں میں ایسا ڈھکیل دیا کہ دور دور تک کھوجنے سے آج اُن کا نام ونشان تک نہیں ملتا!۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لیں، اور اللہ تعالیٰ نے وقت کی شکل میں جو عظیم نعمت دے رکھی ہے اس کی قدر کریں؛ ورنہ یہ نعمت بہت جلد چھن جانے والی ہے، اور پھر کف اَفسوس ملنے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ وقت کی قدر وقیمت کے تعلق سے ایک بیش بہا تحفہ۔

علامہ ابن جوزی -۵۹۷ھ- کی دِل اَفروز نصیحت

اپنے لخت جگر کے لیے

اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

عزیز بیٹے! جسے دولتِ عرفان نہیں ملتی وہ دنیا کی عمر کو بہت زیادہ سمجھتا ہے؛ لیکن پسِ مرگ اُسے معلوم ہوجائے گا کہ دُنیا کا قیام کتنا مختصر تھا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو ساٹھ سال کی زندگی ملی، تیس سال تو اُس نے سونے میں گنوادیے، اور قریباً پندرہ سال بچپن کے لااُبالی پن میں گزر گئے۔ اَب جو باقی بچے، اُن کا اگر دیانت داری سے جائزہ لو تو زیادہ تر اَوقات لذات وشہوات اور کھانے کمانے کی نذر ہوگئے۔ اَب جو تھوڑی بہت کمائی آخرت کے لیے کی تھی اُس کا اکثر حصہ غفلت اور ریا ونمود کی نحوست سے اَٹا ہوا ہے۔ اَب بتاؤ وہ کس منہ سے حیاتِ سرمدی کا سودا کرے گا، اور یہ سارا کا سارا سودا انھیں گھڑیوں اور سانسوں پر موقوف تھا!...... حدیث پاک کے مطابق ''سبحان اللہ وبحمدہٖ'' پڑھنے والے کے لیے جنت میں ایک باغ لگا دیا جاتا ہے، بیٹے! اَب ذرا فکر کو آنچ دے کر سوچو کہ زندگی کے قیمتی لمحات کو برباد کرنے والا کتنے بہشتی باغات کھو بیٹھتا ہے!!!۔

بچوں کی اَخلاقی تربیت کے لیے کہانیوں کے ساتھ

چالیس حدیثیں   اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

بچے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور چمنستانِ ہستی کے رنگ برنگے پھول ہیں، اُن کے اَخلاق پھول کی پتیوں کی طرح نازک ہوتے ہیں، اچھا اَدب اُن کے لیے بادِ بہار ہے جب کہ فحش لٹریچر بادِ خزاں۔ زندگی کے جس موڑ پر وہ کھڑے ہوتے ہیں وہ بڑا ہی نازک موڑ ہوتا ہے۔ عادتیں وہیں سے بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اخلاقی تربیت کا یہ بیش بہا تحفہ دراصل اسی لیے پیش کیا جارہا ہے تاکہ ایک قابل رشک زندگی کی تعمیر میں وہ اس سے روشنی حاصل کرسکیں، اورقوم وملت کے لیے قیمتی سرمایہ بن سکیں۔ بچوں کے اَخلاق وکردار کی تعمیر وتطہیر کے حوالے سے یہ اَدنیٰ سی کوشش شاید آپ کے بچوں کی زندگی میں کامیابی کی للک پیدا کردے۔ یہ کتاب ہر گھر کے ٹیبل کی ضرورت ہے۔

مرنے کے بعد کیا بیتی؟   اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب دراصل پس اِنتقال خواب میں دیکھے جانے والوں کے کوائف واَحوال پر مشتمل ایک وجد آفریں مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا ہر ہر واقعہ اور مرنے والوں کی ایک ایک بات' جہاں عبرت آموز ونصیحت خیز ہے، وہیں ذہن ودماغ کو جھنجھوڑنے اور انقلاب لانے والی بھی ہے۔ پڑھتے پڑھتے کہیں کہیں آپ اَشک بار ہوجائیں گے تو کہیں تبسم زیرلب سے شادکام ہوتے نظر آئیں گے۔ یہ واقعات ہمیں اپنی اِصلاح کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت کی یاد بھی دلاتے ہیں، اپنے عمل کے محاسبے پر بھی اکساتے ہیں اور رحمت خداوندی سے مایوسی کے اَندھیروں سے بھی چھٹکارا دلاتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سرخیل اَتقیا، حضرت جنید بغدادی -رحمہ اللہ- (متوفی:۲۹۷ھ) کو وصال کے بعد کسی نے عالم خواب میں دیکھ کر دریافت کیا: اے ابوالقاسم! اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا، نیز آپ ہمیں اُس جنس گراں مایہ کے بارے میں آگاہ فرمائیں جس کی مانگ' جہانِ برزخ میں زیادہ ہے؟۔ تو آپ نے فرمایا: رکوع وسجود، قیام وقعود، کشف وکرامات اور مراقبہ ومجاہدہ سب معدوم ہوگئے اور مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے، بجز اُن چند رکعتوں کے جنہیں میں نے نیم شبی کی خلوتوں میں اَدا کیا تھا۔

موت کیا ہے؟ اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب' فکرِ آخرت کی لَو تیز کرنے کی ایک کڑی ہے، اور دنیا برتنے کا سبق دیتی ہے۔ نیز اِس دنیا سے چل چلاؤ کے وقت مومن کن کن نعمتوں اور اِنعامات سے بہرہ ور کیا جاتا ہے ان پر روشنی بھی ڈالتی ہے۔ مرنا چوں کہ ہر ایک کو ہے اس لیے یہ کتاب ہر کسی کے مطالعہ سے گزرنا چاہیے اور اپنی زندگی وموت کی کنہ وحقیقت سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ کائنات کی بقیہ چیزوں میں اِختلاف کے شوشے تو نکال لیے جاتے ہیں؛ مگر جگ جگ روشن ہے کہ بس موت ہی ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بابت کیا مولوی، کیا حکیم، کیا فلسفی، کیا منطقی کسی کو کبھی کوئی اختلاف نہیں رہا ہے۔ اس کتاب میں کیا کچھ پنہاں ہے اس کا اندازہ پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ یہ کتاب دراصل امام سیوطی علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب: 'بشری الکئیب بلقآء الحبیب' کا سلیس ورواں ترجمہ ہے۔

بولوں سے حکمت پھوٹے اَز: محمد افروز قادری چریاکوٹی

یہ کتاب دراصل مشہور تابعی حضرت مالک بن دینار- رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی عنہ- کے اِرشادات وواقعات کا وہ روح پرور مجموعہ ہے جو آن کی آن میں دنیاے قلب و باطن یکسر بدل کر رکھ دے۔ یہ ایک تابندہ حقیقت ہے کہ پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقعِ زیبا حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی، اِیمان میں توانائی اور قوتِ فکر وعمل میں برق آسا سرعت وچمک پیدا کردیتا ہے۔ یہ کتاب اسی اُمید پر ترتیب دی گئی ہے کہ شاید ماڈی دنیا کی نیرنگیوں اور اس کی جھوٹی چمک دمک کے بیچ حضرت مالک بن دینار علیہ الرحمہ کی نصیحتوں کا کوئی پارس آپ کے آبگینۂ دِل سے مس ہوجائے اور پھر اُس کے لمس سے آپ بھی بیش قیمت بن جائیں۔

ملنے کا پتہ: نعمانی بک ڈپو، مچھلی منڈی، پانڈے کٹرا، چریاکوٹ، مئو، یوپی Cell:9795244867